مجلۂ علوم اسلامیہ

جلد ۲ نمبر ۱

جون ۱۹۶۱

ادارۂ علوم اسلامیہ

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

جلد ۲ نمبر ۱

مجلۂ علوم اسلامیہ

جون ١٩٦١

ادارۂ علوم اسلامیہ

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

مجلس ادارت

مجلۂ علوم اسلامیہ سال میں دوبار شائع ہوتا ہے

ایک شمارے کی قیمت پانچ روپے
رجسٹری کے مصارف ایک روپیہ

مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ 313

مجلۂ علوم اسلامیہ

جون ۱۹۶۱ء

فہرست مضامین

مقالات :

معلومات :

مُعرّب لفظوں میں حرف « ق » کی حیثیت

ڈاکٹر عبدالستار صدیقی

عربی حرف « ق » لکھاوٹ میں جس صوت (یعنی آواز) کی نیابت کرتا ھے وہ سب سامی زبانوں (عربی، عبرانی، سُریانی، وغیرہ) میں پاٸی جاتی ھے[1]. آریاٸی اور اکثر و بیشتر لسانی خاندانوں کی زبانوں کے حروفِ تہجی میں یہ آواز نہیں ھے. اس لیے یہ حرف سامی زبانوں کا مخصوص حرف ھے. یہ اور بات ھے کہ جب عربی یا کوٸی اور سامی زبان اپنے وطن سے دور جا پہنچی ھے تو اِس حرف کے تلفّظ میں کسی قدر فرق ہو گیا ھے. پھر بھی قدیم معیاری زبان نے اپنے ادب اور ثقافت کے بل پر اپنے خط و حال کو مضبوطی کے ساتھ برقرار رکھا، بلکہ جن غیر علاقوں میں وہ پہنچی اُن کے باشندوں کی زبانوں کو بھی اپنے تلفّظ اور لب و لہجے سے کم و بیش مُتأثر کیا. خود وطن میں بھی کچھ گروہ ایسے تھے جن کا لہجہ پہلے ھی سے معیاری زبان سے کسی قدر مختلف تھا. چنانچہ « ق » کا تلفّظ خود عربستان کے بعضے نواح اور فِلسطین وغیرہ میں « ک » یا « گ » یا « ع » وغیرہ ھوگیا تھا؛ مصر کی زبان میں « ق » ھمزہ سے بہت مُشابہ ھوگیا ھے.[2]

آریاٸی زبانیں، جیسا کہ اوپر کہا جا چکا، اِس حرف سے یکسر خالی ھیں. غیر سامی زبانوں میں سے صرف ترکی ایک ایسی زبان ھے جس میں « ق » ھے. عُثمانی ترکی یعنی اناطولیا اور اِستنبول کی ترکی کے حروف تہجی میں « ق » شامل تو ھے مگر تلفظ اُس کا « ک » ھوگیا ھے. ترکی نہ سامی زبان ھے نہ آریاٸی، بلکہ تاتاری (یا لسانیات کی اِصطلاح

---

۱ دلمان، «حبشی زبان کی صرف نحو» (لائپسک ۱۸۹۹ع) ص ۴۳ (جر).

۲ ولیَمْ رائٹ، «سامی زبانوں کی تقابلی صرف نحو» (کیمبرج ۱۸۹۰) ص ۵۲ (انگ)

میں اورال التاءی) خاندانِ السنہ میں شامل ھے ۔ اس لیے فارسی سے اس کا رشتہ ناتا نہیں ھے ، سوا اُس رابطے کے جو ایران کے سلجوقی اور پھر ایلخانی حکمرانوں کے عہد میں پیدا ہوا اور جس کا نتیجہ یہ ھے کہ بعضے ایرانی علاقوں میں آج کئی سو برس سے دونوں زبانیں ھمسایگی کی زندگی بسر کر رھی ھیں

اس بنا پر ھم کہہ سکتے ھیں کہ « ق » آریاءی یا ایرانی صوت (یعنی آواز) نہیں ھے ، البتہ اسلامی دور کی فارسی کی الفبے میں یہ حرف شامل ھے ، مگر فقط اُن لفظوں میں آتا ھے جو عربی یا ترکی سے فارسی میں آءے ھیں . قدیم فارسی (یعنی اوستا کی اور میخی کتبوں کی زبان) اور درمیانی دَور کی فارسی (پہلوی ، زند ، پارند وغیرہ) میں « ق » نہیں آتا ھے ؛ اور آج بھی عربی یا ترکی لفظوں میں « ق » آتا ھے تو ایرانی اُسے اکثر « غ » کی آواز سے ادا کرتے ھیں.[۳]

مُعرّب لفظوں میں ، جو فارسی زبان سے عربی میں یا اور کسی سامی زبان (جیسے سُریانی) میں در آءے ھیں ، اُن میں « ق » بہت کثرت سے آیا ھے . اور حقیقت یہ ھے کہ اسلامی دور سے بہت پہلے وہ تقریباً سارے فارسی لفظ ، جو عربی میں داخل ھوءے ھیں ، پہلے آرامی زبان میں (جس کی سب سے اھم شاخ سُریانی ھے) آچکے تھے ، اور آرامی سے عربی میں آءے .

یہاں یہ سوال اُٹھتا ھے کہ جب عربی اور اور سامی زبانوں میں « ق » اور « ک » دونوں موجود تھے تو فارسی « ک » کی جگہ سامی « ک » نے کیوں نہ لی اور بجاءے اُس کے سامی « ق » فارسی « ک » کی نمایندگی کس بنا پر کرنے لگا ؟ جواب اِس سوال کا یہ ھے کہ عربی (یا کسی اور سامی زبان) میں جاکر صِرف فارسی ھی کا « ک » بدل کر « ق » نہیں ھو گیا ھے بلکہ فارسی کے علاوہ یونانی ، سنسکرت وغیرہ سے جو لفظ عربی میں آءے اُن میں بھی اگر « ک » تھا تو وہ عربی میں « ق » ھوگیا ھے ،

---

۳ اور کبھی ، برعکس اس کے ، « غ » کو « ق » کردیتے ھیں جیسے « غلط » کی جگہ « قلط » .

مثلاً یونانی « کلیئدا » (ے مجہول) فارسی میں آکر « کلید » لیکن عربی میں « اِقلید » ہوا اور بعض اور سامی زبانوں میں « أقلیدا » اور « قلیدا ».[۴] اِن میں سے پہلی شکل فارسی میں « کَلید » اور عربی میں « اِقلید » (ملحق به فعلیل بالکسر) ہے. یونانی « کندےلا » اور آرامی « قَندیلا » عربی میں « قِندیل » (ملحق به فعلیل) ہے. یونانی « بےری‌کوککا » عربی میں « برقوق » (مشمش) آرامی « برقوقا » سے حاصل ہوا. یہاں یہ بات بڑی اہم ہے کہ نہ صرف آرامی، بلکہ حبشی زبان میں بھی غیر زبانوں کا « ک » (سوا چند مُستثنیات کے) « ق » ہوگیا ہے.[۵] دوسرے یہ کہ آرامی نیز عِبرانی کتابت میں ایک یہ دقت بھی تھی کہ اِن دونوں زبانوں کے ہِجاءی نظام میں « ک » کی دو آوازیں مقرر تھیں ایک سخت (یعنی « ک ») اور ایک نرم (یعنی « خ »)، اِس طرح پر کہ « ک » جب کسی مقطع (یعنی سلیبل) کا پہلا حرف ہو تو « ک » کی آواز دےگا اور جب دو مقطعوں کے درمیان یا لفظ کے آخر میں واقع ہوا ہو، تو عربی حرف « خ » کی آواز[۶]. عربوں نے ایسے لفظوں کو آرامیوں اور عبرانیوں سے جیسے سُنا تھا اُسی طرح (« ق » سے) بولنا اختیار کیا. البتہ تھوڑے سے مُعرّب لفظ ہیں جنھیں عربوں نے غیر سامی زبانوں سے براہِ راست لیا ہے، جیسے « قرنفل » جو اپنے وطن ہند سے عربی میں آیا اور عربی سے یونانی میں « کَرِءُوفیولن » کی شکل میں آیا.[۷] یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ بعضے مُعرّبات میں آرامی کا « ک » عربی میں « ق » ہوگیا ہے جیسے « دِمَقس »[۸] کہ « مِدَقس » کا

---

۴ فرینکل، « آرامی معرّبات » (لائپسک ۱۸۷٦ع - جر -) ص ۱۵—۱٦: صدیقی، « فارسی معرّبات » (جر/، گوٹنگن ۱۹۱۹ع)، ص ۵۸.

۵ دلمان، ص ۴۳ بعد جر

٦ اِس قاعدے کی بنا یہ ہے کہ سوائے عربی کے سب سامی زبانوں کی الف‌بے میں صرف ۲۲ حرف ہیں اور ثخذ ضظغ کے ٦ حرف اُن میں غیرحاضر ہیں. حبشی زبان بھی سامی خاندان سے ہے اور ابتدا میں اُس کے حرف جنوبی عربی سے لیے گئے تھے لیکن جب اُس کے بولنے والے افریقہ پہنچے تو اُنھوں نے اُن حرفوں کو ۲٦ سے بڑھا کر ۱۵٦ شکلیں بنائیں اور کتابت کا رخ بھی بدل کر بائیں سے داہنی طرف کو پھیر دیا.

۷ فرینکل، ص ۱۴۴

۸ فرینکل، ص ۴۰

مقلوب ہے ، جس نے سُریانی اور عبری آرامی دونوں میں « مےطکسا » کی شکل اختیار کی ہے مگر اُن دونوں زبانوں میں یونانی « مےتکسا » سے ماخوذ ہے .

اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ سامی زبانوں کے بولنے والوں نے غیر زبانوں کے « ک » کو عموماً « ق » سے بدل دیا ہے اور عرب اس زُمرے سے باہر نہیں ہیں. اِس کی توجیہ مدت ہوئی میں کر چکا ہوں کہ سامی زبانوں کے بولنے والے اپنے « ک » کو ایک نہایت خفیف نفخ کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور غیر سامی زبانوں کے خالص « ک » کو سن-کر اُسے اپنے « ک » سے کسی قدر مختلف پاتے ہیں . اِس احساس کے ساتھ جب اُنھوں نے غیر سامی « ک » کو ٹھیک ادا کرنے کی کوشش کی تو نتیجہ اُس کا « ق » ہوا.[9]

جہاں تک فارسیؔ الاصل مُعرّبات سے بحث ہے ہر « ق » ایرانی « ک » کی نمایندگی کرتا ہے ، لیکن (اسلامی دور کی) فارسی میں ایسے بہت سے ایرانیؔ الاصل لفظ ہیں کہ اُن کے آخر میں (بجاے پرانے «ک» کے) « ہ » ہے اور اس « ہ » کی صوتی ارزش ایک حرکت سے زیادہ نہیں . دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ « ایک زیر ، یا زَبر ، برابر ہے ایک « ق » کے » . یہ عجیب « مُساواتُ بین کمیتّین » ہے جس نے مسلم لُغویوں کو صدیوں شش و پنج میں رکھا . اُن میں سب سے پہلا مُحقق سیبویہ تھا جس نے اِس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی[10] مگر گتھی سلجھ نہ سکی ،

۹ صدیقی ، « فارسی معرّبات » ص ٧٤ (جر)

۱۰ دیکھو سیبویہ « الکتاب » طبع پاریس ۱۸۸۱—۱۸۸۹ ج ۲ ، ص ۳۷۵ ، باب ۵۲۵ ، نیز صدیقی ، ص ۲۱—۲۳ . « سیبویہ » ماں باپ کا پیار سے دیا ہوا لقب تھا اور اُسی سے بیٹے نے شہرت پائی . نام عمرو بن عثمان بن قنبر ، کنیت ابوبشر . تقریباً ۱۳۸ ہجری میں شیراز میں پیدا ہوا اور وہیں ۱۸۰ھ میں وفات پائی (کوئی ٤۲ برس کی عمر ہوئی) . اُس کی تصنیف « الکتاب » عربی کی نحو میں سب سے پہلی کتاب اور بلا شبہہ حرف آخر کا حکم رکھتی ہے . مسلمانوں کے عروج کے زمانے کے اہل نظر نے سچ کہا ہے کہ کسی علم پر ایسی کتاب تالیف نہیں ہوئی جیسی ہیئت افلاک پر بطلیموس کی « مجسطی » منطق میں ارسطاطالیس کی کتاب اور نحو میں سیبویہ کی « الکتاب » . (دیکھو یاقوت « إرشادالاریب » ج ٦ ، ص ۸۰—۸۸ ، سلسلۂ اوقاف گب لائدن و لندن ۱۹۱۳ع)

اور یہ صرف اِس وجہ سے کہ اُس زمانے میں یہ بات پیش نظر نہ تھی کہ فارسی سے جو لفظ عربی میں داخل ہوئے تھے وہ براہ راست نہیں آئے تھے بلکہ اسلام کے ظہور سے بہت پہلے فارسی سے سُریانی میں اور سُریانی سے عربی میں راہ پا چکے تھے۔

اِس زمانے میں جو معلومات قبل اسلامی دور کی سامی اور ایرانی زبانوں کی حاصل ہوچکی ہے اُس کی بنا پر پورے یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ (۱) قدیم فارسی کا «ک» درمیانی فارسی (پہلوی وغیرہ) میں «گ» ہوگیا تھا اور کہیں وہ «گ» کے بجائے «غ» بھی ہو گیا؛ (۲) پہلوی میں اگرچہ «گ» تلفّظ تھا لیکن لکھاوٹ پرانی باقی رہی (جیسے اسلامی دور میں مدتوں ک اور گ، دونوں کو صرف ایک مرکز لگاتے تھے اور جو پڑھنے والا غلط پڑھتا اُسے کودن، خطاب ملتا)؛ (۳) جو صورت اُوپر بیان ہوئی اُسے لسانیات کے ماہروں نے تحقیقی طور پر معلوم کر لیا تھا۔ اب بیسوی صدی میں جب تُرفان (چینی ترکستان) میں مانی کے مذہب کی کتابوں کے بہت سے پراگندہ ورق پائے گئے اور محققوں نے اُنھیں پڑھا اور سمجھا، تو معلوم ہوا کہ مانی نے نہ صرف سُریانی حرفوں میں پہلوی لکھنے کا طریقہ جاری کیا تھا جس سے پہلوی کی مبہم اور ناقص کتابت سے چھٹکارا ملا بلکہ اپنے ماننے والوں کو اجازت دے دی تھی کہ وہ اپنے اپنے خطے کی بولی میں پہلوی لکھیں۔ اس سے صحیح تلفّظ کی تحقیق بہت آسانی سے ہوگئی اور ہر شخص اپنے محاورے میں لکھنے لگا، اور یہ بھی اطمینان ہوگیا کہ یورپ کے ایران‌شناس صحیح راستے پر جا رہے تھے۔ اِن مقدمات سے فارغ ہوکر پھر «ک» کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

لفظ کے آخر میں اگر «ک» (= گ = غ) ہے اور اُس کا ماقبل حرف علت (ا، و یا ی) یا کوئی مُتحرّک حرفِ صحیح، تو تیسرے دور کی زبان میں آکر بالعموم وہ «ک» (= گ = غ) گر گیا۔ یہ صورت «پازند» میں رونما ہو چکی تھی، یعنی پانچویں صدی عیسوی میں

لفظوں کے آخر میں سے یہ حرف حذف ہوگیا تھا[11] . اگر اُن کے آخر حرف « ک » سے پہلے «الف » یا «واو» یا «یے» تھی تو تلفّظ میں کوئی دقت نہ تھی. دقت اُن لفظوں میں آپڑی جن میں « ک » کے گرجانے سے آخر حرف ہاے ساکن کے متحرّک تھا اور فارسی میں متحرّک پر کوئی لفظ ختم نہیں ہوتا. پہلوی تحریر میں تو پرانی کتابت قائم رہی[12]. مگر جب عربی رسم خط ، فارسی نے اِختیار کیا تو یہ دقت درپیش آءی کہ اُس حرکت کو جو تلفّظ میں آتی ہے، لفظ کے آخر میں کیوں کر ظاہر کریں. تدبیر یہ سوجھی کہ عربی میں فقرے کے آخر میں اگر « ہ » آتی ہے تو اُس کی آواز بہت ہی ہلکی ہوتی ہے جو محض ایک حرکت سی معلوم ہوتی ہے . اُسی کو اختیار کرلیا . یہ ہے فارسی کی « مختفی ہ » کی پیدایش کی حقیقت. گویا « عُمرِ جاوداں » کے لیے « چور » نی.[12] اب ایک مثال : « بدک » کا کاف گرگیا تو « بند » رہا مگر اِس کے معنے اور ہیں گو اصل اِس کی بھی وہی ہے جو « بدک » کی، مگر « بندگاں » اور « بندگی » اپنی اپنی جگہ پر برقرار رہے، اس لیے کہ « ک » کا قائم‌مقام « گ » ان لفظوں کے آخر میں نہیں، ان کے اندر ہے اور محفوظ.

اُرمنی زبان ایرانی زبانوں میں سے نہیں ہے لیکن اُس خطّے کی زبان ہے جو ایران کے شمال‌مغرب میں آذربایجان سے مُلحق ہے . پانچویں صدی عیسوی میں اُرمنیوں نے عیساءی مذہب قبول کیا اور اُسی وقت ارمنی ادبیات کی بنیاد پڑی اور ارمنی قوم اپنے ادبیات کو ترقی دیتی رہی ہے . فارسی لفظ ارمنی میں کثرت سے ہیں اور اُن فارسی لفظوں کی پُرانی شکلیں اُس میں محفوظ ہیں، جن کا تلفّظ خود فارسی میں بدل‌گیا ہے . اِس لیے فارسی

۱۱ پہلوی کتابت میں « ک » لکھا جاتا تھا مگر بعضے کاتب اُس کے بعد ایک « گ » بھی لکھتے تھے ، ترفانی ورقوں میں ہر جگہ ایسے لفظوں میں « گ » ملتا ہے جو ثبوت اِس کا ہے کہ اُس وقت « ک » کی تبدیل « گ » میں ہوچکی تھی .

۱۲ ہاے « مختفی » یا « خفی » نئی اصطلاح ہے ، لیکن اس کی نوعیت کو قدما نے بیان کیا ہے اور مثالوں سے اِس کی حقیقت کو واضح کیا ہے « حرفِ ہا علامتِ حرکتِ ماقبل است » — (شمس قیس « المعجم »، ص ١٦ ، س ٤) اور یہ بھی بتایا ہے کہ یہ « ہ » بدل ہے « ک » کا ایضاً ص ٢٠٠ ، س ١٤ — ص ٢٠١ ، س١).

زبان کے محققوں کو ارمنی سے بہت مدد ملی اور بہت سی کھوئی ہوئی کڑیاں مل گئیں . چنانچہ جن لفظوں میں « ک » یا « گ » باقی نہیں رہا تھا ، ارمنی سے اُس کا وجود یقینی ہوگیا. حو ف.[۱۳] « ک » سامی زبانوں میں « ق » ہوگیا ہے وہ ارمنی میں « ک » ہے . اور جس « گ » نے سامی میں « ج » کا تلفظ احتیار کیا ، ارمنی میں وہ اب بھی « گ » ہے .

اب تھوڑی سی مثالیں دی جاتی ہیں جن کے اواخر « اَ ک » ، « آ ک » اور « او ک » وغیرہ ہیں اور جن کی حقیقت کو عرب کے لغویوں نے بھی معلوم کرلیا تھا :

(۱) َ ـ ک . باذق - ف . بادہ ، بادہ (بادَ) ، پ . باتک (= باذک).
برَق = ف . برہ ، پ . « وَرَک » .
بَیذَق - ف . پیادہ ، درمیانی ف . پیاذک (غالباً) .
قدیم ف . پَداتکَ (ظاهراً). چنانچہ سنسکرت .
پَداتکَ . بعضی ایرانی زبانوں میں ، مثلاً بلوچی
میں لاحقہ « ـ ک » اب تک « ـ گ » کی شکل
میں موحود ہے . عربوں نے اغلباً اوّل اوّل
اِسے « بیاذق » (جمع) کی شکل میں اپنایا اور
اُس سے برجعتِ قہقری اُس کے واحد « بَیذَق »
کو پالیا .
خَندق = « کندہ » . پ . غالباً « کنتک » یا « کندک »
یہاں پہلا « ک » عربی میں « خ » ہوکر (« ق »
کی جگہ) آیا ہے جیسے بعضے اور لفظوں میں بھی .
قُربَق ، کربق ، = کُلبـَہ = اَرمنی « کـرپَ ک »
(دخیل لفظ ، ف . سے) .
قُرطق (نیز قُرطہ) = کُرتہ = سُریانی قُرطا ، درمیانی
ف . « کرتک » .

---

۱۳ ف . سے فارسی ، پ . سے پہلوی مراد ہے .

بردج = ف : « برده » پ : « ورتک » ۔

بَنفسج = ف : « بنفشه » = پ : « ونفشک » ۔

مُوزَج = ف : « موره » = پ : « مُوچک » ۔

فارسی کا « ک » عربی میں آکر صرف دو ایک لفظوں میں برقرار رہا :

(۱) سُنبک (جمع : سَنابک) = سُم ، سُنب ۔

پ : سُنب = ارمنی (دخیل ف ۔ سے) :

« سِمبک » ۔

(۲) نَیزک (جمع : نیازک) = ف :« نیزَہ »

درمیانی ف : « نیزگ » (یا « نیزک ») ۔

(ب)۔۔اک : رُرداق ، رُستاق = ف : « روستا » ، پ : « روستاک » ۔

دیباج = ف : دیبا ، پ : « دے پاک = ارمنی

(دخیل فارسی سے) : « دِیَبک » ۔

(ج)وَ۔۔ک : نَرَحشقوق = تلخ چکوک ، تلخ حکوک = تلخ حوک

(یعنی کاسی یا ہندباے بری) ۔

شاروق ، صاروج = سارو ، چارو' (یعنی چونا یا گچ ،

عمارت کے لیے) ۔

(د) ۔۔ِ یک : خُردیق = خُردی ، درمیانی ف ۔ « خُرتیک » یا

خورتیک (یعنی حریرہ) ۔ ارمنی (دخیل' ف ۔ سے) :

« خور ِتک ۔ ک » (تلفظ : خورتک) ۔

سبیح = شبی (یعنی رات کا لباس) ۔

« زِندیق » اور « زَندَقی ، زِندِقی یا زِندقی » کو پروفیسر بیوَن (کیمبرج) نے آرامی لفظ زدّیقا (عربی « صِدّیق ») سے مشتق قرار دینے کی کوشش کی تھی[۱۴] ۔ اِس لیے یہاں کسی قدر تفصیل سے بحث کرنا ضروری ہے ۔

---

۱۴ براؤن ، تاریخ ادب فارسی ، ج ۱ ، ص ۱۵۹ بعد ۔ (اتک) ۔

لفظ «زندیق» اِسلام کے ظہور کے بعد عربی میں ملتا ہے؛ اِسلام سے پہلے کے عربی ادب میں اِس کا نشان مطلقاً نہیں پایا جاتا. سارے عربی ماخذ بالاتفاق اِسے فارسیُ الاصل بتاتے ہیں اور «زندہ کرد» یا «زندہ کر» یا «زیندہ» کا مُعرّب مانتے ہیں، اِس لیے کہ «زندیق» عموماً اُس شخص کو کہتے تھے جس کا عقیدہ یہ ہو کہ دنیا ازل سے قائم ہے اور یوں ہی رہے گی. البتہ بعض فضلا نے یہ بھی کہا ہے کہ «زَندَقی» اُس شخص کو کہتے ہیں جو نہایت دوراندیش اور معاملہ‌فہم ہو. چنانچہ ابن دُرید نے کہا ہے کہ جب اُس نے اپنے استاد، الرّیاشی (متوفیٰ ۲۵۷ھ) سے پوچھا، تو کہا: «یُقالُ رجُلٌ زَندقیٌ إذا کان نظّاراً فی الأمور»[۱۵]. بعض عربی کتابیں، جو متأخرین کی تالیف ہیں، نیز فارسی فرہنگیں «زندیق» کی فارسی اصل «زندی» بتاتی ہیں، جو اشتقاق کے لحاظ سے درمیانی دور کی فارسی میں «زَندیک» تھا. مزید براں لفظ «زندیک» بھی موجودہ زمانے کی بعض فرہنگوں میں موجود ہے. غرض کہ یہ سارے ماخذ زیر بحث لفظ کو آوستا کی پہلوی تفسیر «زَند» سے متعلق بتارہے ہیں. عربی کے لغت نویس «زندیق» کی تشریح «مادہ پرست» کے لفظ سے کرتے ہیں اور «نظّارٌ فی الأمور» سے بھی اور پھر «زندیق» کو «زَند کا عالم» بھی کہتے ہیں. چنانچہ معروف مستشرق گولت سیتّر کہتا ہے کہ (عربی میں) لفظ «زندیق» خفیف فرق کے ساتھ ہر طرح کی بدعت کا مفہوم رکھتا ہے اور اس لیے اس اصطلاح کی جامع و مانع تعریف آسانی سے نہیں ہوسکتی[۱۶]. یہ لفظ نہ صرف زرتشتیوں، مانویوں، مَزدکیوں اور آزاد خیال لوگوں کے لیے استعمال ہوا ہے[۱۷]، بلکہ بودھ مت والوں اور عیسائیوں کے لیے بھی[۱۸]. یہ خیال کرنا درست نہ ہوگا

---

۱۵ جوالیقی، «کتاب المعرّب» (طبع جرمانی ۱۸۶۷ع)، ص ۷۵ = طبع مصر ۱۳۶۱ھ، ص ۱۶۶ بعد). نیز ابن سیدہ، «المخصص»، ج ۱۴، ص ۷۳. فارسی لغات میں جو متأخر زمانے میں تالیف ہوئیں «فرہنگ رشیدی»، «برہان قاطع» اور «فرہنگ انجمن آرائے ناصری» وغیرہ بھی کم و بیش وہی کہہ رہی ہیں.

۱۶ نکولسن، تاریخ ادب عرب، ص ۳۷۲ (انگ)

۱۷ المطرزی، «المغرب فی تعریب المعرب» (طبع حیدر آباد دکن ۱۳۲۸ھ) ج ۱، ص ۲۳۵.

۱۸ الطبری، (تاریخ)، ج ۳، ص ۴۲۲

که یه لفظ اکیلے مانویوں کے لیے آیا ہے۔ مسلمانوں نے اِسے ہر اُس شخص کے لیے استعمال کیا جو کوئی عقیدہ خود اُن کے کسی عقیدے کے خلاف رکھتا تھا؛ یہاں تک که خود اسلام کے بعضے فرقے «زندیق» کے لقب سے پکارے گئے۔ معتزلیوں کو اکثر صحیح المذهب مسلمانوں نے «زنادقۃُ الاسلام» کے نام سے یاد کیا ہے۔ اسی طرح درمیانی زمانے کی فارسی (یا پہلوی) میں نیز اُس سے پہلے اُوستاءی زمانے کے آخری دور میں یه لفظ («زند» کی شکل میں) بےدینوں یا بددینوں کے ناموں میں ملتا ہے[۱۹]۔ اِن مراتب پر نظر کیجیے تو یه ناممکن نہیں ٹھہرتا که یه لفظ (زندیک) ایران کی زبان میں اُس وقت سے موجود تھا جب مانی پیدا بھی نه ہوا تھا۔

کتاب «الفہرست» (جو ۳۷۷ ھ میں لکھی گئی) مانی اور مانوی مذہب کی معلومات کا بہترین اور ایک بہت وافر ذخیرہ ہے۔ اُس کے مصنف ابو الفرج محمد بن اسحاق الورّاق معروف به ابن الندیم (متوفیٰ ۳۸۵ ھ) نے مانی کے پیرووں کے لیے عموماً «زندیق» کا لفظ «بددین یا بیدین» کے مفہوم میں استعمال کیا ہے[۲۰]، بالکل اُسی طرح جیسے بہت سے عربی مصنفوں نے خود مانی کو «زندیق» کے لقب سے یاد کیا ہے۔ ابن الندیم سے تقریباً سوا سو برس پہلے یه لقب مانی کے نام کے ساتھ احمد بن ابی یعقوب (صاحبِ «تاریخ الیعقوبی») لایا تھا[۲۱]، اور ابن الندیم کے بعد کے مصنفوں نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ چنانچه ابو الولید محمد بن الشحنه (متوفیٰ ۸۱۵ ھ) کی «روضة الناظرین» میں بھی ہم اُسی طرح لکھا پاتے ہیں۔ یه سلسله بعد میں بھی برابر جاری رہا۔ مانی کی امت کی تنظیم ابتدا ہی سے دو طبقوں میں بانٹ دی گئی تھی: ایک عوام کا، دوسرا خواصُ المسترشدین کا۔ عوام کے لیے حضرت موسیٰ کے دس احکام کی

---

۱۹ بارتولومے، «قدیم ایرانی لغت» (جر) عمود ۱۶۹۲ اسٹراس برگ ۱۹۰۴ء)

۲۰ فلوگل (جرمانی) کی تالیف «مانی» جس میں مانی کے متعلق «الفہرست» کا اقتباس اور ترجمه جرمانی میں، تفصیل حواشی کے ساتھ۔ مانی کے مختصر احوال کے لیے دیکھو «تاریخ ایران باستان» تالیف محمد خلیل الرحمن اله آباد و کراچی ۱۹۴۷ ص ۸۱–۸۰

۲۱ ج ۱ (طبع نجف) ص ۱۹۹۔ نیز کسلر (جرمانی) کی تالیف «مانی» (طبع برلین ۱۸۸۹ء) ص ۳۶۹ میں ابن شحنه کا بیان (جر)۔

طرح مانی کے بھی دس حکم تھے۔ عوام کا کام یہ تھا کہ اُن کو سنیں اور اُن پر عمل کریں۔ اسی لیے اِس طبقے کا نام « سمّاعون» رکھا گیا۔ خواص کا انتخاب بہت سختی اور بڑی احتیاط سے ہوتا اور وہی قبول کیے جاتے تھے جو سخت سے سخت آزمایش میں پورے اُترتے تھے۔ ان کے لیے علاوہ احکام عشر، کے چند اور حکم بھی تھے، یہ طبقہ مجتبین یعنی چیدہ لوگوں کا تھا اور اس طبقے کے ارکان « صدّیق » کہلاتے تھے (صدّیقون جمع) اور « صدّیقوت » سے مراد ان کی پوری جماعت تھی۔ اس ساری بحث میں کوئی موہوم سا اشارہ بھی نہیں جس سے یہ پایا جاسکے کہ « زندیق » کو « صدّیق » سے کسی قسم کا تعلق ہے، یا اس کے آرامی عدیل « زدّیق » سے، جس کی بنا پر پروفیسر بیون نے « زدّیق » کو فارسی لفظ « زندیک » کی اصل تصور کیا۔ ابن الندیم نے « صدّیقون » کے لیے « المجتبین » (یعنی برگزیدہ) کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے اور اُس کی متضاد اصطلاح « السمّاعون » بھی جس سے مانوی اُمت کے عوام مراد تھے[۲۲]۔

بیون کے خیال میں « زندیک» آرامی لفظ « زدّیقا » سے ماخوذ ہے اور اس کی مشدد « د » میں سے پہلی « د » نے « ن » کی آواز اختیار کرلی اور اس طرح « زندیک » وجود میں آیا۔ اس دعوے کی دلیل وہ یہ لائے ہیں کہ جیسے سنسکرت « سِدّھانتَ» عربی میں « سِند ہند » ہوگیا، وہی صورت « زدّیقا » (= « زندیک ») کی ہے[۲۳]۔ لیکن یہ نظیر دعوے کے ثابت کرنے کے لیے یقیناً ناکافی ہے۔ بخلاف اس کے نہایت قرین قیاس یہ ہے کہ « سند ہند » کا پہلا « ن » لفظ « سِدّھانتہ » کے «ن» کے اثر سے پیدا ہوگیا ہے، اور بس۔ یاد رہے کہ ابن الندیم اور اور عربی مصنفوں نے جو « مجتبیٰ » اور « سمّاع » کے لفظ استعمال کیے ہیں وہ مانویوں کی اصل

---

۲۲ البیرونی نے بھی یہی کہا ہے « الآثار الباقیۃ » ص ۲۰۷ و ۲۰۸ لائپزگ ۱۸۷۸ء)

۲۳ براؤن، ج ۱، ص ۱۶۰ (انگ)؛ نکولسن، ص ۲۷۵ انگ۔ اس سلسلے میں یہ جاننا فائدے سے خالی نہیں کہ آرامی (سریانی) میں اسم کے آخر میں جو الف آتا ہے وہ اداۃ التعریف ہے جیسے عربی میں « ال » اسم کے شروع میں۔

(پہلوی) اصطلاحوں «وزیدک» (یعنی «برگزیدہ» اور «شنفتک» (جمع: وزیدگان اور شنفتگان) کا عربی ترجمہ ہیں[۲۴].

لُغوی اشتقاق کی رو سے «زَندیک» بلا شبہہ آوستا کی زبان کے مادّے «زَن» (بمعنی دانستن) سے مُشتق ہے. اسی بنا پر آوستا: «زاناد» اور «زانام» جنوب مغرب کی زبان (فارسی) میں بالترتیب «داند» اور «دانم» ہیں اور اور صیغے، جن میں قدیم «ز» فارسی میں «د» ہوگئی ہے. سنسکرت میں اوستا کی «ز» (- ف - «د») بدل کر «ج» ہوئی اور اس کا مادّہ «جَن» ہے (مُشتقّات: «جانتا» وغیرہ)[۲۵]. اِس سے روشن ہوگیا کہ درمیانی دور کی فارسی کا لفظ «زَندیک» ایران کے شمال کی زبان سے آیا، مگر اِس میں صوتی تبدیل واقع نہیں ہوئی زرَتشت کی کتاب «اوستا» کا ترجمہ (مع تفسیر) جو ساسانی دور کی زبان (پہلوی) میں لکھا گیا تھا «زَند» کے نام سے معروف ہے اور جس کے لکھنے والے زَرتُشتی مذہب کے علم کے بہتر سے بہتر جاننے والے تھے. اُن سے زیادہ مستحق «زَندیک» کے خطاب کا اور کون ہوسکتا تھا؟ یہ سارے مُلاحظات اشارہ اسی طرف کرتے ہیں کہ جب ایران میں کئی صدیوں سے یہودی اور مسیحی اپنے اپنے مذہب کی تبلیغ میں سرگرم تھے اور تیسری صدی عیسوی میں مانی نے ایک نئے مذہب کی بنا رکھی اور اُس کے کئی برس بعد مسلمان بھی ایران پہنچے، تو اُنھوں نے زرتشتی

---

۲۴ دیکھو کریستن سن، «ایران بعہد ساسانیان» (مترجم: پروفیسر محمداقبال، انجمن ترقی‌اردو ۱۹٤۱ع) ص ۲۰۲، جہاں مانی کی امت کے پانچ طبقے بتاے گئے ہیں، یعنی تین اور بھی ہیں: (۱) فریشتگان (ایلچی) جو صرف ۱۲ شخص تھے (۲) «اِسپسگان» (قسیس) ۷۲؛ ۳ «مہشتگان» (بزرگان جن کی تعداد محدود نہ تھی ان طبقوں کے جو منصب یا خدمات بتاے گئے ہیں ان سے ظاہر ہے کہ تین وہ طبقے ہیں جو مذہب کی ترقی کے زمانے میں خاص خاص کاموں کو انجام دینے کے لیے متعین کیے گئے تھے.

۲۵ بارتولومے، عمود ۱۶۵۹، ۱۶۶۰، ۱۶۶۱: فارسی 'دانستن' جنوب مغرب کی قدیم زبان کے مادّے «دن» سے ہے جو شمالی زبان کے «زن» بمعنی دانستن کا عدیل ہے. درمیانی فارسی میں بھی «زاناد» (= داند) اور «زانام» (= دانم) موجود ہے. یہ مختلف شکلیں ترفانی اوراق حصہ دوم میں، جنھیں میولر جرمانی نے شایع کیا تھا (برلین ۱۹۰٤)، موجود ہیں. ان میں جو «ز» (بجاے «د») ملتی ہے وہ آج بھی ایرانی بولیوں میں پائی جاتی ہے.

اور مانوی مذهبوں کے اُن اصول و عقائد کو اسلام کے اهم اُصول سے مُتناقض پاکر اُنهیں پسند نه کیا اور اُن کے ماننے والوں کو مُلحد اور دهری کہنے لگے . اسی ذیل میں «زَندیک» (= زندیق) کا مفهوم بیدین اور مُلحد وغیره مشہور هوگیا، اگرچه اُن میں وه علماے عربیّت بهی تهے جنهوں نے لفظ کا صحیح مفهوم بتایا : «یُقالُ رَجُلٌ زندقیٌ إذا كان نظّاراً فی الأمور». [۲۶] خُلاصه یه که یقین کے ساته دعوا کیا جا سکتا هے که نه تاریخ کی بنا پر اور نه لُغت کی رو سے یه کہنا صحیح هوگا که «زَندیک» آرامی زبان سے مُستعار هے اور اِس میں شک کرنے کی گنجایش هرگز نہیں که اِس لفظ کی اصل ایرانی هے. [۲۶]

اکثر مُعرّب لفظوں کے آخر میں جو «ق» آیا هے اُس کی فارسی اصل کا حال معلوم کرلینے کے بعد اب چند اُن فارسی لفظوں سے بحث کی جاتی هے جو عربی میں رائج هوئے مگر عربی کے قدیم مُحققوں نے اُنهیں مُعرّبات میں شامل نہیں کیا هے :—

(۱) «رِزق» اپنے بہت سے مُشتقّات کے ساته قدیم شاعروں کے کلام میں، اور پهر کلامُ الله میں وارد هے . اس سے ظاهر هے که یه لفظ اِسلام کے ظهور سے بہت پہلے عربی میں مُتمکن هوچکا تها . اِس کی صوتی ترکیب میں کوئی پہلو اجنبیّت کا نہیں تها . اِس لیے عربی کے محققوں نے اِسے مُعرّبات میں شمار نه کیا . اِس زمانے کے مغربی محققوں نے، جو مشرقی زبانوں میں بهی مهارت رکهتے تهے، پچهلے سو ڈیڑه سو برس میں لفظوں کی داد و ستد پر بهی بہت کچه لکها هے . اُن کی تحقیق هے که اِس کی اصل فارسی «روزی» (= پہلوی «روچیک» اور «روزیک» = پازند «روزی»). پہلوی «روزیک» آرامی میں پہنچا تو اُس کا «ک» بدل کر «ق» هوگیا. «روزیق» کو عربوں نے اپنی زبان کے

---

۲۶ زندیق اور زندقی (جمع : زنادقه) کی مثالیں اور بهی هیں، جیسے «هندی» براه راست عربی میں آیا اور شعر قدیم میں جابجا ملتا هے . پهر بعد کے زمانے میں فارسی کے راستے «هُندیک» یا «هندکی» (جمع : هنادکه) . نحویوں پر یه حقیقت واضح نه تهی . اس لیے «هنادکه» کے «ک» کو اُنهوں نے «زائد» قرار دیکر «ک» کو «علی غیر قیاس» بتایا . دیکهو «صحاح» مادہ «هدک» کے تحت .

جنتر میں کھینچا تو مادّے کے تین حرف (ر، ز، ق) ملے. «رِزق» اسم، «رَزقَ» فعل ماضی، «یَرزُقُ» مضارع اور اسی قیاس پر اور سب صیغے بنتے چلے گئے. معنی اور مفہوم وہی رہے جو فارسی میں تھے[٢٧].

(٢) «رونق» قدیم شاعروں (اِمرؤ القیس، أوس بن حَجر، ابو ذُؤَیب وغیرہ) کے کلام میں آیا ہے. لیکن عربی میں اس کا اشتقاق نہیں ملتا. سُریانی میں «رَونگ» ہے (تلفظ: «رَوَنغ» اور) «رونُوس» ہے. لیکن اِس سے اصل کا سُریانی ہونا ثابت نہیں ہوتا. فارسی میں ایسے کسی لفظ کا سُراغ نہیں لگتا، سوائے ایک «روناس» کے جس کی کئی شکلیں ہوگئی ہیں: (١) رُوغناس، (٢) رُوییناس، (٣) رُوہ ناس، (٤) رُوناس، (٥) رودنگ، (٦) رودن، (٧) روینگ، (٨) روین. اِن سب میں «و» مجہول ہے اور معنے ایک ہیں یعنی ایک پودا جس کی جڑ سے گہرا لال رنگ بناتے ہیں، کپڑے ریشم وغیرہ کو رنگنے کے لیے.[٢٨] عربی میں اُسے «فُوّة» کہتے ہیں، اُردو میں «مجیٹھا» (یا مجیٹھ).[٢٩] اُن مختلف شکلوں میں سے، جو اوپر لکھی گئیں، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ فارسی «رودَنگ» یا «روّینگ» نے سُریانی میں جاکر «رونگ» (تلفّظ: «رونغ») کی شکل اختیار کی؛ اور سُریانی سے عربی میں آکر «رونغ» عربوں کی زبان پر «رَونق» ہوا. اور یہ نہایت قریبِ قیاس ہے، اِس لیے کہ «غ» اور «ق» میں مبادلے کی اور بھی مثالیں ہیں.

(٣) «نَمرق» (جمع: نمارِق) یعنی نرم بیٹھک، گدی وغیرہ کے مفہوم میں[٣٠]، قدیم عرب شاعروں، اِمرؤ القیس، أعشیٰ وغیرہ کے کلام میں اور

---

٢٧ تفصیل کے لیے دیکھو جیفری کی تالیف «غیر زبانوں کے لفظ قرآن میں» (بروڈا اوریئنٹل سلسلہ، ١٩٢٨ ص ١٤٢ - ١٤٣ (انگ.

٢٨ «برہان قاطع» (روغناس اور روناس کے تحت.

٢٩ اوحد الدین احمد بلگرامی، «نفائسُ اللغات»، لکھنؤ، مطبع مصطفائی، ١٢٥٧ ہجری) اور خان آرزو، «نوادر الالفاظ» (مرتبہٗ ڈاکٹر سید عبداللہ، انجمن ترقی اردو کراچی، ١٩٥١ع). «مجیٹھا» کے تحت؛ «مخزن الادویہ»، طبع ثانی، کلکتہ ١٢٤٨ ہجری، ص ٦٢٧) «فوّة» کے تحت. لغت کی بعض کتابوں میں جو غلطیاں ہوگئی ہیں اُن کی تصحیح «نوادر» اور «مخزن» سے ہوتی ہے.

٣٠ لفظ کی مختلف شکلیں یہ ہیں: نَمرق، نَمرقہ، نمرق، نِمرقہ، نُمرق، نُمرقہ.

« نمارق » دیوان الهذلیین (ص ۲۸۸) اور قرآن (سورہ ۸۸، آیہ ۱۵) میں آیا ھے . اِس کا غیر عربی ھونا اِسی سے ظاھر ھے کہ اِس کے اِشتقاق اور مفہوم میں وُسعت اور تنوّع گویا ھے ھی نہیں . اِس کا ایرانی عدیل « نمرک » (= جدید فارسی : « نرمہ ») — اوستا « نمرَ » = سنسکرت : « نمرا » ھوسکتا ھے اور ھے[31]. فارسی « نرمہ » (قدیم‌تر : « نرمک ») کی مُعرّب شکل « نرمق »[32] سے بھی عربی کے اھلِ علم واقف تھے[33].

بہت کم لفظ ایسے ھیں جن میں فارسی « ک » عربی میں « ح » ھو گیا ھو، جیسے « زرنیخ » = سُریانی « زَرنیک » (تلفّظ : « زَرنیخ ») = فارسی « زرنی » = قدیم تر « زَرنیک » (سنکھیا) . ایک اور مثال ھے اِبریق[35] » (جمع : اباریق) جس میں فارسی « خ » بدل کر « ق » ھوءی ھے اور یہ مبادلہ بھی پہلے سُریانی میں جاکر ھوا تھا . سُریانی میں اِس کی شکل « آب‌ریےق » ھے اور یونانی میں داخل ھوا تو « ام برک یون » (مجہول « و » سے) . پہلوی « آپ » = پانی + ر ے خ (« ریز » کی پرانی شکل) . « ریخ » پُرانا مادّہ « ریختن » کا تھا جس کا تلفّظ جدید فارسی میں بعد کو « ر » سے ھونے لگا . یہ « خ » کہیں « ز » سے بدلی اور کہیں « ش » سے ، جیسے « فروختن » سے « فروش » .

فارسی مُعرّبات میں « ق » پر ختم ھونے والے لفظ تعداد میں سب سے زیادہ ھیں، اُس کے بعد « ج » پر ختم ھونے والے لفظوں کی تعداد سب

---

۳۱ بار تولو مے ، عمود ۱۰٤۲ ؛ هورن ، «فارسی اشتقاق» (اسٹراس‌بورگ ۱۸۹۳ع) ص ۲۳۰ (جر) .

۳۲ الرفیاں ، دیوان ص ۹۹ (طبع برلین ۱۹۰۳ع) ؛ رُؤبة بن العجاج ، دیوان ص ۱۰۹ (طبع برلین ۱۹۰۳ع) .

۳۳ جوالیقی ، «المعرب» ، مرتبۂ زخاؤ لائپسک ۱۸٦۷ع) ص ۱٤٦ ببعد = مرتبۂ احمد محمد شاکر ص ۳۲۳ ، طبع قاهره ۱۳٦۲ھ/۱۹٤۲ع .

۳٤ عبید بن الأبرص ، دیوان سلسلۂ گب (ص ۲۹ ، أعشی ، «کتاب الأغانی» (ج ٥، ص ۱٦۷) طبع مصر ؛ «الأصمعیات» ص ٥۳ .

۳٥ «المعلقه» (طبع بون ۱۸۲۸ع) ، (ص ٥۰۹ ؛) قرآن سوره ٥٦ ، آیة ۱۸ ؛ ابن قتیبة ، «الشعر و الشعراء» ص ۱۱٦ و ٥٦ (طبع لائڈن ۱۹۰۳ - ۱۹۰٤).

سے زیادہ ہے ۔ مگر اصل (فارسی) اِن دونوں کی وہی «ق» جو پرانی ایرانی زبان میں «ک» تھا ۔ جب وہ کچھ زمانہ بعد «گ» ہوگیا تو سُریانی میں تلفّظ «گ» ہی رہا لیکن اُن کی الف‌بے میں «گ» کا وجود نہ تھا بلکہ «ج» کا تلفّظ «گ» کیا جاتا تھا اور لفظ کے آخر میں وہ «ج» آواز «غ» کی رکھتی تھی ۔ اِس کی مثال فارسی لفظ «چراغ» ہے جو آرامی میں جاکر «شراغا» ہوگیا اور وہاں سے عربی میں آیا تو «ش» اور «غ» علی الترتیب «س» اور «ج» ہو گئے ۔ «ق» پر ختم ہونے والے لفظ زیادہ قدیم زمانے میں مُعرّب ہوئے اور «ج» پر ختم ہونے والے، چونکہ فارسی میں «ک» سے «گ» ہو جانے کا زمانہ متأخر تھا، بالعموم بعد کے زمانے میں میدان میں آئے ۔

[۲۳ / ۵ / ۱۹۶۱ م]

* یہ مقالہ اولاً انگریزی میں لکھا گیا اور مشرقی مؤتمر ہند کے اجلاس الہ‌آباد (سنہ ۱۹۲۶ء) میں پڑھا گیا تھا ۔ اب ضروری ترمیم اور اضافے کے بعد اردو میں منتقل کیا گیا ہے ۔

البیرونی سے پہلے علم المثلثات کا ارتقا

شبیر احمد خاں غوری

البیرونی تاریخ اسلام کا ایک بہت بڑا عبقری ہے مگر وہ اسلامی فکر کی سیزدہ صد سالہ کاوشوں کا تنہا نمایندہ نہیں ہے۔ اُس کی عظمت کا راز اسی میں مضمر ہے کہ وہ اسلام کے عظیم عباقرہ کے مابین ایک «عظیم‌تر عبقری» تھا؛ مگر اس حیثیت سے اُس کی علمی مساعی کا جائزہ نہیں لیا گیا ہے۔[1]

سطور ذیل میں اسلامی ثقافت کے آغاز سے البیرونی کے پہلے تک مسلمان مہندسین اور ہیئت دانوں نے علم المثلثات کی ترقی میں جو حصہ لیا ہے اُس کا اجمالی خاکہ پیش کیا جا رہا ہے۔

اس تاریخی جائزے کے تین حصے ہیں:

(ا) اسلامی ہیئت اور علم المثلثات کی قدامت پر ایک نظر

(ب) ہیئت و علم المثلثات کے سلسلے میں البیرونی کے ماحول کا مختصر جائزہ

(ج) علم المثلثات میں خود البیرونی کا اپنے پیشرووں کی تحقیقات سے استفادہ کے متعلق اعتراف۔

---

۱ چنانچہ حال ہی میں اُس کے ہزار سالہ جشن یادگار کے موقع پر ریاضی و ہیئت بالخصوص علم المثلثات میں اُس کے فضل و کمال کے بارے میں کہا گیا ہے۔

"How astounding it looks to modern Mathematicians that a person existing thousand years back happen to produce so much original work inspite of very little resources of that time."

لیکن اس قسم کے تبصرے البیرونی کے لیے تو کچھ زیادہ عزت افزائی کے موجب نہیں ہیں البتہ اُن سے اسلامی فکر کی عمومی عبقریت کا استخفاف ہوتا ہے گویا اسلام کی ریاضیاتی عبقریت (بالخصوص علم المثلثات میں) چارسو سال تک جنینی حالت میں رہی اور پہلی مرتبہ البیرونی کے یہاں متشکل ہوئی۔

لیکن اس تاریخی جائزے سے پہلے علم المثلثات کے آغاز پر ایک اجمالی نگاہ ڈالنا ضروری ہے ۔

علم المثلثات کا آغاز

علم المثلثات آج ریاضیات کا ایک مستقل شعبہ سمجھا جاتا ہے لیکن اس کا آغاز ہیئتی جداول (Astronomical Tables) کی تیاری کے سلسلے میں میں ہوا تھا چنانچہ بطلمیوس (Ptolemy) کی « کتاب المجسطی » کے پہلے مقالے کا بڑا حصہ اُنہیں مسائل پر مشتمل ہے جنھیں آج ہم بالواسطہ یا بلاواسطہ « علم المثلثات » میں محسوب کرتے ہیں ۔

علم المثلثات کے دو شعبے ہیں : « علم المثلثات المستویة » (Plane Trignometry) اور « علم المثلثات الکرویة » (Spherical Trignometry) .

(۱) علم المثلثات المستویة

قدیم زمانے میں علم المثلثات المستویة کا مقصد ایک درجہ کے قوس کے وتر کو دریافت کرنا تھا . اس غرض سے دائرہ میں بنے ہوئے مخالف منتظم کثیرالاضلاع (Regular Polygons) کے اضلاع اور نصف قطر کی نسبت دریافت کی گئی اور اس طرح دائرے کے اُمہات اوتار (Principal Chords) کی مقداریں معلوم کی گئیں نیز مختلف « مثلثاتی ضوابط » (Trignometrical Formulae) دریافت کیے گئے ۔

قدیم علم المثلثات کا بنیادی مسئلہ :

ان مثلثاتی ضوابط میں مندرجہ ذیل مقدمے کو بنیادی حیثیت حاصل تھی :

«اگر کسی دائرے میں ایک نقطے سے دو غیر مساوی وتر کھینچے جائیں اور اس طرح جو دو قوسیں بنیں اور اُن کے مجموعے کے نقطۂ تنصیف سے بڑے وتر پر عمود ڈالا جائے تو یہ عمود جس نقطے پر گرے گا وہ دونوں وتروں کے مجموعے کا نقطۂ تنصیف ہوگا » .

البیرونی کہتا ھے کہ یہ مقدمہ ارشمیدس (Archemedes) کی دریافت ھے :

« ارشمیدس کا مقدمہ جسے اُس کے دیے ہوئے ثبوت کے بجاے ایک اور دلیل سے ثابت کیا گیا ھے :

فرض کیجیے قوس (ا ج د) دی ہوئی ھے جس کے اندر خطمستقیم (ا ج د) مڑگیا ھے . قوس کے نقطۂ تنصیف (ب) سے اس مڑے ہوئے خط کے بڑے ٹکڑے پر (ب ہ) عمود گراتے ھیں . تو میں کہتا ہوں کہ اس خط (ا ج د) کی (ہ) پر تنصیف ہوجاتی ھے . یعنی (اہ - ہج + جد) » [2] .

ارشمیدس نے « کتاب الدوائر» میں اس کا ثبوت دیا تھا جسے غالباً بعد میں سارینوس ثیبائی (Serinius of Thebs) نے « الأصول الھندسیہ » میں نقل کیا[3] ارشمیدس اور اس کی تقلید میں سارینوس نے اس مقدمے کا ایک اور ثبوت بھی دیا ھے.[4] البیرونی اُن سے ایک تیسرے ثبوت کی بھی روایت کرتا ھے.[5] یہی انداز استدلال اُبلو نیوس (Apollonius) نے بھی اختیار کیا تھا کیونکہ البیرونی کو « مسائل للیونانیین » میں جس کے متعلق اُس کا خیال ھے کہ وہ اُبلونیوس ھی کی تصنیف ھے بعینہ یہی ثبوت ملا تھا .[6]

اس بنیادی مسئلہ (مقدمۂ ارشمیدس) سے قدماء نے اور بھی مسائل مستنبط کیے تھے ، ان میں سے ایک مسئلہ یہ تھا :

« دیے ہوئے دو نقطوں سے دو ایسے خط کس طرح کھینچے جائیں کہ وہ ایک دیے ہوئے زاویہ کے برابر زاویہ بنائیں اور دونوں کا مجموعہ دیے ہوئے خط کے برابر ہو » .

اس مسئلے کو مانالاؤس (Menelaus) نے اپنی کتاب « الأصول الھندسیہ » کے

---

۲ البیرونی : القانون المسعودی (۱ : ۲۷۳) .

۳ البیرونی : استخراج الأوتار ص ۷

۴ ایضاً : ۱۸

۵ ایضاً : ۲۰

۶ ایضاً : ۲۰

تیسرے مقالے کی دوسری شکل میں حل کرنے کی کوشش کی تھی چنانچہ البیرونی لکھتا ہے[۷]:

« مانالاؤس نے اپنی کتاب « الأصول الهندسیه » کے تیسرے مقالے کی دوسری شکل میں اس بات کے بیان کا ارادہ کیا کہ دیے ہوئے نصف دائرے میں کس طرح دیے ہوئے خط کے برابر ایک خط منعطف کو موڑے مگر اُس نے اس کے لیے ایک لمبا راستہ اختیار کیا ».

بعد میں مسلمان مہندسین نے مانالاؤس کے اس مسئلہ عملی کی تسہیل کی کوشش کی.

مثلث کے رقبے کا ضابطہ :

علم المثلثات ہی سے متعلق مساحت کا یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی مثلث کے تینوں ضلعے معلوم ہوں تو اُس کا رقبہ کس طرح دریافت کیا جائے. عام طور پر اس کی دریافت ایرن (Heron) سے منسوب کی جاتی ہے مگر البیرونی کا خیال ہے کہ اس ضابطے کو ارشمیدس نے دریافت کیا تھا :[۸]

« تفاضل کے ذریعہ مثلث کا رقبہ دریافت کرنے کے لیے ارشمیدس کا ضابطہ : ارشمیدس نے کہا ہے کہ مثلث کے تینوں ضلعوں کے مجموعہ کے نصف کو اس نصف اور ایک ضلع کے فرق میں ضرب دیاجائے اور حاصل ضرب کو اس نصف اور دوسرے ضلع کے فرق میں ضرب دیا جائے اور اس طرح جو حاصل ضرب آئے اُسے اُسی نصف مجموعہ اور تیسرے ضلعے کے فرق میں ضرب دیا جائے. زاں بعد آخری حاصل ضرب کا جذر نکالا جائے تو وہی مثلث کا رقبہ ہوگا».

یا آج کی اصطلاح میں :

$$\triangle ABC = \sqrt{s(s-a)(s-b)(s-c)}$$
$$\text{where } s = \tfrac{1}{2}(a+b+c)$$

---

۷ ایضاً : ۴۹

۸ ایضاً . ۶۱ بنو موسیٰ نے اس ضابطے کو ارادتہ طور پر دریافت کیا تھا. البیرونی سے کچھ پہلے ابو جعفر الخازن نے اس کا ایک اور ثبوت دیا تھا. تفصیل کے لیے دیکھیے : رسائل طوسی میں بنو موسیٰ کا رسالہ « معرفة مساحة الأشكال البسيطة و الكرية » اور اس کا ضمیمہ.

اس ضابطے کا مدار ایک اور مسئلے پر ہے وہ یہ کہ اگر کسی مثلث کے تینوں ضلعے معلوم ہوں تو اُن عمودوں کو کس طرح دریافت کیا جائے جو راسوں (Vertices) سے سامنے کے اضلاع پر ڈالے جائیں۔ البیرونی کہتا ہے کہ یہ بھی لوشمیدس ہی کی دریافت ہے؛ وہ اس کا ثبوت بھی نقل کرتا ہے[9] «تکسیر مثلث» ہی کی قسم کا ایک ضابط دائرے کے اندر بنی ہوئی اربعة الأضلاع (Inscribed quadrilateral) کے رقبے کے متعلق قدیم ہندو ہیئت دانوں کو معلوم تھا اور مسلمان فضلاء میں سے ابو عبداللہ الشنی نے اس کا ثبوت دیا تھا۔[10]

۲- علم المثلثات الکرویة:

کروی (Spherical) یا «ریاضیاتی ہیئت» (Mathematical Astronomy) کا ماحصل مختلف دوائر فلکیہ کی قوسوں (Celestial Arcs) کو ناپنا ہے۔ اس کے دو طریقے ہیں: پیمایش اور معلومة المقدار قوسوں کی مدد سے دوسری قوسوں کی پیمایش کا حساب پہلے مقصد کے لیے مختلف آلات رصدیہ ایجاد کیے گئے۔

کروی ہندسہ اور کروی مثلثات کا آغاز:

دوسرے مقصد کے لیے «اشکال کرویہ» کے خواص کا مطالعہ کیا گیا اور اس طرح «ہندسۂ کرویہ» (Spherical Geometry) کی بنیاد پڑی۔ اس موضوع پر قدیم ترین کتابیں أقلیدس کی «ظاہریات الفلک» (Phaenomena) اور اوطولوقیوس (Autolycus) کی «کتاب الکرة المتحرکة» (On the moving Sphere) ہیں۔ بعد میں یونانی عالموں نے اور کتابیں بھی لکھیں جن میں ارشمیدس کی «کتاب الکرة والأسطوانة» (On the Sphere and the Cylender) ثاوذوثیوس (Theodosius) اور مانالاؤس کی «کتاب الأکر» (Sphaerica) خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ آخرالذکر میں کروی ہندسے کے ساتھ «علم المتعلقات الکرویة» کے بعض اہم ضوابط کی بھی توضیح آگئی ہے چنانچہ مانالاؤس نے «کتاب الأکر» کے مقدمے میں لکھا ہے:[11]

«مجھے کروی اشکال کے خواص میں ایک طرح کی عجیب اور

۹ استخراج الأوتار ص ۵۸

۱۰ ایضاً: ٦٤

۱۱ محقق طوسی: تحریر الأکر لمانا لاؤس (۲ : ۳) مجموعۂ رسائل طوسی

عمدہ دلیل ملی ھے جس نے اس علم کے بہت سے مشکل مسائل
کی طرف میری رہبری کی. میں نہیں سمجھتا کہ مجھ سے پہلے
وہ مسائل عویصہ کسی اور کے ذہن میں آئے ہوں».

الشکل القطاع:

«أکر مانالاؤس» میں ہیئتی نقطۂ نظر سے بنیادی حیثیت تیسرے مقالے کی پہلی شکل کو حاصل ھے جو «الشکل القطاع» (Regula Cata Figure Cata) کہلاتی ھے اور جو یونانی ہیئت کی تاریخ میں نیز عرصے تک مسلمان ہیئت دانوں میں بھی جب تک «ضابطۃ الجیوب» (Sine Formulae) اور اس کے بدل دریافت نہیں ہوئے تھے تمام مثلثاتی حسابوں کی اصل الاصول سمجھی جاتی تھی چنانچہ محقق طوسی نے «تحریر أکر مانالاؤس» میں لکھا ھے[۱۲]:

«جاننا چاھیے کہ یہ شکل «الشکل القطاع» کے نام سے
موسوم ھے .. بطلمیوس نے اسے «کتاب المجسطی» میں بیان
کیا ھے کیونکہ علم ہیئت میں یہ بہت زیادہ کارآمد ھے».

اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ اُنہوں نے اس کی اہمیت کو اپنی کتاب «کشف القناع عن أسرار الشکل القطاع» میں بیان کیا ھے[۱۳]:

«اس شکل کا فائدہ یہ ھے کہ کرہ کی سطح پر دوائر عظام
کے تقاطع سے جو قوسیں پیدا ہوتی ہیں اُن میں سے معلوم
قوسوں کی مدد سے مجہول قوسوں کی مقدار کی معرفت
کے طریقے پر اس کے ذریعہ واقفیت حاصل ہو جاتی ھے...
علم ہندسہ کے قدیم علماء اس شکل کو ان مطالب کے اندر
برابر استعمال کرتے رھے؛ وہ اسی پر اعتماد کرتے تھے.
اسی وجہ سے مانالاؤس نے اسے اپنی «کتاب الأکر» میں اور
بطلمیوس نے اپنی «المجسطی» کے شروع میں بیان کیا ھے».

---

۱۲ ایضاً: ۷۴

۱۳ محقق طوسی: الشکل القطاع ص ۸۷—۸۸

قدیم ہیئتی ورثہ :

یہ تھا کُل «ورثہ» جو مسلمان فضلاء نے یونانیوں اور دیگر پیشرو اقوام سے علم المثلثات میں پایا . ظاہر ھے اس مختصر سرمائے کے ساتھ اُن کے پیشرو اُسے ایک مستقل علم کی حیثیت سے کیا مدون کرتے . یہ شرف قسامِ ازل نے صرف عباقرۂ اسلام ھی کے لیے مقرر کر رکھا تھا [۱۴]

مسلمانوں کے علم الھیئت کی قدامت

مسلمانوں نے جملہ اقسام کے معاشرتی اور سائنسی علوم کو ترقی دی مگر علم ہیئت کے ساتھ خصوصیت سے اعتنا کیا . اس میں مذہبی ترغیب کو بھی دخل تھا اسلام میں فلکی مشاھدات کی بڑی اھمیت ھے . قران باربار مسلمان کو مظاھر سماوی و ارضی میں غور و فکر کرنے پر برانگیختہ کرتا ھے :

«أوَ لم یَنظروا فی ملکوت السموات و الأرض و ماَ خلقَ اللهُ من شیءٍ». [۱۵]

وہ کہتا ھے کہ ملکوت سماوات و ارض کا مطالعہ انسان ھی کے لیے ھے جس سے وہ اپنی معاشرتی زندگی میں نظم پیدا کرسکتا ھے .

«هوَ الذی جعلَ الشمسَ ضیاءً و القمرَ نوراً و قدّره منازلَ لتعلموا عدد السنینَ و الحساب ما خلقَ اللهُ ذلک إلاّ بالحقّ یفصّلُ الآیات لقومٍ یعلمون». [۱۶]

چنانچہ آیۂ کریمہ :

«إنّ فی خلقِ السمٰوات و الأرض واختلاف اللیل و النهار لآیاتٍ لأولی الألباب الذین یذکرون الله قیاماً و قعوداً و علیٰ جنوبهم و یتفکرون فی خلق السمٰوات والأرض . ربنا ماخلقتَ هذا باطلا سبحانک فقنا عذابَ النار». [۱۷]

---

۱۴ چنانچہ کارادی وو اپنے مقالہ "Astronomy and Mathematics" میں لکھتا ھے

"The Arabs have really achieved great things in Science; they...were indisputably the founders of plane and spherical trignometry which, properly speaking, did not exist among the Greeks." "*Legacy of Islam*" p. 376)

۱۵ سورہ اعراف : ۱۸۵ ۱۶ سورہ یونس ۵

۱۷ سورہ آل عمران ۱۹۰ — ۱۹۱

کا نزول ہوا تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«ویل لمن لاکها بین لحییته و لم یتفکر فیها».[18]

اور یہ رجحان دیندار طبقہ میں آخر تک برقرار رہا چنانچہ امام غزالی کا مشہور قول ہے:

«من لم یعرف الهیئة و التشریح فهو عنین فی معرفة الله تعالیٰ».[19]

امام غزالی کے ایک معاصر متقدم حکیم ابوالحسن الأنبیری ہیں وہ عمر خیام کو مجسطی پڑھا رہے تھے۔ کسی فقیہ نے پوچھا کیا پڑھا رہے ہو؟ کہا: آیۂ کریمہ: «أو لم ینظروا إلی السماء فوقهم کیف بنیناها»۔کی تفسیر کر رہا ہوں۔

۲۔اسلامی ثقافت میں نجوم کی ابتدا

دیگر علوم کی طرح ریاضی وہیئت کو بھی مسلمانوں نے قدیم اقوام (ہندو، یونانی اور ایرانی) سے سیکھا مگر اپنی سعی مسلسل سے انہیں ترقی دیکر چار چاند لگا دیے۔

بیرونی علوم کا مسلمانوں میں داخلہ:

بیرونی علوم (علوم دخیلہ) کے ساتھ سب سے پہلے اعتنا اموی خاندان کے ایک فرد خالد بن یزید بن معاویہ نے کیا؛ جب وہ حصول خلافت سے مایوس ہوگیا تو کیمیا کی طرف متوجہ ہوا اور اس غرض سے اُس نے کیمیا کے علاوہ نجوم اور طب کی کتابیں بھی قبطی اور رومی فضلاء کی مدد سے عربی میں ترجمہ کرائیں۔[21]

نجوم کے ساتھ اعتنا:

احکام نجوم کی اصلیت پر اعتقاد اسلامی تعلیم کے خلاف ہے اس لیے اسے عام معاشرے میں مقبولیت تو حاصل نہ ہوسکی۔ البتہ اندر ہی اندر خاموشی سے یہ اپنے قدرداں پیدا کرتا رہا چنانچہ سیوطی نے حماد الراویہ

---

۱۸ تصریح شرح تشریح الأفلاک ص ۳

۱۹ ایضاً ص ۳

۲۰ بیہقی: تتمۃ صوان الحکمۃ ص ۹۷

۲۱ ابن الندیم: الفہرست ص ٤۹۷

سے روایت کی ھے کہ ولید بن یزید (عہد : ۱۲۵-۱۲۶ھجری) نے دو منجموں سے اپنا زائچہ بنوایا تھا ۔[۲۲]

نجوم میں تصنیف کی ابتدا :

غالباً ولید ثانی کے زمانے تک نجوم عربی ادب میں اچھی طرح متعارف ھوچکا تھا اور اس فن میں عربی زبان میں کافی کتابیں لکھی جانے لگی تھیں؛ چنانچہ نجوم کی ایک کتاب کا مخطوطہ جس کا سال کتابت سنہ ۱۲۵ ھ ھے حسب تصریح نلینو ، ویٹیکن (Vatican) کی لائبریری میں موجود ھے ۔

۳ـــمنصور اور ھیئت سے دلچسپی :

سنہ ۱۳۲ ھ میں اموی خاندان ختم ھوگیا اور عباسی برسر اقتدار آئے ۔ ان کا آنا ایک ثقافتی انقلاب کا پیش خیمہ تھا کیونکہ نئی خلافت سے علم و حکمت کی ترقی کے ایک نئے دور کا افتتاح ھوا ۔

پہلے عباسی خلیفہ ابوالعباس السفاح نے سنہ ۱۳۶ ھ میں وفات پائی اور اُس کا جانشیں اُس کا بھائی ابوجعفر منصور ھوا ۔ منصور کا زمانہ علوم و فنون کی ترقی کے سلسلے میں خاص طور سے مشہور ھے[۲۳]۔ منصور ھی کے عہد حکومت میں شرعی و لسانی علوم کی باقاعدہ تدوین شروع ھوئی ۔ اُس کے عہد میں صرف علوم شرعیہ ھی کے ساتھ اعتنا نہیں کیا گیا بلکہ حکومت کی سرپرستی میں بیرونی علوم کو بھی عربی میں منتقل کیاگیا ۔

ابن خلدون لکھتا ھے :

«پس خلیفہ ابوجعفر منصور نے بادشاہ روم سے کہلا کر بھیجا کہ وہ ریاضیات کی کتابوں کا ترجمہ کراکر اُسے بھیجدے ۔ بادشاہ روم نے اُصول اُقلیدس اور طبعیات کی کچھ کتابیں منصور کو بھیجیں جنھیں مسلمانوں نے پڑھا اور

---

۲۲ سیوطی : تاریخ الخلفاء ص ۱۷۶

۲۳ قاضی صاعد اندلسی : طبقات الأمم ص ۷۵

> اُن کے مضامین سے واقف ہوئے . اس سے اُن کا شوق اُن کتابوں کے حاصل کرنے کے لیے جو روم میں باقی رہ گئی تھیں اور بڑھ گیا »[۲٤].

اس طرح جو کتابیں عربی میں منتقل ہوئیں اُن میں حسب تصریح ابن خلدون سب سے پہلی کتاب « اُصول اُقلیدس » تھی[۲٥] . اس سے ریاضیات کے ساتھ مسلمانوں کے شغف کا اندازہ ہو سکتا ہے.

منصور بالطبع نجوم کا دلدادہ تھا چنانچہ قاضی صاعد اُس کے بارے میں لکھتا ہے :

> « فکان رحمه الله مع براعته فی الفقه و تقدّمه فی علم الفلسفة و خاصةً فی علم صناعة النجوم کلفاً بها و باهلها »[۲٦].

اُس کا منجم خصوصی نوبخت تھا نوبخت کے بعدفضل بن نوبخت منجم باشی ہوا . اس زمانے کے دیگر مشہور نجومیوں میں ماشاءالله قابل ذکر ہے . دربار کے ہیئت دانوں میں محمد بن ابراهیم الفزاری اور یعقوب بن طارق خاص طور سے مشہور ہیں .

محمد بن ابراهیم الفزاری کا باپ ابراهیم بن حبیب الفزاری مسلمانوں میں پہلا ہیئت داں ہے جس کا نام تاریخ نے محفوظ رکھا ہے . حسب تصریح ابن القفطی ، تاریخ اسلام میں وہ پہلا شخص ہے جس نے اصطرلاب بنایا. بعد کے لوگوں نے تسطیح کرہ کے فن کو اُسی سے سیکھا[۲۷] . اصطرلاب اور ذات الحلق کے علاوہ اُس نے عربوں کے قدیم نظام فلکیات کے مطابق زیج بھی تیار کی تھی چنانچہ ابن القفطی اُس کی تصانیف میں « کتاب‌الزیج علی سنی العرب» کا بھی ذکر کرتا ہے . محمد بن ابراهیم الفزاری اور یعقوب بن طارق نے هندو هیئت (سدهانت)کو عربی میں منتقل کیا .

---

۲٤ ابن خلدون مقدمه ص . ٤٠١

۲٥ ایضاً ص ٤٠٥

۲٦ طبقات الأمم ص ۷٥

۲۷ ابن القفطی : اخبار الحکماء ص ٤۲

ابتدائی نظام هیئت :

غالباً اس وقت بغداد میں عرب نظام فلکیات متداول تھا جسے علم الأنواء کہا جاتا تھا کیونکہ اسی انداز پر ابراهیم الفزاری نے اپنی زیج « کتاب الزیج علی سنی العرب » مرتب کی تھی اور اسی انداز پر اُس کے بیٹے محمد بن ابراهیم الفزاری نے خلیفهٔ منصور کے حکم سے « برهم سدهانت» کا ترجمه کیا تھا .

عرب نظام فلکیات یا علم الأنواء چوتھی پانچویں صدی تک باقی رها، چوتھی صدی کے وسط تک تو یه ایک حریفانه نظام هیئت کی حیثیت رکھتا تھا بالخصوص علم الثوابت (Uranometry) کے اندر چنانچه عبدالرحمن الصوفی (المتوفی سنه ۳۵۲) «صور الکواکب» میں لکھتے هیں[۲۸] :

« میں نے دیکھا هے که اکثر لوگ کواکب ثابته کی معرفت ، آسمان میں اُن کے محل وقوع اور اُن کی اشکال کے بارے میں غور و خوض کرتے رهتے هیں . میں نے اُنہیں دو گروهوں میں منقسم پایا هے . پہلا گروه منجمین کے طریقے پر گام زن هے ... رها دوسرا گروه تو وه عربوں کے طریقے پر چلتا هے جو أنواء (نچھتر) اور منازل قمر کی معرفت سے متعلق هے . ان کا اعتماد اُن کتابوں پر هے جو اس موضوع پر لکھی گئی هیں ، همیں « أنواء » کے موضوع پر بہت سی کتابیں ملیں ان میں فنی طور پر سب سے زیاده مکمل ابو حنیفه دینوری کی کتاب هے کیونکه اس باب میں عربوں سے جو روایات مروی هیں ، دینوری اُن سے پوری طرح واقف تھا » .

« عرب پسند » حضرات کو اس قدیم دیسی نظام یا علم الأنواء پر بڑا فخر تھا چنانچه ابن قتیبه (المتوفی سنه ۲۷٦ ھ) نے اپنی تصنیف « کتاب الأنواء » میں لکھا هے :

« میں نے دیکھا هے که اس فن میں عربوں کا علم ظاهر و

۲۸ - الصوفی : صور الکواکب ص ۱ — ۷

۲۹ ابن قتیبه : کتاب الأنواء ص ۲

باھر ھے ، امتحان کے وقت صادق اور خشکی کے مقیم اور
سمندر کے سوار اور مسافر سب کے لیے مفید ۔ »[۲۹]

گرچہ منجمین بالخصوص البیرونی، ابن قتیبہ اور اُس کے ھم خیال «عرب پسندوں» کے اس دعوے کی مخالفت کرتے تھے ۔

دوسرا ھیئتی نظام ایرانیوں کا تھا جس کی بنیاد «زیج شہریار» پر تھی ۔ اسی پر نوبخت اور اُس کی اولاد کا عمل تھا ۔

ھندو ھیئت کا مسلمانوں میں داخلہ :

علم ھیئت کی ترقی کے نقطۂ نظر سے منصور کا عہد حکومت اس لیے اور مشہور ھے کہ سب سے پہلے اُسی کے زمانہ میں ھندستانی ھیئت مسلمانوں میں داخل ھوئی ۔ قاضی صاعد اندلسی لکھتے ھیں :[۳۰]

« حسین بن محمد بن حمید المعروف بابن الادمی نے اپنی بڑی زیج معروف بہ « نظم العقد » میں لکھا ھے کہ سنہ ۱۵٦ ھ میں خلیفہ ابوجعفر منصور کی خدمت میں ھندستان سے ایک شخص حاضر ھوا جو اُن کے مخصوص ھیئتی حساب سدھانت میں ماھر تھا ... اُس کے ھمراہ (علم ھیئت) کی ایک کتاب بھی تھی جس میں بارہ باب تھے ... منصور نے اس کتاب کے عربی میں ترجمہ کرنے نیز اس کی اساس پر علم ھیئت کی ایک کتاب لکھے جانے کا حکم دیا تاکہ عرب حرکات کواکب کے حساب میں اُسے اصل و معتمد علیہ بنائیں ۔ پس محمد بن ابراھیم الفزاری نے اس کام کو انجام دیا اور اس کی مدد سے ایک کتاب تیار کی جسے ماھرین فلکیات « السد ھند الکبیر » کہتے ھیں » ۔

محمد بن ابراھیم الفزاری کی اس کتاب پر ماھرین ھیئت کا تیسری صدی کے آغاز تک عمل رھا جبکہ محمد موسیٰ الخوارزمی نے اس پر نظرثانی کی ۔

---

۳۰ صاعد اندلسی : طبقات الأمم ص ۷۸

علم المثلثات کا آغاز :

مساحت اور باقاعدہ پیمایش زمین کا آغاز سنہ ۱۷ ھ سے ہوا جبکہ خلافت فاروقی کے زمانے میں سواد کا علاقہ فتح ہوا اور حضرت عمر رضی‌اللہ‌عنہ نے تشخیص خراج کی غرض سے اس علاقے کی پیمایش کرائی یہ کام عثمان بن حنیف نے انجام دیا .

ہندو علم الہیئت کے مسلمانوں میں داخلہ سے پہلے جو ہیئتی‌حسابات مروج تھے اُن کا مدار « اوتار » (Chords) پر تھا . مگر ہندو ہیئت کا مدار « اوتار » کے بجائے « جیوب » (Sines) پر ہے چنانچہ البیرونی « قانون مسعودی » کے تیسرے مقالے کے آغاز میں لکھتا ہے[۳۱] :

«اُنہوں نے انصاف اوتار (وتروں کے نصفوں= Halves of the chords) کا نام جیوب رکھا اگرچہ ہندی میں خود وتر کا نام جیب ہے اور اُس کے آدھے کا نام جیبارد ہے . لیکن چونکہ اہل ہند وتروں کے نصفوں کے علاوہ اور کچھ استعمال نہیں کرتے لہذا سہولت تلفظ کے لیے اُنہوں نے کل (جیب) کا نام نصف (جیبارد) پر رکھ دیا» .

البیرونی نے «کتاب‌الہند» میں «سورج سدھانت» کے ابواب کی جو فہرست‌دی ہے اُس میں لکھا ہے کہ دوسرا باب دیگر اُمور کے علاوہ قوسوں کی جیوب کے دریافت کرنے کے اعمال پر بھی مشتمل ہے[۳۲] :

« باب فی أدوار الکواکب و مزاولة الأزمنة و استخراج أوساط الکواکب و عمل الجیوب للقسی » .

لہذا جب « سدھانت » عربی میں ترجمہ ہوئی تو مسلمان جیوب کے حساب سے بھی واقف ہوئے اور اس طرح علم المثلثات کی تاریخ میں ایک نئے باب کا افتتاح ہوا مگر اس سلسلے میں مستشرقین عرصہ تک ایک شدید غلط فہمی میں مبتلا رہے اُن کا خیال تھا کہ علم المثلثات میں جیب کے

---

۳۱ البیرونی : کتاب الہند (۱ : ۲۷۱)

۳۲ ایضاً (۱ : ۷۴)

تصور اور اعمال کا آغاز البتّانی نے کیا. حالانکہ عربوں کے یہاں «جیوب» (Sines) کا استعمال البتّانی سے ڈیڑھ سو سال قبل سے ہورہا تھا چنانچہ محمد بن ابراہیم الفزاری نے اپنی زیج میں جیوب ہی کا استعمال کیا تھا. الفزاری کی زیج آج ناپید ہے مگر اس کے اقتباسات البیرونی نے دیے ہیں چنانچہ وہ «استخراج الأوتار» میں ایک جگہ لکھتا ہے[۳۳]:

«فی حل التعدیل بحساب أورده محمد بن ابراهیم الفزاری فی زیج السند هند الکبیر: قال نضرب جیب الحصة فی خمسے الأصل و نقسم المبلغ علی ستین فنخرج الضلع و نضرب جیب تمام الحصة فی خمسے الأصل و نقسم المحتمع علی ستین وما خرج نزیده علی الجیب کله إن کانت الحصة أقل من الربع فیکون الجیب الزائد و ننقصه من الجیب کله فیکون الجیب الناقص».

البتّانی سے پہلے دوسرا مشہور مہندس و ہیئت دان حبش الحاسب المروزی ہے اُس نے بھی جیوب کا استعمال کیا تھا چنانچہ اُس کی جداول اربعہ کی تحلیل کے متعلق ابو نصر بن عراق (اُستاذ البیرونی) نے جو رسالہ بعنوان «جدول التقویم» لکھا تھا اُس کے تعارف میں کہتا ہے[۳٤]:

«اما الجدول الأول الذی یلی سطر الأعداد فالمیل الثانی ... والجدول الثانی وضع فیه بازاء کل عدد جیب تمام میل تمام ذلک العدد من الدرج».

٤ــ ہارون و برامکہ

منصور نے سنہ ۱۵۸ ھ میں وفات پائی اور مہدی اُس کا جانشیں ہوا. مہدی کا خاص منجم توفیل بن توما الرہاوی تھا. مہدی کے بعد ہادی خلیفہ ہوا مگر وہ سال بھر بعد ہی مرگیا اور سنہ ۱۷۰ ھ میں ہارون الرشید سریر آرائے خلافت ہوا. اُس کا زمانہ برامکہ کے عروج و زوال کی داستان ہے.

۳۳ البیرونی· استخراج الاوتار ص ۱۲۰

۳٤ ابونصر بن عراق: جدول التقویم ص ۲ (مشمولۂ رسائل ابی نصر منصور بن عراق، دائرة المعارف، حیدرآباد،

برمکی خاندان جیساکه اُن کے مورث اعلیٰ «برموک» (प्रमुख) کے نام سے ظاہر ہے ہندستانی نژاد تھا. اُن کے اسلاف بلخ کے مشہور بدھ مٹھ «نوبہار» کے متولی (پرمکھ) رہے تھے[۳۵]. فتح بلخ کے بعد یه لوگ مشرف باسلام ہوگئے. خالد بن برمک، ابوالعباس السفاح کا بڑا معتقد علیه اور دربار خلافت کا رکن رکین تھا. اُس کا بیٹا یحییٰ جو ہارون کا اتالیق تھا عہد ہارونی میں سیاه و سفید کا مالک بنگیا اور اُس کا خاندان نظام حکومت پر چھاگیا. یہی بے پناه اقتدار آخرکار اس خاندان کے زوال کا باعث ثابت ہوا.

شرافت و نجابت اور علم دوستی و ہنر پروری اس خاندان نے ورثے میں پائی تھی. علماء و فضلاء کی سرپرستی میں اُنہوں نے کوئی دقیقه نہیں اُٹھا رکھا. اُنہیں کے ایماء سے تاریخ اسلام کی پہلی مشہور لائبریری «خزانةالحکمة» ظہور میں آئی (جس کی بعد میں مامون کے عہد میں «بیتالحکمة» کے نام سے تجدید ہوئی) برامکه ہی کے زمانه میں «ہندستانیات» (Indology) کا آغاز ہوتا ہے. اُنہوں نے ایک علمی وفد ہندستان کی جڑی بوٹیاں لانے اور یہاں کے مذاہب و ادیان کے بارے میں تحقیق کرنے کے لیے بھیجا[۳۶]. اُنہوں نے ہندستانی طب کو مسلمانوں میں متعارف کرانے پر بھی توجه دی اور اُنہیں کی سرپرستی میں ویدک کی بہت سی کتابوں کا عربی میں ترجمه ہوا.

یونانی علوم کی تحریک جو منصور کے زمانے میں شروع ہوئی تھی اس زمانے میں بھی جاری رہی. سلما صاحب بیتالحکمة نے ارسطاطالیسی منطق کی پہلی تین کتابوں کا عربی میں ترجمه کیا[۳۷]. غزوۂ روم میں انقره اور عموریه میں جو یونانی زبان کی کتابیں ملیں اُن کا ترجمه یوحنا

---

۳۵ المسعودی : مروج الذہب (۵ : ۷۱)

۳۶ ابن الندیم : الفہرست ص ٤٨٤

۳۷ «یونانی منطق کے قدیم عربی تراجم» رسالهٔ «معارف» جولائی (اعظم گڑه ۱۹۵۷).

بن ماسویہ نے کیا[۳۸] . ریاضی و ہیئت کی تاریخ میں برامکہ کا نام دو کارناموں سے وابستہ ھے : اُقلیدس کا ترجمہ اور المجسطی کی تفسیر.

اُصول اُقلیدس کا پہلا ترجمہ بقول ابن خلدون منصور کے زمانے میں ہوا تھا مگر یہ زیادہ مشہور نہیں ہوا. برامکہ کی سرپرستی میں اس کا ازسرنو ترجمہ ہوا. یہ مترجم حجاج بن یوسف بن مطر تھا. ابن الندیم کہتا ھے[۳۹] :

« حجاج بن یوسف بن مطر نے اُصول اُقلیدس کے یونانی زبان سے عربی میں دو ترجمے کیے : ایک « نقل ھارونی » کے نام سے مشہور ھے اور وہ پہلا ترجمہ ھے اور دوسرا ترجمہ « نقل مامونی » کے نام سے مشہور ھے اور اُسی پر اعتماد کیا جاتاھے» .

یونان کی ہیئتی عبقریت کی معراج « المجسطی» (Almagest) ھے جو آج بھی دنیا کے ہیئتی ادب میں ایک خاص اھمیت رکھتی ھے اسے بطلمیوس (۸۷ــ۱۶۶م) نے تصنیف کیا تھا . اس میں تیرہ مقالے ھیں مسلمانوں میں سب سے پہلے اس کا ترجمہ یحییٰ بن خالد برمکی نے کرایا چنانچہ ابن الندیم لکھتا ھے :

« سب سے پہلے جس نے المجسطی کو عربی میں ترجمہ کرانے اور اُس کی شرح و تفسیر کرانے پر توجہ دی وہ یحییٰ بن خالد البرمکی تھا. بہت سے لوگوں نے اس کی تفسیر کرکے اسے پیش کی مگر یحییٰ اُن کی شروح سے مطمئن نہیں ہوا. آخرکار اُس نے اس کی توضیح و تشریح کا کام ابوحسان اور سلما صاحب بیت‌الحکمة کے سپرد کیا جنھوں نے اس کام کو بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا. اُنھوں نے ماھر مترجمین کو بلاکر ترجمے کرائے اور ان میں جو سب سے زیادہ صحیح اور فصیح تھا اُسے منتخب کرکے یحییٰ بن خالد کے

۳۸ ابن ابی اصیبعہ : طبقات الأطباء (۱ : ۱۷۵).

۳۹ ابن الندیم : الفہرست ص ۲۷۱

حضور میں پیش کیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حجاج بن یوسف
بن مطر نے بھی اسے ترجمہ کیا تھا »۔

اس طرح یونانی ہیئت سے مسلمان واقف ہوئے اور بعد میں اُس کی اصلاح و ترقی کی انھوں نے کوشش کی۔

المجسطی کے پہلے مقالے کا بیشتر حصہ « مثلثاتی مسائل » پر مشتمل ہے۔ ان مسائل میں سب سے اہم « الشکل القطاع » ہے۔

۵ــ مامون اور علم و حکمت کی ترقی کا عہد زریں

سنہ ۱۸۷ ہجری میں برمکی خاندان ہارون کے شکوک و شبہات کا شکار ہوگیا اور اُن کے ساتھ علم و ادب کی سرپرستی کا سارا کارخانہ بھی درہم برہم ہوگیا۔ چھ سال بعد ہارون نے بھی وفات پائی اور امین تخت خلافت پر بیٹھا مگر جلد ہی دراندازوں نے دوسرے بھائی مامون سے لڑائی کرادی جس کے نتیجے میں امین مارا گیا اور مامون سنہ ۱۹۸ ہجری میں تخت خلافت پر متمکن ہوا۔

عباسی خلفاء میں مامون کا عہد اپنی عقلیت پرستی اور یونان پسندی کے لیے مشہور ہے۔ ابن شاکر الکتبی لکھتا ہے[۴۱]:

> « مامون جب بڑا ہوا تو اُسے یونانی علوم کا شوق دامنگیر ہوا اور فلسفہ میں مہارت حاصل کی۔ اسی لیے وہ آخر میں خلق قرآن کا قائل ہوگیا »۔

اُس کی علمی سرپرستی کے بارے میں قاضی صاعد اندلسی نے لکھا ہے:

> « پھر جب خلافت ساتویں عباسی خلیفہ عبداللہ المامون کو پہنچی تو جس تحریک کا آغاز اُس کے دادا منصور نے کیا تھا، اُس نے اُسے تکمیل کو پہنچایا۔ جہاں جہاں سے علم حاصل ہوسکتا تھا اُسے حاصل کرنے کی طرف توجہ کی . . . رومی بادشاہوں سے خط و کتابت کی اور اُنہیں بیش قیمت

۴۰ ایضاً : ص ۳۸۴

۴۱ ابن شاکر الکتبی : فوات الوفیات (۱: ۱۰۵) مطبعۃ السعادۃ (قاہرہ، ۱۹۵۱)۔

تحفے بھیجے اور اس کے بدلے میں اُن کے یہاں جو فلاسفہ
کی کتابیں تھیں اُن کی خواہش کی. لہذا اُن کے یہاں جو
افلاطون و ارسطاطالیس، بقراط و جالینوس اور اُقلیدس و
بطلمیوس وغیرہ حکمائے قدیم کی کتابیں تھیں اُنہوں نے مامون
کو بھیجیں. مامون نے اُن کے ترجمہ کے لیے ماہر مترجمین
کو منتخب کیا اور عربی میں ترجمہ کرایا پس جس قدر اچھا
ہوسکتا تھا، اُنہوں نے ترجمہ کیا. اس کے بعد لوگوں کو
اُن کے پڑھنے پڑھانے کی ترغیب دی اِس طرح اُس کے زمانے
میں علم کا بازار گرم ہوگیا اور حکمت کی حکومت قائم ہوگئی». [42]

اس یوناں پسندی کا نتیجہ یہ تھا کہ اُسے سوتے جاگتے حکمائے یونان ہی کا خیال رہتا تھا چنانچہ اُس نے ایک شب ارسطو کو خواب میں دیکھا جس نے اُسے بہت زیادہ متاثر کیا. ابن الندیم لکھتا ہے[43] :

« یونانی کتابوں کے عربی میں ترجمہ کرنے کے عوامل میں یہ
خواب سب سے زیادہ موثر ثابت ہوا اور مامون نے بادشاہ روم
کو مجبور کیا کہ وہ حکمائے قدیم کی کتابوں کو جو اُس کے ملک
میں مقفل پڑی تھیں بغداد بھیجے. جب وہ بڑی مشکل سے
راضی ہوا تو مامون نے لائق مترجمین کی ایک جماعت روم
بھیجی. یہ لوگ یونانی علم و حکمت کے بہترین شاہکاروں
کو منتخب کرکے بغداد لائے اور مامون نے عربی میں اُن کا
ترجمہ کرایا ».

اس ترجمہ کرانے میں مامون کے شوق کا یہ عالم تھا کہ حُنین بن اسحاق مشہور مترجم کو ترجمے کے اوراق کے وزن برابر سونا معاوضہ میں دیا کرتا تھا.[44]

« الناس علی دین ملوکہم » کے مصداق اُمرائے دولت نے بھی خلیفۂ وقت

---

٤٢ قاضی صاعد اندلسی. طبقات الأمم ص ۷۵ - ۷٦
٤٣ ابن الندیم : الفهرست ص ۳۳۹
٤٤ ابن ابی اصیبعه : طبقات الأطباء (۲ : ۱۸۷).

کی تقلید کی اور یونانی علوم کے عربی میں منتقل کرانے میں بیش از بیش کوششیں کیں . ان میں بنو موسیٰ کا خاندان خاص طور سے مشہور ہے .

بیت الحکمة کی تجدید :

ترجمے کے کام کی تنظیم کے لیے مامون نے اپنے باپ کے عہد کے « خزانة الحکمة » کی « بیت الحکمة » کے نام سے تجدید کی . ماکس مایرھوف (Max Meirhof) نے اس کا سال قیام سنہ ۲۱۵ھ بتایا ہے ، معلوم نہیں اُس کا مأخذ کیا ہے . اُس نے یہ بھی لکھا ہے کہ اُس نے بیت الحکمة کا متولی یوحنا بن ماسویہ کو بنایا تھا مگر ابن الندیم جو اس باب میں قابل اعتماد مأخذ ہے ، لکھتا ہے کہ سہل بن ھارون کو مامون نے اس کتب خانے کا لائبریرین بنایا[۴۵] اور اُس کے بھائی سعید بن ھارون[۴۶] اور سلما کو اس کام میں اُس کا شریک کار بنایا .

علم ھندسہ سے شغف :

مامون کو اُقلیدسی ھندسہ کے ساتھ بیحد دلچسپی تھی اور جو شخص پوری اُقلیدس پڑھے ہوئے نہ ہوتا تھا وہ اُسے خاطر میں نہ لاتا تھا . اُس نے اُصول اُقلیدس (مقالۂ اولیٰ) کی پانچویں شکل کا طغرا اپنی عبا کی آستینوں پر بنوایا تھا : اسی وجہ سے یہ شکل « شکل مامونی » کہلاتی ہے . مامون کے اس رجحان کو دیکھتے ہوئے حجاج بن یوسف بن مطر نے اُصول اُقلیدس کا جسے وہ پہلی مرتبہ ھارون کے زمانے میں ترجمہ کرچکا تھا ، پھر دوسری مرتبہ ترجمہ کیا ، اسی وجہ سے یہ ترجمہ « نقل مامونی » کہلاتا ہے . ابن الندیم لکھتا ہے[۴۷] :

« نقله الحجاج بن يوسف بن مطر نقلين : أحدهما يعرف بالهارونی و هو الأول و نقله ثانياً و يعرف بالمامونی و عليه يعول » .

مامون کے دربار میں بڑے بڑے ریاضی داں تھے ان میں عباس بن سعید الجواھری اور سند بن علی اس لیے مشہور ہیں کہ اُنہوں نے اُصول

۴۵ ابن الندیم : الفھرست ص ۱۷۴
۴۶ ایضاً : ص ۱۷۴
۴۷ ایضاً : ص ۳۷۱

اُقلیدس کی تفسیر لکھی تھی الجوھری نے پانچویں مصادرے «توازی خطوط» (Parallel Postulate) کو ثابت کرنے کی بھی کوشش کی تھی ۔

رصدگاہ شماسیہ کا قیام:

مامون نے تاریخ اسلام کی سب سے پہلی رصد گاہ قائم کی۔ قاضی صاعد اندلسی لکھتے ھیں[48] :

«جب خلافت ابو عبداللہ المامون کو پہنچی ... اور اُس کے زمانے کے علماء کتاب المجسطی پر مطلع ہوئے اور اُس میں مذکور آلات رصد کی کیفیت سے واقف ہوئے ... تو اُس نے اقطار ملک سے علماء عصر کو جمع کیا اور اُنہیں حکم دیا کہ اُن جیسے آلات تیار کریں اور اُن سے اجرام فلکی کی سیر و گردش کا حال دریافت کریں جس طرح بطلیموس اور اُس کے پیشرووں نے کیا تھا ۔ انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی اور سنہ ۲۱۴ھجری میں شماسیۂ بغداد اور دمشق کے اندر رصد گاھیں قائم کیں ۔ آفتاب کے میل کلی (Ecliplicity) اس کے خروج مرکز (Eccentricity) اس کے نقطۂ اوج (Apogee) کو متعین کیا ۔ نیز دیگر سیارات و ثوابت کے احوال کو دریافت کیا ... اس کا نام رصدگاہ ماموںی رکھا ۔ اس رصدگاہ کے منتظمین یحیٰ بن ابی منصور جو اپنے عہد کا سب سے بڑا منجم تھا، خالد بن عبدالملک المروزی، سند بن علی اور عباس بن سعید الجوھری تھے ۔ اُن میں سے ھر شخص نے ایک زیج مرتب کی جو اُس کے نام سے مشہور ھے» .

محیط ارضی کی پیمایش:

رصد گاہ ماموںی کا سب سے بڑا کارنامہ محیط ارضی کی پیمائش ھے ۔ اُس سے پہلے یونانی جغرافیہ نویس احد ھیئت داں ایراٹوستھنیس (Eratosthenes) نے یہ کوشش کی تھی ۔ خلیفہ مامون نے اس کی تجدید کرائی ۔ ابن خلکان لکھتا ھے :

«مامون کو علوم اوائل (یونانی علم و حکمت) کی تحقیق کا بڑا شوق تھا ۔ اُس نے اُن کی کتابوں میں لکھا دیکھا تھا کہ کرۂ زمین کا محیط

۴۸ قاضی صاعد اندلسی: طبقات الأمم ص ۷۹ ـ ۸۰

۲٤ ہزار میل ہے . . . پس مامون نے ارادہ کیا کہ اس کی حقیقت پر واقف ہو لہذا اُس نے . . . مذکورہ بالا ہیئت دانوں کو اس کی پیمایش کا حکم دیا ».[49]

اسی طرح البیرونی لکھتا ہے[50] :

« جالینوس کا خیال ہے کہ ایراٹوستھنیس نے اسوان اور اسکندریہ کے درمیانی فاصلے کی جو ایک ہی طول البلد پر واقع ہیں پیمایش کی تھی ... لیکن جب « کتاب البرھان » (مصنفۂ جالینوس) اور بطلمیوس کی « المدخل الی الصناعة الکریه » نیز « کتاب الجغرافیه » کی عبارتوں کو مقابلہ کیا جائے تو یہ مقدار مختلف معلوم ہوتی ہے دونوں کی رایوں کے اس فرق عظیم کی وجہ سے خلیفہ مامون نے ارض موصل کے اندر دشت سنجار میں اس فن کے ماہرین سے اس کی تصحیح کرائی . . . انہوں نے ایک درجہ کی لمبائی $56\frac{2}{3}$ میل پائی . . . اور کل محیط . . . بیس ہزار چار سو میل » .

خوارزمی اور مستقل ہیئتی مکتب فکر کی بنیاد :

مامون ہی کے زمانہ میں اُس مستقل ہیئتی نظام کی بنیاد پڑی جو « السند ہند الصغیر » کہلاتا ہے اور اصلاحی ہیئت کی اصل ہے . محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے جو الجبر و المقابلہ کا بانی سمجھا جاتا ہے « السند ہند » (برہم سدھانت) ، زیج شہر یار اور المجسطی کی مدد سے اس مستقل ہیئتی مکتب فکر کی بنیاد ڈالی . ابن القفطی لکھتا ہے :

« السند ہند الکبیر (محمد بن ابراہیمؒ الفزاری کے ترجمہ برہم سدھانت) پر لوگ مامون کے زمانہ تک عمل کرتے رہے . مامون کے زمانے میں ابو جعفر محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے اسے مختصر کیا اور اپنی وہ زیج تیار کی جو ممالک اسلامیہ میں مشہور ہے . اس نے اس کے

---

٤٩ ابن خلکان : وفیات الأعیان (۲ : ۷۹).

٥٠ البیرونی : قانون مسعودي (۲ : ٥۲۸).

اندر اوساط کواکب کے باب میں السند ھند پر اعتماد کیا ھے
مگر تعدیلات اور میل کلی کے باب میں اس سے اختلاف
کیا ھے . تعدیلات کے باب میں اس نے ایرانیوں کے مذھب
(زیج شہر یار) کا اتباع کیا ھے اور آفتاب کے باب میں کلی کے
باب میں بطلمیوس (کی المجسطی) کا .. پس اس زمانے کے
لوگوں نے جو السند ھند کے طریقے کے پیرو تھے اسے بہت
زیادہ پسند کیا اور یہ نیا ھیئتی نظام تمام دنیا میں پھیل گیا
اور اہل فن کے نزدیک ھمارے زمانے تک مقبول رھا ھے»[۵۱] .

دوسری جگہ لکھتا ھے[۵۲] :

« اور لوگ رصد سے پہلے اور بعد میں خوارزمی کی پہلی اور
دوسری زیجوں ھی پر اعتماد کرتے ھیں» .

چنانچہ جن لوگوں نے «زیج خوارزمی» کے ساتھ خصوصی اعتنا کیا ان میں البیرونی سب سے زیادہ پیش پیش ھے . اس نے اس کی شرح و توضیح کے سلسلے میں کئی کتابیں لکھی تھیں جن کی تفصیل آگے آرھی ھے .

٦ــ مامون کے جانشیں

مامون نے ۲۱۸ھ میں وفات پائی اور معتصم (۲۱۸ ــ ۲۲۷ھ) اس کا جانشیں ھوا . معتصم کے بعد واثق خلیفہ ھوا جس نے ۲۳۲ھ میں وفات پائی . اس کی وفات پر متوکل اس کا جانشیں ھوا جو اپنے بیٹے منتصر کے اشارے سے ترک غلاموں کے ھاتھوں ۲٤۷ھ میں قتل ھوا .

علم و حکمت کی ترقی:

مامون کے جانشین اُس کی طرح علم دوست اور فضلاء نواز تو نہ تھے لیکن علمی ترقی کی جو تحریک مامون نے جاری کی تھی وہ برابر چلتی رھی . قاضی صاعد اندلسی نے لکھا ھے :

« عباسی خلفاء اور ان کے علاوہ دیگر ملوک اسلام اور
اھل دربار میں سے خواص مسلمین نے اس (مامون) کے زمانہ

۵۱ ابن القفطی : أخبار العلماء بأخبار الحکماء ص ۷۷ ـ ۱۷۸ .
۵۲ ایضاً : ص ۱۸۷ ـ ۱۸۸ .

سے ہمارے زمانہ (سنہ ٤٦٠ع) تک صناعت نجوم و ہندسہ وطب نیز دیگر علوم کے ساتھ اعتنا برقرار رکھا ہے . وہ ان علوم میں کتابیں تصنیف کرتے رہے ہیں اور ان سے بڑے عجیب و غریب نتائج اخذ کرتے رہے ہیں » .[۵۳]

ان مشاہیر فضلاء میں حبش‌الحاسب ، الکندی اور بنوموسیٰ خاص طور سے قابل ذکر ہیں .

حبش‌الحاسب :

« احمد بن عبداللہ حبش‌الحاسب المروزی مامون و معتصم کے عہد کا مشہور منجم و ہیئت‌دان تھا . ابن‌القفطی لکھتا ہے کہ اسے اجرام فلکی کی گردش کے حساب میں یدطولیٰ حاصل تھا . اس نے تین زیجیں تیار کی تھیں . پہلے وہ نظام « السند ہند » کا متبع تھا اور اسی اصول پر اس نے اپنی پہلی زیج تیار کی تھی مگر اس میں بھی آنکھ بند کرکے اپنے پیش‌رووں کی تقلید نہیں کی بلکہ عام حسابات فلکی کے اندر محمد بن ابراھیم الفزاری اور محمد بن موسیٰ الخوارزمی سے اختلاف کیا ، بالخصوص فلک‌البروج کی حرکت اہتزازی کے سلسلے میں یہاں اس نے ثاؤن کے رائے کے مطابق کواکب کے طولوں کی تصحیح کی . اس کے بعد وہ رصدگاہ مامونی میں طلب کیا گیا جس کے نتیجے میں اس نے اپنی دوسری زیج جو « زیج ممتحن » کے نام سے مشہور ہے مرتب کی . تیسری « زیج‌الشاہ » ہے . حبش نے علم ہندسہ اور اصول اصطرلاب کے علاوہ ابعاد و اجرام پر بھی ایک کتاب لکھی » .[۵۴] حبش‌الحاسب نے ایک (Trignometrical Table) « جدول الدقائق » کے نام سے مرتب کی تھی . بعد کے ریاضی دانوں میں سے امیر ابونصر بن عراق نے البیرونی کی خواہش پر اس کتاب کی توضیح کی . (اسے دائرۃ المعارف حیدرآباد نے شائع کردیا ہے) .

اوپر ذکر آ چکا ہے کہ حبش نے اس جدول کو اوتار (Chords) کے بجائے « جیوب » (Sines) کے اصول پر مرتب کیا ہے .

---

۵۳ قاضی صاعد الأندلسی : طبقات الأمم ص ۸

۵۴ ابن القفطی : أخبار الحکماء ص ۱۱۷

الکندی:

ابو یوسف یعقوب بن اسحاق الکندی، بقول کارڈانو، دنیا کے بارہ عبقریون میں سے ایک ہے اور اسی وجہ سے «فیلسوف العرب» کہلاتا ہے. وہ بیک وقت منطقی، فلسفی، طبیعی، موسیقی‌داں، مہندس و ماہر ریاضیات اور فلکی تھا. ابن‌الندیم نے اس کی تصانیف کی ایک مبسوط فہرست دی ہے جس میں سو کے قریب کتابیں ریاضیات و فلکیات پر ہیں. غالباً کندی کی ایک نجی رصدگاہ بھی تھی جہاں وہ اجرام فلکی کے علاوہ مظاہر فلکی کا مشاہدہ بھی کیا کرتا تھا. سنہ ۲۲۲ھ میں اس نے جو ہیئتی مشاہدات کیے تھے انھیں قلمبند بھی کیا تھا. اس یادداشت کا نام ابن ابی اُصیبعہ نے «رسالة فیما رصد من الأثر العظیم فی سنة اثنتین و عشرین و مائتین للهجرة» بتایا ہے.[٥٥]

کندی نے غالباً سب سے پہلے کروی ھندسہ کی پہلی کتاب «ظاھریات الفلک لاقلیدس (Euclid's Phaenomena) کا عربی میں ترجمہ کیا تھا چنانچہ ابن ابی اُصیبعہ اس کی تصانیف میں اس کا ذکر کرتا ہے[٥٦]. اس نے متوسطات (وہ کتابیں جو اُقلیدس اور المجسطی کے درمیان میں پڑھائی جاتی ہیں) میں سے ثاؤذوسیوس کی «کتاب‌المساکن» (On Habitation) کو ایڈٹ کرکے اس پر شرح بھی لکھی تھی.[٥٧]

علم‌المثلثات کا اہم مسئلہ ایک درجہ کی قوس کے وتر کی دریافت ہے. تین درجہ کی قوس کا وتر تو مثلثاتی ضوابط سے دریافت ہو سکتا تھا مگر ایک درجہ کی قوس کی وتر کے لیے اس ضابطہ کی تصحیح کی ضرورت تھی کہ ثلث قوس کا وتر کیسے دریافت کیا جائے مہندسین واہل حساب کو اس باب میں ہنوز کوئی کامیابی نہیں ہوئی تھی چنانچہ البیرونی رسالۂ «استخراج الاوتار» میں لکھتا ہے:

«پس ان مذکورہ بالا اُصولوں کی مدد سے تفاضل و تنصیف کے

٥٥ ابن ابی اصیبعہ: طبقات الأطباء (١ : ٢١٣).
٥٦ ایضاً (١ : ٢١١)
٥٧ ایضاً (١ : ٢١٣)

ذریعہ تین درجے کی قوس تک کا حساب لگ جاتا ھے اور اس کا وتر متحقق ھو جاتا ھے ۔ اس کے بعد کسریں آنے لگتی ھیں ۔ مگر ھنوز کسی کو معلومة الوتر قوس کے ایک تہائی حصہ کا وتر دریافت کرنے میں کامیابی نہیں ھوئی ۔۔۔۔ ھمارے زمانے تک کسی نے اس کا حل اصول ھندسیہ کی مدد سے دریافت نہیں کیا اور سبھی اس کے معلوم کرنے سے عاجز رھے سوائے میکانکی طریقوں کے جن سے تقریبی حل تک رسائی ھوتی ھے۔ مگر جو اصول ھندسیہ سے منحرف ھیں»۔[58]

اس اہم مسئلے کا ایک میکانکی حل کندی نے دریافت کیا تھا، چنانچہ البیرونی ان لوگوں کی فہرست میں جنھوں نے اس میکانکی طریقے سے زاویہ یا قوس کی تثلیث کی تھی کندی کا بھی نام لیتا ھے»[59]۔

بنو موسیٰ :

ھندسہ و ھیئت کی ترقی میں سب سے زیادہ مشہور بنو موسیٰ کا خاندان تھا ۔ یہ تین بھائی تھے محمد ، احمد اور حسن جنھیں ان کے باپ کی وفات پر خلیفۂ مامون نے بیت‌الحکمة میں تربیت دلائی تھی ۔ مامون کی اس خصوصی توجہ و عنایت خسروانہ نے ان لڑکوں کو قلمروے خلافت کا گوھرشب چراغ بنادیا ۔ بنو موسیٰ نہ صرف خود ھی صاحب کمال تھے ۔ وہ مربی علم و فن بھی تھے ۔ اور اپنی آمدنی کا وافر حصہ علم و حکمت بالخصوص ریاضی و ھندسہ کی ترقی پر صرف کیا کرتے تھے ۔ ان کے ایماء سے ھلال بن ابی ھلال الحمصی نے « مخروطات أبلونیوس » کے پہلے چار مقالوں کا اور ثابت بن قرہ نے (Appollonius' Conics) آخری تین مقالوں کا یونانی سے عربی میں ترجمہ کیا ۔ بعد میں محمد بن موسیٰ نے اس کتاب پر ایک بصیرت افروز مقدمہ لکھا ۔ آج یونانی ھندسہ کے اس اہم شاھکار کا نصف آخر اصل یونانی میں ناپید ھے اگر موجود ھے تو صرف عربی میں ۔ لہٰذا جب سنہ ۱۷۱۰ع میں ھیلے (Halle) نے آکسفورڈ سے « مخروطات أبلونیوس » کو شایع کرنا چاھا اوراصلی یونانی میں

٥٨ استخراج الأوتار ص ۱۰۷

٥٩ ایضاً ص ۱۰۷

اس کا نصف آخر دستیاب نہ ہوا تو پھر اس نے بنو موسیٰ کے ترتیب دادہ مخروطات ہی کا ترجمہ کر کے اس کا معیاری ایڈیشن شایع کیا۔ منجھلا بھائی احمد «علم‌الحیل» (Mechanics) میں کمال رکھتا تھا اور اس کی کتاب «حیل بنی موسیٰ» اپنے موضوع پر قدماء حتی کہ ایرن (Heron) کی کتابوں پر بڑی سبقت لے گئی[٦٠] . تیسرا بھائی حسن ہندسۂ اعلیٰ کے مسائل کے حل میں مستغرق رہتا تھا۔ اُس نے عہد قدیم کے «مسائل ثلاثہ» یعنی تربیع دائرہ (Quadrature of the circle)[٦١] ، (Duplication of the cube) اور تثلیث زاویہ (Trisection of an angle) کے حلوں کی دریافت میں اپنی صلاحیتوں کو وقف کر دیا تھا.

بنو موسیٰ نے سامرا میں ایک رصدگاہ بھی قائم کی تھی جو رصدگاہ مامونی کے بعد اسلامی تاریخ میں دوسری رصدگاہ ہے. وہاں اس نے فلکی مشاہدات کیے اور خاص طور سے سال شمسی کی مقدار کو دریافت کیا. اس رصدگاہ کے مشاہدات کی بنا پر انہوں نے کتاب «سنةالشمس» لکھی جو البیرونی کے زمانہ تک اسلامی ہیئت کی ادبیات عالیہ میں محسوب ہوتی تھی. انھوں نے آفتاب کے میل کلی کو بھی دریافت کیا جس کا متاخرین اکثر حوالہ دیتے ہیں. عام ہیئت دانوں کے برخلاف جو نو آسمانوں کے قایل ہیں بنو موسیٰ آٹھ آسمان ہی مانتے تھے اس خیال کی تائید کے لیے اُنھوں نے ایک مستقل کتاب[٦٢] بعنوان «کتاب بین فیه بطریق تعلیمی و مذهب هندسی أنه لیس فی خارج کرة الکواکب الثابتة کرة تاسعة» یا بقول ابن القفطی «کتاب فی إنکار أن ثم کرة تاسعة الأفلاک» لکھی تھی[٦٣].

بنو موسیٰ نے «معرفة مساحة الأشکال البسیطة والکریة» کے عنوان سے ایک کتاب لکھی تھی. اس میں دو مسئلے خاص طور سے قابل ذکر ہیں: تثلیث زاویہ اور مثلث کے رقبے کا مشہور ضابطہ جس کا اوپر ارشمیدس

---

٦٠ اخبار الحکماء ص ٢٨٧
٦١ ایضاً ص ٢٨٧
٦٢ الفهرست ص ٢٧١ طبع فلوگل (١٨٧٢)
٦٣ اخبار الحکماء ص ٣١٤ (لائپزیش، ١٩٠٣).

کے نام سے ذکر آچکا ہے مگر بنو موسیٰ نے آزادانہ طور پر انہیں دریافت کیا تھا جیسا کہ وہ خاتمۂ کتاب میں لکھتے ہیں :

«اور جو کچھ ہم نے اس کتاب میں بیان کیا ہے وہ سوائے دو مسئلوں کے ہماری دریافت ہیں اور وہ دو مسئلے یہ ہیں : دائرے کے قطر سے اس کے محیط کی دریافت اور دو مقداروں کے درمیان دو اور مقداروں کا دریافت کرنا بایں طور کہ چاروں مقادیر نسبت متوالیہ میں ہوں » ۔

۷ ۔ متوکل کے بعد ترکوں کی چیرہ دستی :

متوکل ۲۴۷ ھ میں اپنے بیٹے کے ایماء سے ترکوں کے ہاتھوں قتل ہوا اور منتصر اس کا جانشیں ہوا مگر پدرکش بیٹا چھ مہینے سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا ؛ اب خلفاء کا عزل و نصب ترکوں کے ہاتھ میں آگیا پہلے مستعین کو خلیفہ بنایا بعد میں اسے معزول کرکے معتز باللہ کو خلیفہ بنایا ۔ مرکز خلافت کے ضعف و انحلال کے نتیجے میں سجستان کے اندر یعقوب بن لیث صفاری نے علم بغاوت بلند کیا ۔ اسی زمانے میں مصر کے اندر طولونی خاندان کی نیم خود مختار حکومت قایم ہوئی ۔ تین سال بعد معتز بڑی ترک گردی کا شکار ہوا اور مہتدی باللہ خلیفہ بنایا گیا ۔ لیکن گیارہ مہینے بعد وہ بھی ترکوں کے ہاتھوں قتل ہوا ۔ اُس کے زمانے میں بصرہ کے اندر زنجیوں کی بغاوت شروع ہوئی جو کہیں ۲۷۸ ھ میں فرو ہوسکی ۔

۲۵۶ ھ میں متوکل کا تیسرا بیٹا معتمد علی اللہ تخت خلافت پر بیٹھا ۔ اُس نے ترکوں کا زور توڑنے کے لیے اپنے بھائی طلحہ (الموفق) کو حکومت کا مختار کل بنادیا ۔ الموفق نے حالات کو بڑی حد تک سنبھال لیا ۔ اُس نے ۲۷۸ ھ میں زنجیوں کا استیصال کردیا مگر اسی زمانہ میں قرامطہ کا ظہور ہوا جن کے فتنے نے آگے چل کر پورے عالم اسلام کو لرزہ بر اندام کردیا ۔ معتمد ہی کے آخر عہد میں ماوراء النہر و خراسان کے اندر سامانی حکومت کی بنیاد پڑی ۔

---

۶۴ کتاب معرفة مساحة الأشکال البسیطة و الکریة لبنی موسیٰ (۴ : ۲۵) ۔

۶۵ ابن الأثیر : الکامل (۶ : ۱۵۰) ۔

سیاسی اختلال و انتشار سے اجتماعی فکر بھی متاثر ہوئی اور عوام کا رجحان فلسفہ کی جانب بڑھنے لگا۔ اسکندریہ کا مدرسۂ فلسفہ جو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت میں انطاکیہ آگیا تھا متوکل کے زمانہ میں وہاں سے حران چلا آیا جہاں سے وہ بغداد کی فکری بےراہ روی کو متأثر کررہا تھا۔ اس بڑھتی ہوئی آزاد خیالی کے سد باب کے لیے ۲۷۹ ھ میں ایک سرکاری اعلان کے ذریعہ فلسفہ و جدلیات کی اشاعت پر پابندی لگانا پڑی۔

سیاسی انتشار سے ذہنی پراگندگی بھی بڑھ گئی اور حکمراں طبقہ کو علم و حکمت کی سرپرستی سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ لہٰذا اس دور کے مشاہیر ہیئت داں درباری ہمت افزائی کے بجائے اپنے ذاتی شوق سے کام کرتے تھے۔ اس زمانہ کے مشہور ہیئت دانوں میں ابوحنیفہ الدینوری اور البتّانی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

ابو حنیفہ الدینوری:

ابو حنیفہ احمد بن داؤد شہر دینور کا باشندہ تھا۔ وہ بیک وقت ادب، حساب، الجبرا، ہندسہ و ہیئت، علوم طبعیہ اور ہندستانیات میں مہارت تامہ رکھتا تھا۔ ابو حنیفہ عرب نظام ہیئت کا غالباً سب سے مشہور نمائندہ ہے جس کا ذکر منصور عباسی کے زمانہ میں آچکا ہے۔

علم الأنواء پر بہت سے فضلاء نے لکھا تھا جیسے مورج السدوسی، نضر بن شمیل، ابن کناسہ، الأصمعی، ابن الأعرابی، محمد بن حبیب البغدادی، ابو محلم بن هشام الشیبانی، المبرد، ابو معشر البلخی، المرثدی، ابن خردازبہ، الزجاج، الأخفش الصغیر، ابن عمار الثقفی، ابن درید، ابن وکیع القاضی، قاسم بن معن، حسن بن سہل بن نو بخت، الدهنی، المزیدی، ثابت بن قرّہ وغیرہم مگر حسب تصریح عبدالرحمن الصوفی اس موضوع پر سب سے اچھی تصنیف ابو حنیفہ ہی کی ہے۔

٦٦ عبدالرحمن الصوفی: صور الکواکب ص ۷ (حیدرآباد، ۱۹۵٤).

ابو حنیفه نے فلکیاتی مشاہدات بھی کیے تھے۔ الدینوری جس مکان میں یہ مشاہدات کیا کرتا تھا، عبدالرحمن الصوفی، بویھی وزیر ابوالفضل ابن العمید کی همراهی میں ۳۳۵ھ میں اُسی مکان میں ٹھرا تھا[٦٧]۔ ابو حنیفه نے الاصفہانی کی رصد کا رد بھی لکھا تھا[٦٨]۔

ابو حنیفه الدینوری کی «کتاب الأنواء» کو اُس کے هم وطن ابن قتیبه نے اُس کی زندگی هی میں اپنا لیا تھا اور اُسے «علم مناظر النجوم» کے نام سے موسوم کیا تھا[٦٩]۔ البیرونی نے اس کتاب کو دیکھا تھا مگر وہ اس کے متعلق کچھ اچھی راے نہیں رکھتا[٧٠]۔

البتانی :

ابو جعفر محمد بن جابر بن سنان البتانی نه صرف تاریخ اسلام بلکه دنیا کے منتخب روزگار هیئت دانوں میں محسوب هوتا هے۔ قاضی صاعد نے لکھا هے :

«مسلمان هیئت دانوں میں ابو جعفر محمد (جعفر بن سنان) الحرانی بھی هے جو البتانی کے نام سے مشہور هے وہ رصد کواکب کے ماهرین میں سے ایک هے اور علم فلسفه و هیئت، حساب النجوم اور صناعة احکام کے پیشواؤں میں سے هے۔ اُس نے ایک زیج «الزیج الصابی» بھی مرتب کی تھی جو سورج اور چاند کے فلکی مشاهدات (ارصاد) پر نیز اُن کی سیر و گردش کے حسابات کی اصلاح پر مشتمل هے...... میں تاریخ اسلام میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو ارصاد کواکب کی تصحیح اور اُن کی حرکات کے امتحان میں اس کے مرتبه تک پہنچا هوا۔[٧١]

اسی طرح کارا دی وو اُس کے بارے میں کہتا هے :

«اگلی نسل میں مشرق کے فاضل ترین علماء میں سے ایک عالم دکھائی دیتا هے جس سے غالباً قرونِ وسطیٰ اور نشاة ثانیه کے

---

٦٧ ایضاً ص ٨
٦٨ الفہرست ص ١١٦
٦٩ المسعودی : مروج الذهب (٣ : ٢٤٢) .
٧٠ البیرونی : الآثار الباقیه ص ٢٣٨
٧١ طبقات الامم ص ٨٧ ، ٨٨

لاطینی علماء سب سے زیادہ عقیدت رکھتے تھے یعنی البتانی
(Albategnius)، اُس نے اپنے ہیئتی مشاہدات سنہ ٢٦٤ھ سے
سنہ ٣٠٦ھ تک کیے . . . اُس نے الخوارزمی کے کاموں پر
اکثر حیثیتوں سے ترقی کی . . . رویت ہلال، میل کلی، سال کی
مدت، اختلاف قمری، کسوف و خسوف اور اختلاف مناظر
وغیرہ کے حسابات و مشاہدات البتانی کے یہاں الخوارزمی سے
زیادہ پیچیدہ اور زیادہ صحیح ہیں*»۔

البتانی کی سب سے عظیم‌الشان دریافت اوج شمس (Apogee) کی حرکت ہے۔ اگرچہ فرانسیسی ہیئت‌داں ڈی‌لامبر کو اس میں شک ہے مگر البتانی کی یہ دریافت شک و شبہ سے بالا تر ہے۔

البتانی نے یونانی مدرسہ ہیئت کے اپنے ہم وطن ماہرین کے برخلاف اوتار (Chords) کے بجائے جیوب (Sines) کے استعمال کے لیے راستہ ہموار کیا۔ وہ عماس اور عماس‌التمام کے تصورات کے علاوہ دو تین اساسی تعلقات سے بھی واقف تھا۔ کارا دی وو لکھتا ہے*:

«اُس کی شہرت کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ ہر چند
اُس نے انہیں دریافت نہ کیا ہو مگر کم از کم اس نے مثلثاتی
نسبتوں کو جس طرح آج ہم اُنہیں استعمال کرتے ہیں مقبول
بنا دیا۔ بطلیموس «اوتار» کو استعمال کیا کرتا تھا تھا جس
کے حساب کے لیے اُس کے یہاں صرف ایک شکل تھی اور
وہ بھی بہت بھدی۔ البتانی نے «اوتار» کے بجائے «جیوب»
کو داخل کیا اُس نے عماس اور عماس‌التمام کو بھی استعمال کیا۔
وہ علم المثلثات کے دو تین اساسی تعلقات سے بھی واقف تھا۔»

البتانی نے مندرجہ ذیل ضوابط کی توضیح و تشریح کی ہے:

$$\text{جیب ز} = \frac{\text{عماس ز}}{\sqrt{1+\text{عماس}^2\,\text{ز}}} \quad \text{اور جیب التمام ز} = \frac{1}{\sqrt{1+\text{عماس}^2\,\text{ز}}}$$

یہ دریافت ہمیں اُس نقطہ سے جہاں تک یونانی پہنچے تھے

* Legacy of Islam, p. 389

بہت دور پہنچا دیتی ہے اور یقیناً جدید سائنس کے عہد کا افتتاح کرتی ہے» .

البتّانی کی « الزیج الصابی » میں ٥٧ باب ہیں . تیسرا باب تقریباً انہیں مسائل پر مشتمل ہے جو « قانون مسعودی » کے تیسرے مقالے میں بیان ہوئے ہیں. « قانون مسعودی » کا تیسرا مقالہ « أمهات اوتار » (Principal Chords) اور علم المثلثات کے دوسرے ضوابط پر مشتمل ہے اسی طرح « الزیج الصابی » کا تیسرا باب «فی معرفة أقدار أوتار أجزاء الدائرة و اثبات انصاف أوتار أضعاف القسی فی الجداول و جمیع مایتبع ذلک من العمل» بھی انہیں مسائل پر مشتمل ہے . مثلاً دائرہ کے پانچویں حصے (٧٢°) کے وتر کے متعلق البیرونی لکھتا ہے[٧٢] :

«وإذا أردنا وتر الخمس ضربنا القطرفی مثله ثم فی الخمسة و قسمنا المجتمع علی ستة و عشر و أخذنا جذر الخارج من القسمة و القینا منه ربع نصف القطر فیبقی المحفوظ . ثم نضرب کل واحد من هذا المحفوظ و نصف القطر فی مثله و نأخذ جذر مجموع المبلغین فیکون وتر الخمس»

البتّانی نے پہلے ٣٦° کے وتر کو بتایا ہے[٧٣] :

« إن وتر العشر من کل دائرة یکون مایحصل من ضرب نصف قطرها فی نفسه إذا أضیف إلیٰ مایجتمع من ذلک ربع قطرها مضروباً فی نفسه ثم أخذ جذر الجمیع فتنقص منه ربع قطر الدائرة وما یبقی هو و ترالعشر من تلک الدائرة» .

اس کے بعد ٧٢° کے وتر کے متعلق لکھتا ہے[٧٤] :

« إن وتر خمس الدائرة هو ما یکون من ضرب وتر عشرها فی نفسه إذا اضیف إلی ذالک نصف قطرها مضروباً فی نفسه و أخذ مایجتمع من ذلک فیکون هو وتر الخمس من تلک الدائرة» .

---

٧٢ القانون المسعودی (١ : ٢٧٢) .
٧٣ الزیج الصابی ص ١٣ - ١٤
٧٤ ایضاً ص ١٤

تیسرے مقالے کے دوسرے باب میں البیرونی نے علم‌المثلثات کے بعض ضروری ضابطے دیے ھیں ؛ البتّانی نے بھی اُنہیں بیان کیا ھے. غالباً اس زمانہ میں اور بھی ھیئت دان تھے جیسے محمد بن اسحاق السرخسی وغیرہ .

۸ــ معتضد باللہ اور عباسی خلافت کا سنبھالا :

معتمد نے سنہ ۲۷۹ ھ میں وفات پائی اور اُس کا بھتیجا معتضدباللہ اُس کا جانشین ھوا جس نے سنہ ۲۸۹ ھ تک حکومت کی. معتضد نے اپنے حسن تدبیر سے خلافت کے وقار کو بڑی حد تک بحال کرلیا۔ مگر اُس کا عہد حکومت عباسی خلافت کا سنبھالا تھا .

معتضد فلسفے کا قدرداں تھا . وہ کندی کے شاگرد احمد بن ابی‌الطیب السرخسی کا شاگرد تھا خلیفہ ھوکر اُسے اپنا ندیم خاص اور حکومت کا محتسب بنایا. سرخسی نے اس تقرب سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر اُسے الحاد و بیدینی کی ترغیب دی مگر معتضد اس حد تک جانے کے لیے تیار نہ تھا اور اُس نے آخر کار سرخسی کو قتل کرادیا ؛ ویسے وہ حکماء و فلاسفہ کی بڑی عزت کرتا تھا. خلوت میں وہ ثابت بن قرّہ کا نام نہیں لیا کرتا بلکہ کنیت سے پکارتا تھا . ایک دن بےخبری میں اُس کا ھاتھ ثابت بن قرّہ کے ھاتھ پڑگیا تو اُس نے فوراً ھٹالیا اور کہا « إن‌العلماء یعلون »[٧٥] اس کا نتیجہ یہ ھوا کہ فلسفے پر جو رسمی پابندیاں تھیں وہ ختم ھوگئیں .

معتضد کے عہد ھیئت‌دانوں میں النیریزی اور ثابت بن قرّہ زیادہ مشہور ھیں .

ابوالعباس النیریزی :

ابوالعباس النیریزی ھندسہ وھیئت کا مشہور عالم تھا . اقلیدس کی شرح لکھی جسکا بارھویں صدی مسیحی میں جیرارڈ آف کریمونا نے لاطینی میں ترجمہ کیا . النیریزی نے المجسطی کی شرح کے علاوہ « السند ھند » کے طریقے پر بھی ایک بڑی تنجیمی جدول (زیج) تیار کی تھی . سمت قبلہ اور معرفۃ ابعاد پر بھی کتابیں لکھیں . اس نے معتضد باللہ کے نام پر اپنی

٧٥ طبقات الأمم (١ : ٢١٦).

کتاب « أحداث الجو » معنون کی نیز اپنی زیج کا نام بھی اس کے نام پر « الزیج المعتضدی » رکھا جس کا البیرونی بار بار حوالہ دیتا ھے۔ النیریزی اسلامی ھیئت کے مشہور ھیئت دانوں میں سے ھے۔ البیرونی نے « قانون مسعودی » میں اور ابن یونس نے « زیج حاکمی » میں اس کے تبحر اور علمی تحقیقات کا اعتراف کیا ھے۔

النیریزی نے علم المثلثات الکرویه میں بھی تحقیقات کی ھیں، چنانچہ محقق طوسی نے « الشکل القطاع » میں « شکل مغنی » کا ایک ثبوت ابوالفضل النیریزی کی جانب منسوب کیا ھے اور لکھا ھے کہ پیشتر اس کے کہ البیرونی کے قریبی پیش رو ابوالوفاء، ابونصر بن عراق اور الخجندی وغیرھم اسے (شکل مغنی کو) « شکل قطاع » کے بجائے استعمال کریں، ابوالفضل النیریزی نے اسے شرح المجسطی میں استعمال کیا تھا[٧٦]۔

ثابت بن قرّة الحرانی :

ثابت بن قرّہ کا نام اصول اقلیدس کی اصلاح و ترجمہ کے ساتھ وابستہ ھے۔ اس کے علاوہ اس نے « المجسطی » کا بھی ترجمہ کیا تھا نیز اسحاق بن حنین کے ترجمۂ المجسطی کی اصلاح کی تھی۔ اُس نے پہلے دوسرے مقالے کی شرح لکھی اور پوری کتاب کا اختصار بھی کیا۔ علاوہ ازیں فلکیاتی مشاھدات (ارصاد) پر کئی کتابیں لکھیں۔ تذکرہ نویسوں نے کتاب « سنة الشمس » کو بھی جو عام طور پر بنو موسیٰ کی تصنیف سمجھی جاتی ھے ثابت کی طرف منسوب کیا ھے۔ البیرونی کا بھی ایسا ھی خیال ھے[٧٧]۔ ثاؤن اسکندرانی (Theon of Alexandra) سے جو کوتاھیاں ھوئی تھیں ان کی اصلاح کی۔ (Trapidation) یعنی اھتزار نقاط اعتدالین کا مفروضہ بھی ثابت ھی کی جانب منسوب ھے۔

لیکن علم المثلثات کے سلسلے میں ثابت بن قرّہ کا شاھکار « کتاب فی الشکل الملقب بالقطاع » ھے جو البیرونی کے زمانے تک علم المثلثات الکرویه

---

٧٦ شکل القطاع ص ١١٥

٧٧ القانون المسعودی (٢ : ٦٥٤).

کی مستند کتاب سمجھی جاتی تھی ۔ احمد بن عبدالجلیل السجزی سے کسی (غالباً البیرونی) نے اس موضوع پر ایک کتاب تصنیف کرکے بھیجنے کی فرمایش کی تھی ۔ سجزی سے تاخیر ہوگئی جسکی معذرت میں اس نے لکھا کہ چونکہ ثابت بن قرّہ کی کتاب جو اس موضوع پر حرف آخر ہے دستیاب نہیں ہو سکی تھی اس لیے تاخیر ہوئی[۷۸] ۔ اس سے اس کتاب کی اہمیت اور عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔

اس موضوع سے متعلق ثابت بن قرّہ نے ایک اور کتاب بعنوان « کتاب فی النسبة المؤلفه » لکھی تھی[۷۹] ۔ استخراج اوتار کے سلسلے میں بھی ثابت نے بنیادی شکل کے متعلق تحقیقات کی تھیں جن کا البیرونی نے حوالہ دیا ہے ۔

۹۔ معتضد کے جانشین اور انحلال خلافت

معتضد نے سنہ ۲۸۹ھ میں وفات پائی اس کے بعد جو زوال شروع ہوا تو آخر تک ختم نہ ہو سکا ۔ معتضد کی وفات پر مکتفی خلیفہ ہوا جس نے سنہ ۲۹۵ھ میں انتقال کیا ۔ اس کے بعد مقتدر باللہ تخت خلافت پر بیٹھا جس نے سنہ ۳۲۰ھ تک حکومت کی لیکن ضعف و انحلال، مملکت کی رگ و پے میں سرایت کر چکا تھا، انتشار بڑھتا گیا ۔ اندلس کے حکمرانوں نے باقاعدہ امیر المؤمنین کا لقب اختیار کر لیا ۔ مغربی افریقہ میں فاطمی خلافت قائم ہوگئی ۔ خراسان میں سامانی حکومت کی بنیادیں مستحکم ہوگئیں ۔ مقتدر سنہ ۳۲۰ھ میں قتل ہوا اور قاہر باللہ اس کا جانشین ہوا مگر دو سال بعد اس کی آنکھوں میں بھی سلائی پھیر دی گئی اور مستکفی خلیفہ ہوا ۔ ابھی اس کی خلافت کو چھ مہینے بھی نہیں ہوئے تھے کہ آل بویہ بغداد میں آ دھمکے اور سنہ ۳۳۴ھ میں مستکفی ان کے ایماء سے معزول کیا گیا اور المطیع للہ آل بویہ کے پنشن خوار کی حیثیت سے خلیفہ ہوا ۔ اب صورت حال یہ تھی کہ عراق و فارس میں آل بویہ کی حکومت تھی اور خراسان و ماوراء النہر میں آل سامان کی ۔

۷۸ السجزی : رسالة فی الشکل القطاع ص ۳
۷۹ طبقات الأطباء ۱ ، ۲۲۰ ۔
۸۰ البغدادی : الفرق بین الفرق ص ۲۷۱ ـ ۲۷۲

اس انتشار سے زیادہ مصیبت کا باعث قومی تحریک تھی جن کی تخریبی سرگرمیوں سے پورا عالم اسلام لرزہ براندام تھا . قرامطہ کا ایک پروپگنڈا یہ تھا کہ اب مسلمانوں کی حکومت ختم ہونے والی ہے اور ایرانیوں کی حکومت پھر سے قائم ہونے والی ہے کیونکہ ستارے اسی کی پیشین گوئی کرتے ہیں[٨٠] . اس کی وجہ سے قدرتی طور پر نجوم و ہیئت کی طرف لوگوں کی توجہ زیادہ ہوگئی . یہ وجہ ہے کہ چوتھی ، پانچویں صدی میں ایران کے اندر نجوم و ہیئت کو غیر معمولی ترقی نصیب ہوئی ویسے اس عہد کے مشہور ریاضی دانوں میں سنان بن ثابت بن قرہ ، قسطا بن لوقا البعلبکی ، ابو عثمان الدمشقی ، محمد بن عیسیٰ الماہان وغیرہم ہیں .

ابراہیم بن سنان بن ثابت بن قرہ :

ابراہیم بن سنان نے اصول رصد پر ایک رسالہ لکھا تھا بد قسمتی سے یہ رسالہ ناپید ہے ، مگر اس کا آخری ورق بانکی‌پور کے ایک مخطوطہ (نمبر ٢٤٦٨) میں باقی رہ گیا ہے . اس نے ہندسہ اور اصطرلاب پر بھی رسائل لکھے تھے جن میں سے ٦ اس مخطوطے میں موجود ہیں اور جنھیں دائرۃالمعارف (حیدرآباد) نے شایع کر دیا ہے .

(٣) البیرونی کے معاصر متقدمین

البیرونی سنہ ٣٦٢ھ میں پیدا ہوا . اس نے جس ماحول میں آنکھ کھولی اس میں ہر طرف ریاضی و ہیئت کا چرچا تھا ، اس وقت مشرق میں دو خاندان خاص طور سے قابل ذکر ہیں . خراسان و ماوراء النہر میں آل سامان اور عراق و فارس میں آل بویہ . ان کے علاوہ خوارزم میں بالخصوص اس کے مشرقی حصہ شہر کاث میں آل عراق کی حکومت تھی جو خاص طور سے ریاضی وہیئت کی سرپرستی کے لیے مشہور ہیں .

١ــ آل سامان

سامانی خاندان کا مورث اعلیٰ اسد بن سامان تھا جس کا سلسلۂ نسب بہرام چوبین تک پہنچتا ہے . خلیفۂ مامون نے جو شرفاء و نجباء کی پرورش خاص طور سے ملحوظ رکھتا تھا اسد کے چاروں بیٹوں کو

خراسان و ماوراء النهر کے چار بڑے شہروں کی حکومت عطا کی۔ بعد میں صفاری خاندان کے زوال پر معتضد باللہ نے سنہ ۲۸۹ھ میں اسمعیل بن احمد سامانی کو خراسان کا منشور ایالت عطا کیا اور اس طرح سامانی خاندان کی نیم خود مختار حکومت قائم ہوئی۔ اسمعیل کے بعد اس کا بیٹا احمد بن اسمعیل اور اس کے قتل کے بعد اس کا پوتا نصر بن احمد (۳۱۱ ـ ۳۳۱) تخت پر بیٹھے۔ نصر بن احمد رودکی کا ممدوح ہے جس کی تعریف میں اس کا قصیدہ

بوے جوے مولیان آید همی یاد یار مهربان آید همی

فارسی ادب کی تاریخ میں مشہور ہے، نصر بن احمد کے بعد نوح بن نصر اس کا جانشین ہوا مگر اراے دربار کی منافست سے اس کا زیادہ وقت اندرونی سازشوں کے سد باب میں گذرا۔ اسی زمانہ میں آل بویہ بغداد پر قابض ہونے کے بعد طبرستان وجبال پر اپنا اقتدار بڑھا رہے تھے لہذا سامانی حکومت سے تصادم ناگزیر ہوگیا۔ اس لیے بار بار جنگ ہوتی تھی اور بار بار صلح۔ ان صلحوں میں سے سنہ ۳۴۲ھ کی صلح علمی نقطۂ نظر سے قابل ذکر ہے کیونکہ اس میں گفت وشنید کے لیے خراسانیوں (آل سامان) کی جانب سے جو شخص مامور تھا وہ مشہور ماہر ریاضیات وہیئت داں ابو جعفر الخازن تھا چنانچہ ابن مسکویہ «تجارب الأمم» میں لکھتا ہے[۸۱]:

«اس سال رکن الدولہ اور ابن محتاج کے درمیان بڑی جنگوں کے بعد رے کے دروازہ پر صلح منعقد ہوئی ... جو شخص خراسانیوں کی جانب سے اس میں سفارت کے فرائض انجام دے رہا تھا وہ ابو جعفر الخازن تھا جو مشہور کتاب «زیج الصفائح» کا مصنف ہے۔ اُسے علوم ریاضیات میں درجۂ تقدم حاصل تھا»۔

نوح بن نصر نے سنہ ۳۴۳ھ میں وفات پائی اور اس کا بیٹا عبدالملک اور اس کے بعد دوسرا بیٹا منصور (۳۵۰ ـ ۳۶۵) اس کے جانشین ہوا۔

---

۸۱ تجارب الأمم (۲ : ۱۵۴).

منصور کے عہد حکومت میں البیرونی پیدا ہوا . منصور کے بعد اس کا بیٹا نوح بن منصور تخت پر بیٹھا . اس نے سنہ ۳۲۸ھ میں وفات پائی . اس کا زمانہ داخلی شورشوں اور امراء کی سازشوں کو فرو کرنے میں جنہیں باطنی دُعاۃ کی سرگرمیوں سے مدد مل رہی تھی گزرا . نوح کے بعد اس کا بیٹا منصور تخت پر بیٹھا مگر دو سال بعد معزول کر دیا گیا اور دوسرا بیٹا عبدالملک اس کی جگہ بٹھایا گیا مگر اب حکومت کا ضعف انتہا کو پہنچ گیا تھا اور جلد ہی اواخر سنہ ۳۸۹ھ میں مشرق کی اِس عظیم‌الشان حکومت کے ایلک خاں والی کاشغر اور محمود سبکتگیں نے حصے بخرے کر لیے .

علم و حکمت کی سر پرستی :

سامانی خاندان بڑا علم دوست و ھنر پرور تھا . ان کی علمی سرپرستی سے فضلاے دھر بخارا و سمرقند میں جمع ھوگیے تھے . ثعالبی « یتیمۃالدھر » میں لکھتا ھے[۸۲] :

> « سامانی خاندان کے عہد حکومت میں بخارا بزرگی کا گہوارہ ، ملک کا مرکز ، منتخب روزگار لوگوں کی مجلس ، روے زمین کے ادباء و اھل علم کا مطلع النجوم اور فضلاے دھر کا بازار بن گیا تھا » .

اس طرح مقدسی جس نے سامانی حکمرانوں کی علمی سرپرستی کو اپنی آنکھ سے دیکھا تھا لکھتا ھے[۸۳] :

> « سامانی حکمرانوں کا دستور ھے کہ وہ علماء کو زمین بوسی کی تکلیف نہیں دیتے . وہ لوگ ماہ رمضان کی پنج شنبہ کی راتوں کو بعد عشاء علمی مجالس اپنے سامنے منعقد کرتے ھیں . پہلے بادشاہ کوئی مسئلہ دریافت کرتا ھے پھر علماء اس میں قیل و قال کرتے ھیں » .

---

۸۲ الثعالبی : یتیمۃ الدھر (٤ : ٣٤) .
۸۳ المقدسی : أحسن التقاسیم ص ۳۳۹ .

اس زمانے میں فقہ اور دینیات کو بڑی ترقی ہوئی تھی مگر ریاضی وھیئت میں بھی خراسان نے بڑے عظیم المرتبت عبقری پیدا کیے تھے جیسے ابو جعفر الخازن ، سلیمان بن عصمہ ، محمد بن عبدالعزیز الہاشمی، ابوالحسن المصری ، ابوالجود وغیرہ .

سلیمان بن عصمہ :

خراسان کے مشاہیر مہدسین اور ہیئت دانوں میں سب سے پہلا قابل ذکر نام سلیمان بن عصمہ کا ہے جسے سوتر نے غلطی سے سلیمان بن عقبہ پڑھا ہے . وہ بلخ کی رصدگاہ کا متولی تھا جہاں اس نے سنہ ١٦٣٦ع میں فلکی مشاہدات کیے تھے . ان مشاہدات کو اس نے « زیج النیر ین » کے نام سے مدون کیا تھا . سلیمان بن عصمہ نے اصول اُقلیدس کے دسویں مقالے کے نصف آخر کی شرح بھی لکھی تھی جس کا ایک جزو متوسطات و منفصلات سے متعلق کتب‌خانۂ لائڈن میں موجود ہے .

علم المثلثات کے ضمن میں البیرونی اُس کی کتاب « رسالة فی مساحة ذوات النواحی» کا اکثر حوالہ دیتا ہے جس میں اُس نے قدیم علم المثلثات المستویہ کے بنیادی مسئلے کی توضیح کی تھی . « زیج النیرین » میں بھی بعض مثلثاتی مسائل ہیں . البیرونی کا خیال ہے کہ سلیمان بن عصمہ یا ابو جعفر الخازن میں سے کسی نے ایک اور رسالہ بھی اس قسم کے مسائل پر لکھا تھا جو حل تعدیلات میں کام آتا ہے .

ابو جعفر الخازن :

ابو جعفر الخازن اُن مشاہیر فضلاے اسلام میں سے ہے جن کی عظیم‌الشان علمی خدمات کے باوجود تاریخ نے اُن کے حالات زندگی کو محفوظ رکھنے میں شان بےنیازی سے کام لیا ہے . ابوجعفر اپنے نام کے بجاے اپنی کنیت سے مشہور تھا . ابن القفطی اُس کے بارے میں لکھتا ہے[٨٤] :

« ابوجعفر کی کنیت اُس کے نام سے زیادہ مشہور ہے . عجمی

٨٤ اخبار الحکماء ص ٢٥٩ .

> النسبة تھا. حساب، ھندسہ اور اجرام فلکی کی گردش کے حساب سے اچھی طرح واقف تھا. رصد بندی کا عالم اور تجربہ کار ماہر تھا. اپنے زمانے میں اس فن کے اندر مشہور تھا. اُس کی تصانیف میں کتاب «زیج الصفائح» اپنی قسم کی بڑی جلیل القدر تصنیف تھی».

ابن مسکویہ جو غالباً اُس کا متأخر معاصر ھے اُس کے علم و فضل کا معترف ھے.

ابوجعفر اپنے عہد کے اکابر میں سے تھا. ابن مسکویہ لکھتا ھے کہ جب سنہ ۳۴۲ ھ میں ابوعلی بن محتاج اور رکن الدولہ دیلمی کے ما بین شہر رے کے دروازے پر جو صلح ھوئی تھی اُس میں ابوجعفر الخازن ھی نے خراسانی حکومت کی جانب سے سفارت کے فرائض انجام دیے تھے. ابوزید بلخی نے اُس کے لیے ارسطو کی «کتاب السماء و العالم» کے مقدمے کی شرح لکھی تھی.[۸۵]

حسب تصریح ابن الندیم اُس نے علم الحساب میں ایک کتاب بعنوان «کتاب المسائل العددیہ» لکھی تھی. الجبر و المقابلہ میں غالباً وہ پہلا شخص ھے جس نے تیسرے درجہ کی مساوات کو حل کرنے کی کوشش کی[۸۶]. ارشمیدس نے «کتاب الکرۃ و الأسطوانۃ» کے دوسرے مقالے کی چوتھی شکل کو ایک مقدمے کی مدد سے ثابت کیا ھے مگر اُس نے اس مقدمے کا ثبوت نہیں دیا. مسلمان ریاضی دانوں میں الماھانی نے اس مقدمے کو الجبرے کے ذریعہ ثابت کرنا چاھا اور اس طرح جو تیسرے درجے کی مساوات حاصل ھوئی اُسے حل کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رھا مگر ابو جعفر الخازن نے «قطوع مخروطیہ» (Conic Section) کی مدد سے اسے حل کیا.

ابن الندیم لکھتا ھے کہ اُس نے اُصول اُقلیدس کی شرح بھی لکھی تھی[۸۷] مگر غالباً اُس نے صرف دسویں مقالے کے نصف اول کی شرح لکھی

۸۵ الفہرست ص ۱۹۸ ـــ ۱۹۹، ۲۰۱

۸۶ عمر الخیام: مقالۃ فی الجبر و المقابلۃ ص ۲

تھی کیونکہ نصف آخر کی شرح اُس سے قبل سلیمان بن عصمه کر چکا تھا.

اُس کی کتاب «زیج الصفائح» کے متعلق ابن القفطی کا قول اوپر مذکور ھوا. یہ کتاب اپنے زمانے میں «علم الهیئت» کی «کتاب مقدس» کا درجه رکھتی تھی. لوگ اس پر نکته چینی کا تصور بھی میں کرسکتے تھے چنانچه البیرونی کے اُستاد ابونصر بن عراق کو «تصحیح زیج الصفائح» کے مقدمے میں لکھنا پڑا: «و إن کان بعض الناس یعظم ان یستدرک علی مثل ابی جعفر فی تألیماته»[88] ابو جعفر الخازن نے «مجسطی» کی شرح کے علاوه «ابعاد و اجرام» پر بڑی ایک رساله لکھا تھا.[89]

علم المثلثات المستویه کے سلسلے میں ابو جعفر الخازن نے بنیادی مسئلے کی توضیح کی تھی[90]. اُس نے (یا سلیمان بن عصمه نے) حسب تصریح البیرونی اس مسئلے کی تفریعات پر ایک رساله بھی لکھا تھا جو حل تعدیلات میں مفید ھے[91]. اس کے علاوہ ابوجعفر الخازن نے معاومة الأصلاع مثلث کا رقبه دریافت کرنے کے مشہور ضابطه کا ثبوت بھی دیا تھا جسے دائرة المعارف، حیدرآباد نے بنو موسیٰ کی «مساحة اشکال الکریة والبسیطة» کے ضمیمے میں شائع کردیاھے.

علم المثلثات الکرویه کے سلسلے میں ابو جعفر الخازن نے «الشکل المغنی» کو پیشتر اس کے که ابو نصر بن عراق اور الخجندی استعمال کریں اپنی کتاب (غالباً شرح المجسطی) میں بیان کیا تھا اور اس کا ذکر کیا تھا[92]. ابو جعفر نے ماتالاؤس کی کتاب «الأصول الهندسیة» پر استدراک بھی کیا تھا[93]. ابو جعفر نے ابو معشر بلخی پر بھی «مر سمکی» کے مسئلے میں نکته چینی کی تھی[94].

---

٨٧ الفهرست ص ٢٧١

٨٨ تصحیح زیج الصفائح ص ٣ (حیدرآباد، ١٩٤٨ء)

٨٩ القانون المسعودی (٣ : ٢ ١٣٦).

٩٠ استخراج الأوتار ص ٤١

٩١ ایضاً ص ١٣٩، ١٧٠

٩٢ شکل القطاع ص ١١٥

٩٣ تصحیح زیج الصفائح ص ٣

محمد بن عبدالعزیز الہاشمی :

محمد بن عبدالعزیز الہاشمی بھی غالباً خراسان و ماوراء النہر ھی کا ہیئت داں تھا ۔ اُس نے زیج خوارزمی کی تعلیل لکھی تھی اور اس سلسلے میں علم المثلثات کے بنیادی مسئلے کی توضیح کی تھی ۔

خراسان و ماوراء النہر کے مشہور مہندسین میں ابو الجود محمد بن اللیث بھی ھے، اُس نے تیسرے درجہ کی مساوات کو حل کرنے کی کوشش کی تھی[۹۵]. اُس نے شکل مسبع (Septagon) کا وتر دریافت کرنے کی بھی کوشش کی تھی[۹۶]. اوپر ذکر آچکا ھے کہ مانالاؤس نے « الأصول الھندسیة » کے تیسرے مقالے کی دوسری شکل میں اس مسئلے کو دریافت کرنے کی کوشش کی تھی کہ دیے ھوئے دائرے میں کس طرح دیے ھوئے خط کے برابر ایک خط منعطف کو موڑا جائے ۔ قدماء میں سے ثابت بن قرّہ نے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی تھی ابوالجود نے اس مسئلے پر ایک مستقل رسالہ لکھا تھا[۹۷] . خراسان میں اور بھی مہندسین و ماھرھیئت تھے جیسے ابوالحسن المصری وغیرہ ۔

۲ــ آل بویہ

بویھی خاندان کا مورث اعلیٰ ابو شجاع بویہ بن فنا خسرو ایک غریب دیلمی تھا مگر اُس کے تین لڑکے جو پہلے ایک دیلمی سردار ماکان بن کالی کی فوج میں ملازم تھے آخرکار اپنے حسن تدبیر سے تین بڑے ملکوں پر قابض ھوگئے؛ بڑا عماد الدولہ فارس میں، منجھلا رکن الدولہ رے اور جبال میں اور چھوٹا معز الدولہ بغداد میں ۔

(۱) بویہ فارس

فارس کی حکومت بڑے بھائی عمادالدولہ کے قبضے میں تھی ۔ اُس نے ۳۳۸ ھ میں وفات پائی اور اُس کا بھتیجا عضدالدولہ اُس کا جانشیں ھوا

۹۴ تمھید المستقر ص ۷۷ ، ۷۸
۹۵ عمر الخیام : الجبر و المقابلة ص ۴۷
۹۶ القانون المسعودی (۱ : ۲۹۷)
۹۷ استخراج الأوتار ص ۵۰

۳۵۶ھ میں چھوٹے بھائی معزالدولہ نے وفات پائی اور اُس کا بیٹا عزالدولہ بختیار باپ کا جانشین ہوا مگر ناعاقبت اندیشی سے سرداران لشکر کے ساتھ لڑبیٹھا، اس پر عضدالدولہ کو مداخلت کا موقعہ مل گیا اور اس نے جاکر بغداد پر قبضہ جمالیا مگر باپ (رکن الدولہ) کی ناراضگی کے خوف سے چھوڑ کر لوٹ آیا۔ ۳۶۶ میں رکن الدولہ کا بھی انتقال ہوگیا مرتے وقت اُس نے عضدالدولہ کو فارس، موید الدولہ کو اصفہان اور فخر الدولہ کو رے کی حکومت عطا کی۔ اب عضدالدولہ کے لیے کوئی مانع نہ تھا؛ پہلے اُس نے بغداد پر چڑھائی کی اور بختیار کو قتل کر کے بغداد پر قابض ہوگیا۔ اُس کے بعد اُس کے اشارے سے موید الدولہ نے فخر الدولہ پر حملہ کر کے اُسے رے سے بیدخل کردیا۔ فخر الدولہ نے قابوس بن وشمگیر والی طبرستان اور امیر نوح بن منصور سامانی سے مدد مانگی مگر ان کی امداد سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ قابوس کو اپنی سلطنت سے ہاتھ دھونا پڑا۔

رکن الدولہ علماء کی قدر کرتا تھا چنانچہ ابن خلدون اس کے بارے میں لکھتا ہے[۹۸]:

«وكان حليماً كريماً واسع المعروف ... لين الجانب مقرباً للعلماء محسناً إليهم».

ابو الفضل ابن العمید:

رکن الدولہ کا وزیر ابوالفضل ابن العمید اپنے عہد کا فاضل ترین شخص تھا۔ ابن مسکویہ اُس کے علم و فضل کے بارے میں لکھتا ہے:

«ان فضائل میں سے یہ ہے کہ وہ اپنے زمانہ کا بہترین کاتب تھا اور فن کتابت کے جملہ مقتضیات پر حاوی تھا۔۔ تاویل قرآن، مشکلات قرآن اور فقہائے زمانہ کے اختلافات میں درجہ اعلی اور بلند ترین مرتبہ پر فائز تھا۔ ان علوم سے قطع نظر ہندسہ اور ریاضیات میں کوئی اس کے برابر نہ تھا۔ رہا منطق و فلسفہ بالخصوص الہیات تو اس کے زمانے میں کوئی اس بات

---

۹۸ ابن خلدون: التاريخ, ٤ : ٤٥١).

کی جسارت بھی نہیں کرسکتا تھا کہ اس کے حضور میں ان مسائل پر گفتگو کر سکے، مگر یہ کہ متعلم بن کر اُس سے استفادہ کے لیے نہ کہ بحث مباحثہ کے لیے ... اس کے علاوہ وہ غرائب علوم میں مہارت خصوصی رکھتا تھا جیسے کہ علم الحیل جس میں ہندسہ کے مشکل ترین مسائل اور طبیعات و حرکیات نیز جر ثقیل اور علم مراکز اثقال کی ضرورت پڑتی ہے نیز ایسے مسائل کی جنھیں متقدمین حل نہیں کرسکے .. وہ آلات حرب کی تیاری میں بھی ید طولیٰ رکھتا تھا ۔[۹۹]»

ابن العمید کو علم ہیئت سے بھی دلچسپی تھی چنانچہ شہر رے کے اندر حسب تصریح البیرونی اُس نے آفتاب کے میل کلی (Eclipticity) کے دریافت کرنے کی کوشش کی تھی اور اُسے ۲۳°—۱۰ دقیقہ پایا تھا [۱۰۰] ۳۳۷ھ میں عبدالرحمن الصوفی اُس کے ہمراہ شہر دینور گیا تھا اور غالباً اسی دلچسپی کی وجہ سے ابوالفضل ابن العمید مشہور ماہر فلکیات ابو حنیفہ الدینوری کے مکان پر ٹھہرا تھا۔[۱۰۱]

لیکن عضد الدولہ غالباً پورے بویہی خاندان میں علم و فضل کی سرپرستی کے لیے مشہور ہے ۔ ابن الاثیر اُس کی سیرت کے بارے میں لکھتا ہے[۱۰۲] :

« و کان محباً للعلوم و أهلها مقرباً لهم محسناً إليهم و کان يجلس معهم و يعارضهم فی المسائل فقصده العلماء من کل بلد و صنفوا له الکتب و منها « الإيضاح » فی النحو و «الحجة» فی القرءآت و «الملکی» فی الطب و «التاجی» فی التواريخ إلی غير ذلک و عمل المصالح فی سائر البلاد کالبيمارستان و القناطر و غير ذلک » .

اُس سے زیادہ تفصیل ابن مسکویہ نے جو اُس کا درباری مؤرخ تھا، دی ہے[۱۰۳] :

« فقراء و فقهاء و مفسرين و متکلمين و محدثين و نسابين و شعراء

۹۹ تجارب الأمم ، ۱ : ۲۷۵ .

۱۰۰ القانون المسعودی (۱ : ۳٦٤) ، (۲ : ۲۷۵) .

۱۰۱ صور الکواکب ص ۸ ..

۱۰۲ ابن الاثیر : الکامل (۹ : ۸۰) .

۱۰۳ تجارب الأمم (۲ : ٤۰۸) .

و نحویین و عروضیین و أطباء و منجمین و حساب و مهندسین کے وظائف مقرر کیے . عضدالدولہ کے محل میں ایک حصہ حکماء و فلاسفہ کے لیے مخصوص تھا جو حاجبوں کے لیے مخصوص ہوتا ہے . وہ وهاں جمع هوکر عوام کے شور و شغف سے مامون و محفوظ علمی گفتگو کیا کرتے تھے . اُن کے وظائف مقرر کیے گئے جو برابر اُنھیں پہنچتے رهتے تھے اور دیگر انعامات ملتے رهتے تھے . اس طرح یہ علوم جو مردہ هوچکے تھے از سر نو زندہ هوئے » .

عضدالدولہ کا دربار اس زمانہ کے ارباب کمال کا مجمع تھا . وہ صرف هنر پرور هی نہیں تھا خود بھی هنر مند تھا چنانچہ از راہِ فخر کہا کرتا تھا کہ میں نحو میں ابو علی الفارسی کا اور علم هیئت میں عبدالرحمن الصوفی اور ابن الأعلم کا شاگرد هوں[١٠٤] .

عضد الدولہ کے دربار میں مشاهیر ریاضی و هیئت میں کوشیار بن لبان الجیلی ، ابو سعید احمد بن عبد الجلیل السجزی ، عبد الرحمن الصوفی ، شریف ابن الأعلم اور ابو القاسم الأنطاکی قابل ذکر هیں .

کوشیار بن لبان الجیلی :

کوشیار بن لبان الجیلی غالباً ابو جعفر الخازن کا هم عصر تھاکیونکہ اپنی « زیج مجمل » یا « مجمل الأصول »[١٠٥] میں وہ ٣٢١ سنہ یزجرد کا حوالہ دیتا هے جو سنہ ٣٤٢ھ کے مطابق تھا . کوشیار اپنے زمانہ کا مشہور منجم و هئیت داں تھا . بیہقی « تتمۃ صوان الحکمۃ » میں لکھتا هے[١٠٦] :

« ابو الحسن کوشیار بن لبان بن باشهری الجیلی ... کان مهندساً مل اهابه داخل بیوت هذا الفن من أبوابه و کفاه معرفاً زیجه المعنون بالبالغ و زیجه المعنون بالجامع ثم مجمله فی علم النجوم» .

---

١٠٤ أخبار الحکماء .

١٠٥ کوشیار کی « مجمل الأصول » کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں محفوظ هے نمبر : Add. 7490

١٠٦ البیهقی : تتمۃ صوان الحکمۃ ص ٨٣ ٨٤ .

البیرونی «أفراد المقال فی أمر الظلال» میں کوشیار کی «الزیج الجامع» کا حوالہ دیتا ہے* اسی طرح سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مماس (Tangent) اور مماس التمام (Cotangent) کے مسائل میں ماہر تھا۔ البیرونی نے «تمہید المستقر فی معانی الممر» میں بھی اُس کا حوالہ دیا ہے†.

علم المثلثات الکرویۃ کی تحقیقات بھی کوشیار کے پیش نظر رہی تھیں. اس فن کے بنیادی مسئلہ شکل القطاع کا مسلمان مہندسین نے بدل دریافت کرنے کی کوشش کی تھی. البیرونی کی رائے میں کوشیار پہلا شخص ہے جس نے اس بدل کا نام «شکل مغنی» رکھا[١٠٧].

ابو سعید احمد بن عبدالجلیل السجزی:

ابوسعید السجزی سجستان کا رہنے والا تھا مگر بعد میں شیراز چلا آیا تھا جہاں وہ عضدالدولہ کی سرکار سے وابستہ ہوگیا تھا. وہ سنہ ٣٥٨ھ میں شیراز ہی میں مقیم تھا کیونکہ اُس نے اس سن میں قدیم ریاضیین کے کچھ حوالے اپنے ہاتھ سے نقل کیے تھے.[١٠٨]

احمد بن عبدالجلیل السجزی نے سنہ ٣٥١ھ میں ہیئتی مشاہدات بھی کیے تھے اور کواکب ثابتہ کے مواضع کی تحقیق کی تھی. وہ مسلمان ہیئت دانوں میں پہلا شخص ہے جو گردش ارضی کا قائل ہوا اور اُسی اُصول پر اُس نے اپنا «اصطرلاب زورقی» بنایا تھا چنانچہ البیرونی اپنے رسالہ «إستیعاب الوجوہ الممکنۃ فی صناعۃ الأصطرلاب» میں لکھتا ہے:

> «میں نے ابوسعید السجزی کا بنایا ہوا ایک کرہ دیکھا جو ایک ہی ہے شمالی و جنوبی دوکروں سے مرکب نہیں ہے. اُس نے اس کا نام «اصطرلاب زورقی» رکھا تھا. یہ مجھے بہت اچھا معلوم ہوا کیونکہ اُس نے اسے اس اصل الاصول پر بنایا تھا کہ اجرام سماوی کی یہ جو حرکت کلی ہمیں

---

* البیرونی: افراد المقال ص ٤١، ٥٧

† البیرونی: تمہید المستقر فی معانی الممر ص ٢١، ٤٣

١٠٧ شکل القطاع ص ٤٢٥.

١٠٨ ان رسائل کا مجموعہ پیرس کی قومی لائبریری میں محفوظ ہے. نمبر: ٤٢٥.

مشرق سے مغرب کو محسوس ہوتی ہے، یہ در حقیقت زمین کی ہے نہ کہ آسمان کی۔[۱۰۹]

علم المثلثات المستویة کے سلسلے میں ابو سعید السجزی نے بنیادی مسئلہ کے سلسلے میں توضیحات کی تھیں جن کا حوالہ البیرونی نے « استخراج الأوتار » میں دیا ہے۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ ابوالجود نے مثلا لاؤس کے مسئلے کی توضیح میں ایک مستقل رسالہ لکھا تھا مگر ابوالجود کا ثبوت بڑا طویل تھا۔ ابو سعید السجزی نے اسے بڑے آسان طریقہ سے بیان کیا[۱۱۰]۔ اُس نے عاس کے بارے میں اپنے پیشروؤں سے اختلاف کیا[۱۱۱]۔

علم المثلثات الکرویة میں ابو سعید السجزی نے ایک مستقل کتاب بعنوان « کتاب فی الشکل القطاع » لکھی تھی... یہ کتاب اُس نے کسی عقیدت مند کی درخواست اور اصرار پر لکھی تھی مگر اُس کا نام نہیں لکھا۔ چونکہ البیرونی نے اپنے اکثر بزرگ دوستوں سے مختلف مسائل پر کتابیں لکھوائی تھیں، اس لیے خیال ہوتا ہے کہ شاید اُس نے یہ کتاب البیرونی ہی کے واسطے لکھی ہو؛ یہ کتاب چھپ گئی ہے۔

ابوسعید السجزی کی « کتاب فی الشکل القطاع » کے آخر میں ایک بحث دائرے کے اندر شکل متسع سایے کے موضوع پر چھپی ہے۔ یہ اُس زمانے کا بڑا دلچسپ مسئلہ تھا کیونکہ ایک درجے کے وتر کی دریافت اور اس طرح مثلثاتی جداول کی تیاری کے لیے یہ مسئلہ کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے مصنف کی تصریح نہیں ملتی ہے۔ ممکن ہے یہ بھی ابوسعید السجزی ہی کا رسالہ ہو۔

شریف ابن الأعلم:

ابوالقاسم علی بن الحسن العلوی عضد الدولہ کے دورباری منجمین میں سب سے سربرآوردہ تھا اور بادشاہ اُسی کے کہنے کے مطابق کام کرتا تھا[۱۱۲]۔

۱۰۹ القانون المسعودی انگریزی مقدمہ ۱ ، ۱۷۰ ۔
۱۱۰ استخراج الاوتار ص ۳۰ ۔
۱۱۱ افراد المقال فی أمر الظلال ص ٥٤ ، ٧٩ ۔
۱۱۲ اخبار الحکماء ص ۱۵۷ ۔

لیکن سنہ ۳۷۲ھ میں عضد الدولہ کی وفات پر اُس کا بازار سرد پڑ گیا اور صمصام الدولہ نے جو عضد الدولہ کے بعد تخت پر بیٹھا اُسے اپنی نوازش خسروانہ سے محروم کر دیا لہذا شریف ابن الأعلم بد دل ہو کر سنہ ۳۷۴ھ میں حج کے لیے چلا گیا جہاں سے واپسی میں سنہ ۳۷۵ھ میں بمقام عسیاہ اس نے وفات پائی

ابن الأعلم کی زیج مسلمان اہل ہیئت میں ابن القفطی کے زمانے تک اس فن کا شاہکار سمجھی جاتی تھی[۱۱۳]. البیرونی بھی ابن الاعلم کی زیج کا اپنی کتاب «تمہید المستقر فی معانی الممر*» میں حوالہ دیتا ہے.

ابو القاسم الأنطاکی:

علی بن احمد المجتبیٰ ابو القاسم، انطاکیہ کا رہنے والا تھا مگر بعد کو وہ بغداد میں متوطن ہو گیا تھا اور وہیں سنہ ۳۷۶ ہجری میں وفات پائی. عضد الدولہ کے درباریوں میں ریاضی و ہندسہ میں وہ خاص مقام رکھتا تھا. علوم اوائل (یونانی علم و حکمت) میں دستگاہ عالی رکھتا تھا اور ریاضی و ہندسہ میں اس نے متعدد کتابیں تصنیف کیں[۱۱۴] جن میں سب سے زیادہ مشہور اُس کی شرح اقلیدس ہے[۱۱۵]. اِس کتاب کا ایک ناقص نسخہ پانچویں مقالے سے آخر کتاب تک اکسفورڈ میں موجود ہے.

عبدالرحمٰن الصوفی:

دربار عضد الدولہ کا گل سر سبد عبدالرحمٰن الصوفی تھا جس کی کتاب «صور الکواکب» آج بھی «علم الثوابت» (Uranometry) کے موضوع پر کلاسکی حیثیت رکھتی ہے۔ عبدالرحمن الصوفی عجمی النسل تھا اور شہر نسا کے ایک خاندان سے تعلق رکھتا تھا مگر خود سنہ ۲۹۱ھ میں رے میں پیدا ہوا۔ اُس نے سنہ ۳۷۶ھ میں وفات پائی[۱۱۶]۔

---

* البیرونی = تمہید المستقر ص ۳۰، ۴۹

۱۱۳ اخبار الحکماء ص ۱۵۷۔

۱۱۴ ایضاً ص ۱۵۷

۱۱۵ الفہرست ص ۲۷۳

۱۱۶ اخبار الحکماء ص ۱۵۲.

«قانون مسعودی» کے نویں مقالے کا پانچواں باب جو کواکب ثابتہ پر ہے عبدالرحمن الصوفی ھی کی «صورالکواکب» سے مأخوذ ھے .

(ب) بویہ بغداد :

بویہی سلاطین میں سے پہلے معز الدولہ (٣٣٤ - ٣٥٦) اور پھر بختیار (٣٥٦ - ٣٦٦) بغداد کے حاکم رہے بختیار کو قتل کرنے کے بعد عضد الدولہ وھاں کا بادشاہ ھوا اس نے سنہ ٣٧٢ع تک حکومت کی .

معز الدولہ کے زمانۂ حکومت میں سنہ ٣٤٨ھ میں ابوالوفاء البوزجانی اپنے وطن بوزجان سے بغداد پہنچا اور اُس نے جلد ھی اھل علم نیز اکابر ملک میں اپنا نام پیدا کر لیا . اس کے علمی کمال کا تذکرہ تو آگے آرھا ھے مگر کار پرداران سلطنت میں بھی اس کا بڑا مقام تھا؛ بالخصوص بختیار کا وہ مقرب اور مشیر خاص تھا؛ چنانچہ جب رومیوں نے اسلامی سرحد پر تاخت و تاراج کی اور لوگ فریاد لےکر بختیار کے پاس جو شکارگاہ میں پڑا تھا پہنچے تو انھیں ابوالوفاء ھی نے وھاں سے ٹالا . ظاھر ھے عضدالدولہ کے زمانے میں ، جو بختیار اور اس کے وزیر ابن بقیہ کو قتل کرکے تخت حکومت پر متمکن ھوا تھا ، بختیار کے اس مقرب خاص کو کہاں فروغ ھو سکتا تھا . یہی وجہ ھے کہ عضد الدولہ کے زمانے کے ارباب علم میں ابوالوفاء کا نام نہیں سنا جاتا .

عضد الدولہ کی وفات پر اس کا بیٹا صمصام الدولہ اس کا جانشیں ھوا . لیکن اس کے بھائی شرف الدولہ نے بغاوت کی اور چار سال تک دونوں بھائیوں میں لڑائی ھوتی رھی . آخرکار سنہ ٣٧٦ھ میں صمصام‌الدولہ نے مجبور ھوکر ھتھیار ڈال دیے اور شرف‌الدولہ بغداد میں داخل ھوا . شرف‌الدولہ نے باپ کی طرح ریاضی و ھیئت کی سرپرستی میں خصوصی دلچسپی لی . اس نے بغداد میں ایک رصدگاہ قائم کی اور ابوسہل ویجن بن رستم الکوھی کی تولیت میں فلکیاتی مشاھدات کرائے . ابن‌القفطی لکھتا ھے[١١٧] :

« جب شرف‌الدولہ اپنے بھائی صمصام‌الدولہ کو ملک سے نکال کر عراق پر قابض ھوگیا اور بغداد پہنچا تو اس نے

---

١١٧ ایضاً ص ٣٣٠ .

سنه ۳۷۸ھ میں کواکب ھفت‌گانه کی سیروگردش کا مشاهده کرنے اور مختلف بروج میں نقل و حرکت کی رصد بندی کا حکم دیا جس طرح مامون کے زمانے میں کیا گیا تھا . اور اس کام کی تولیت ابو سہل ویجن بن رستم الکوھی کو تفویض ھوئی» .

رصد بندی کا کام ختم ھونے پر دو محضر تیار کرائے گئے جس میں فضلائے ھیئت کے علاوہ دیگر وجوه و اعیان مملکت نے بھی دستخط ثبت کیے[۱۱۸]. اس رصدگاہ سے جن لوگوں کے نام خصوصیت سے وابستہ ھیں ان میں ابو سہل ویجن بن رستم الکوھی ، ابو حامد احمد بن محمد الصاغانی اور ابوالوفاء البوزجانی خاص طور سے قابل ذکر ھیں .

ابو سہل الکوھی :

ان غیر معمولی لوگوں میں سے تھا جو بچپن اور جوانی لہو و لعب میں گذار دیتے ھیں مگر پیرانه سالی میں کسب‌کمال کرکے شہرت حاصل کرتے ھیں . بیہقی لکھتا ھے[۱۱۹] :

«الحکیم ابو سہل الکوھی کان فی ابتداء أمره ممن یلعب فی الأسواق بالقواریر فادرکته عنایة أزلیة فبرز فی علم الحیل والأثقال و الأکر المتحرکة و کان فی تلک الصنائع عدیم المثل مشاراً إلیه فتعلم الأدب علی کبر سنه و صنف الکتب» .

ابن القفطی اس کے علم و فضل کے بارے میں لکھتا ھے[۱۲۰]:

«ویجن بن رستم ابو سہل الکوھی المنجم فاضل کامل تھا ، علم ھیئت اور آلات رصدیه کی تیاری سے خوب واقف تھا» .

---

۱۱۸ ایضاً ص ۲۳۰ جن لوگوں نے دستخط کیے ان میں قاضی ابوبکر ابن حسین، قاضی ابوالحسین الخوزی ، ابو اسحاق ابراهیم ابن هلال الصابی ، ابوالفضل ابن یونس النصرانی، ابوسہل و یجن بن رستم متولی رصد، ابوالوفاء محمد الحاسب ، ابو حامد احمد ابن محمد الصاغانی ، ابوالحسین محمد ابن محمد السامری ، ابو الحسن المغربی خاص طور پر مشهور ھیں

۱۱۹ تتمة صوان الحکمة ص ۸۰ــ۸۱

۱۲۰ إخبار الحکماء ص ۲۳۰

اسی فضل و کمال کی بنا پر رصدگاہ شرف‌الدولہ کا متولی بنایا گیا
اس رصدگاہ کا خاص کارنامہ سنہ ۳۷۸ھ میں انقلاب صیفی
(Summer Solstice) کا تعین کرنا تھا»[۱۲۱]
البیرونی نے بھی «قانون مسعودی» میں ابوسہل الکوہی کی کوشش کا جو اُس
نے دیگر فضلاے ہیئت کے ساتھ، انقلاب صیفی کی دریافت کے سلسے میں
کی تھی حوالہ دیا ھے۔

علم المثلثات کے سلسلے میں ابو سہل الکوہی کا نام اس وجہ سے
مشہور ھے کہ اُس نے مسبّع منتظم (Septagon) کا وتر دریافت کرنے کی
کوشش کی تھی[۱۲۲] اس نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ بھی لکھا
تھا جس کا نام ابن القفطی نے «کتاب استخراج ضلع المسبّع فی الدائرۃ»
بتایا ھے۔[۱۲۳]

ابو حامد الصاغانی:

رصدگاہ شرف الدولہ کا دوسرا مشہور فاضل ابوحامد الصاغانی تھا۔
ریاضی و ہیئت میں ماہر ھونے کے علاوہ اصطرلاب و دیگر آلات رصدیہ کی
تیاری اور استعمال میں بھی کمال رکھتا تھا[۱۲۴]۔ رصدگاہ شرف الدولہ میں
فلکیاتی مشاہدات سے پہلے وہ رے میں بھی رہا تھا جہاں کے منجمین سے
ایک علمی مسئلے میں اُس کا مناظرہ بھی ہوا تھا جو عرصہ تک نجوم و
ہیئت کی تاریخ میں مشہور رہا۔ البیرونی کے اُستاد ابو نصر بن عراق نے
شاگرد کی درخواست پر اس مناظرے کی تفصیل پر ایک مستقل رسالہ «المقالۃ
فی البرھان علی حقیقۃ المسئلۃ التی وقعت بین ابی حامد الصغانی وبین منجمی
الری فیھا منازعۃ» لکھا تھا۔

ابو حامد الصغانی نے میل شمسی بھی دریافت کیا تھا[۱۲۵] نیز ربع شرقی

---

۱۲۱ ایضاً ص ۲۳۰
۱۲۲ القانون المسعودی (۱ . ۲۹۷).
۱۲۳ اخبار الحکماء ص ۲۳۲
۱۲۴ ایضاً ص ۵۶.
۱۲۵ القانون المسعودی (۱ ۰ ۳٦٤).

کی لات دریافت کرکے اس بات کے لیے ثبوت بہم پہونچایا تھا کہ اوج شمس متحرک رهتا هے۔[۱۲۶]

ابو الوفاء البوزجانی :

ابو الوفاء البوزجانی سنه ۳۲۸ھ میں خراسان کے شہر بوزجان میں پیدا هوا تھا۔ ریاضیات کی تعلیم اپنے چچا ابو عمر المغازلی اور ماموں ابو عبداللہ محمد بن عنبسه سے حاصل کی اُس کے بعد سنه ۳٤۸ھ میں بغداد آیا اور وهیں رہ پڑا۔ جلد هی اُس کی شہرت هوگئی اور لوگ جوق در جوق اُس کے حلقۂ درس میں شریک هونے لگے[۱۲۷]۔ کچھ دن بعد عارض لشکر ابو عبد اللہ ابن سعدان سے دوستی هوگئی جو آگے چل کر صمصام الدوله کا وزیر بنا۔ سنہ ۳۵۸ھ میں ابوحیان التوحیدی سے ملاقات هوئی اور پھر یه دوستی آخر تک قائم رهی۔ اوپر ذکر آچکا هے که عزالدوله بختیار کے یہاں وہ مشیر خاص تھا سنه ۳٦۲ھ میں جب رومیوں نے سرحد پر تاخت و تاراج کی اور لوگ بختیار کے پاس فریاد لے کر پہنچے تو اُس نے بڑی خوش اسلوبی سے اُنہیں واپس کیا۔

سنه ۳٦۸ھ میں جب بختیار کے قتل کے بعد عضدالدوله بغداد آیا تو کچھ دن کے لیے ابو الوفاء درباری زندگی سے علیحدہ هوگیا؛ وہ بختیار کا مقرب خاص تھا لہذا اُسے عضدالدوله کے یہاں کیا بار مل سکتا تھا۔ یہی وجه هے که عضدالدوله کے دربارمیں مشاهیر علماے ریاضی و هیئت میں ابوالوفاء کا نام سننے میں نہیں آتا۔ هاں عضدالدوله کی وفات پر جب صمصام الدوله اور شرف الدوله تخت نشین هوئے تو ابو الوفاء نے پھر سابقه عزت و شہرت حاصل کرلی۔ وہ رصدگاہ شرف الدوله کا خصوصی رکن تھا جہاں اُس نے حسب تصریح البیرونی میل شمسی اور الربع الشرقی کی لات کو دریافت کیا۔[۱۲۸]

ابوالوفاء ریاضی و هیئت میں سرآمد فضلاے روزگار تھا۔ تذکرہ نویس

---

۱۲٦ ایضاً (۲ : ٦۵۹، ٦٦۰).
۱۲۷ اخبار الحکماء ص ۱۸۸
۱۲۸ القانون المسعودی (۲ : ۲۹۷).

اُس کے علم و فضل کی تعریف میں رطب اللسان ھیں[129] . دیوفنطس (Diophantus) اور الخوارزمی کے الجبر و المقابلہ کی شرح نیز اُصول اقلیدس کی تفسیر کے علاوہ حساب ، الجبرا اور هندسه پر متعدد کتابیں لکھیں جن میں « کتاب مایحتاج إلیه العمال و الکتاب من صناعة الحساب » (کتاب المنازل) خاص طور سے مشہور ھے[130] . وہ ھیئت میں بھی تاریخ عالم کے مشاھیر مفکرین میں محسوب ھوتا ھے . قمر کے اختلاف ثالث کی دریافت بھی جس کا شرف ٹیکو برھے (Tycho Brahe) کو دیا جاتا ھے ، ابو الوفاء ھی کا کارنامه ھے* .

البیرونی نے اپنی مثلثاتی تصانیف میں اس کے حوالے دیے ھیں بالخصوص « افراد المقال فی أمر الظلال » میں اس سے معلوم ھوتا ھے که ابو الوفاء نے مماس سے متعلقه ابحاث کو مزید ترقی دی . اس سے زیادہ

---

*ولیم ویول لکھتا ھے .

"An important exception to the general unprogressive character of Arabian science has been pointed out recently by Sedillol. It appears that Mohammed Abul Wefa-al-Bouzdjani discovered a third inequality of the moon, in addition to the two expounded by Ptolemy, the question of the equation of the centre and the eviction This third inequality variation is usually supposed to have been discovered by Tycho Brahe, six centuries later In an Almagest of Abul Wefa, part of which exist in the Royal Library at Paris, after describing the two inequalities of the moon, he has a section IX "Of the Third Anomaly of the moon called Muhazal or Prosneusis he adds I percieve that this anomaly exists independently of the two first "
(William Whewell *History of Inductive Sciences* Vol I p 227-228).

لیکن علم المثلثات کی ترقی میں اس کا خاص حصه ھے چنانچه کارادی وو لکھتا ھے .

"But Abul-Wefa's services to trignometry are indisputable With him trignometry becomes still more explilit and acquires the formula for the addition of angles

$$\sin(a+b) = \frac{\sin a \cos b + \sin b \cos a}{R}$$

Rhaeticus, the pupil and editor of Copernicus. rediscovered it . after having given another formula much more complicated than Abul-Wefa to science We also find Secant in Abul-Wefa which he calls the diameter of the Shadow, its introduction is usually credited to Copernicus." (*Legacy of Islam* p 390

129 چنانچه ابن خلکان لکھتا ھے « ابو الوفاء .. البوزجانی الحاسب المشهور أحد الائمة المشاهیر فی علم الهندسة وله فیه مستخرجات غریبة لم یسبق بها وکان شیخنا العلامة کمال الدین . . . وهو القیم بهذا الفن یبالغ فی وصف کتبه » . وفیات الأعیان (:) .

130 الفهرست ص ۲۹٤ ، تتمة صوان الحکمة ص ۷۶

اهمیت اس کی علم المثلثات الکرویۃ کی ترقی کے سلسلے میں ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے :

مسلمان مہندسین نے « الشکل القطاع » کے دو بدل پیش کیے تھے ایک کا نام «الشکل الظلی» ہے اس کی دریافت کا سہرا متفقہ طور پر ابوالوفاء ہی کے سر ہے[١٣١] . دوسرے بدل کا نام « الشکل المعنی » ہے جس کے لیے البیرونی کا خیال ہے کہ وہ ابو نصر بن عراق کی دریافت ہے لیکن محقق طوسی کا خیال یہ ہے کہ خود ابو الوفاء اس دریافت کا مدعی ہے[١٣٢] .

ابو نصر بن عراق نے « الشکل القطاع » کا ایک آسان بدل اپنی « کتاب السمٰوات » میں دیا تھا . جب یہ کتاب ابو الوفاء کے پاس پہنچی تو وہ اس دریافت سے مطمئن نہ ہوا اور اسے زیادہ قابل استحسان نہ گردانا بلکہ اپنے دوست ابو علی الحبوبی کو لکھ کر بھیجا کہ میں نے اپنی کتاب « شرح المجسطی » میں اس کا جو طریقہ دریافت کیا ہے وہ زیادہ آسان مختصر اور بہتر ہے[١٣٣] . امیر ابو نصر نے رسالہ « القسی الفلکیہ » میں اس پورے واقعے کو نقل کیا ہے مگر ابو الوفاء کی برہان کا ذکر نہیں کیا لیکن محقق طوسی نے اپنی کتاب « الشکل القطاع » میں اسے مفصلاً لکھا ہے[١٣٤] .

(ج) بویہ رے :

اوپر ذکر آچکا ہے کہ موید الدولہ نے عضد الدولہ کے ایماء سے تیسرے بھائی فخرالدولہ کو رے و جبال سے نکال دیا تھا ، عضد الدولہ نے سنہ ٣٧٢ھ میں وفات پائی . اگلے سال موید الدولہ نے بھی انتقال کیا . لہذا اعیان ملک نے وزیر صاحب بن عباد کے مشورے سے فخر الدولہ کو بلاکر دوبارہ رے اور جبال کی حکومت سپرد کی اور صمصام الدولہ نے بغداد سے اس کے لیے خلعت حکومت روانہ کرایا . سنہ ٣٧٩ھ میں

---

١٣١ الشکل القطاع ص ١٢٦

١٣٢ ایضاً ص ١٠٨

١٣٣ . رسالۃ فی معرفۃ القسی الفلکیہ ص ٢

١٣٤ اشکل القطاع ص ١١٤ ، ١١٥

شرف‌الدوله کی وفات پر صاحب ن عباد کے مشورے سے فخر الدوله نے بغداد پر فوج کشی کی مگر اُسے بے نیل مرام لوٹنا پڑا .

فخرالدوله نے سنه ۳۸۷ھ میں وفات پائی اور اس کا بیٹا مجد الدوله اپنی ماں سیده کی سر پرستی میں تحت نشیں هوا کچھ دن بعد ماں بیٹے میں آن بن هوگئی اور سیده ناراض هوکر چلی گئی پھر بعد میں صفائی هوگئی . اُس کے بعد سیده نے دوسرے بیٹے شمس الدوله کو همدان اور اپنے بھائی ابو جعفر ن کاکویه کو اصفهان کی حکومت پر نامزد کیا . حب تک سیده رنده رهی ملک میں امن و امان رها مگر اس کی وفات پر فتنه و فساد پھیل گا اور سنه ۴۲۰ھ میں محمود غزنوی نے حمله کرکے رے پر قبضه کر لیا .

دیالمه کا قومی شعار نحوم و هیئت کی سرپرستی تھی فخرالدوله نے بھی اس کی ترقی میں اپنے بھائیوں سے کم حصه نہیں لیا . اس کا دربار بھی ریاضی و هیئت اور نحوم کے افاصل کا مجموعه تھا. سنه ۳۸۸ھ کے قریب البیرونی بھی وهاں گیا تھا مگر اس کی غربت و افلاس کی وجه سے اس کی کوئی قدر نہیں هوئی[۱۳۵]. رے کے منحمین سے ابو حامد الصاغانی کا مناظره بھی هوا تھا حس کا اوپر ذکر آچکا هے .

اُستاد ابوالحسن نسوی :

اسی دربار میں ایک مشہور مهندس ابو الحسن النسوی تھا جو الحکیم المختصر کے نام سے مشہور هے[۱۳۶] . اس نے اصول اُقلیدس کی شرح «کتاب التحرید» کے عنوان سے لکھی (اس کتاب کے آٹھ مقالے رضا لائبریری رام‌پور میں موجود هیں) . اس کے علاوه ماخوذات ارشمیدس کی تفسیر بھی لکھی تھی[۱۳۷] . الحساب الهندی پر بھی ایک رساله لکھا تھا[۱۳۸] . فلکیاتی مشاهدات بھی کیے تھے جنھیں « الزیج الفاخر » میں مرتب کیا تھا.

---

۱۳۵ الآثار الباقیه ص ۳۳۸

۱۳۶ تتمة صوان الحکمة ص ۱۰۹ ، ۱۳۷

۱۳۷ تحریر کتاب المأخوذات (۲ : ۲)

۱۳۸ اس رسالے کا نام « المقنع فی الحساب الهندی » هے . اس کا واحد نسخه کتب خانهٔ لائیڈن میں محفوظ هے . نمبر ۶—۵۵۶

ابو محمود الخجندی :

دربار رے کا سب سے بڑا ہیئت داں تھا اس نے «مسدس فخری» کے نام سے ایک (sextant) بناکر فخر الدولہ کے نام معنون کیا تھا اس کی مدد سے سیتاروں کا میل اور شہروں کے عرض البلد کی پیمایش کی جاتی تھی . البیرونی نے خحدی کے اکثر حوالے دیے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تصانیف البیرونی کے پیش نظر تھیں . البیرونی نے اس سے ملاقات بھی کی تھی اور آفتاب کے میل کلی کے سلسلے میں اُس سے اُس کی کوششوں کا حال بھی سنا تھا[١٣٩].

« شکل مغنی » جس کے متعلق البیرونی کا خیال ہے کہ اُس کی دریافت کا شرف ابونصر بن عراق کو حاصل ہے ، بعض لوگوں کے خیال میں الخجندی کی دریافت ہے یا کم از کم اُس نے ابوالوفاء اور امیر ابو نصر کے نتائج سے مطلع ہوئے بغیر اسے دریافت کیا تھا[١٤٠]. الخجندی نے اس کا ثبوت تقریباً وہی دیا تھا جو اُس سے پہلے النیریزی اور ابو جعفر الخازن دے چکے تھے . الخجندی نے اس شکل کا نام « قانون الهیئة » رکھا تھا.[١٤١]

(د) بویه اصفهان

اوپر ذکر آچکا ہے کہ فخرالدولہ کی بیوی سیدہ نے اپنے ماموں زاد بھائی ابو جعفر کاکویہ کو اصفہان کی حکومت دی تھی اور اپنے دوسرے بیٹے شمس الدولہ کو ہمدان کی . شمس الدولہ کی وفات پر اُس کا بیٹا سماء الدولہ تخت نشین ہوا . سنہ ٤١٤ ھ میں علاءالدولہ کاکویہ نے ہمدان کو فتح کرلیا . اس کے بعد وہ اصفہان لوٹ گیا سنہ ٤٢٠ ھ میں جب محمود رے کو فتح کرکے لوٹ گیا تو علاء الدولہ نے آکر رے پر قبضہ کر لیا . محمود غزنوی کی وفات پر اُس کا بیٹا مسعود جب تخت نشین ہوا تو علاء الدولہ اور مسعود کے مابین تنازعہ بڑھ گیا . بار بار جنگ ہوتی تھی

---

١٣٩ القانون المسعودی (١ : ٦٤) .

١٤٠ شکل القطاع ص ١٠٨

١٤١ ایضاً ص ١٢٥

اور بار بار صلح اور اس تمام صلح و جنگ میں علاء الدولہ کا مشیر خصوصی شیخ بو علی سینا تھا۔

شیخ بو علی سینا :

شیخ بوعلی سینا سنہ ۳۷۰ ھ میں مضافات بخارا میں پیدا ہوا بعد میں اُس کا خاندان شہر بخارا میں منتقل ہوگیا۔ سنہ ۳۹۲ھ کے قریب وہ بخارا چھوڑکر جرجانیہ خوارزم چلا گیا۔ دو سال بعد البیرونی بھی خوارزم پہنچا لیکن غالباً دونوں میں علمی مناظرے اس سے پہلے شروع ہوگئے تھے۔ سنہ ۴۰۳ ھ میں محمود غزنوی نے ابن سینا کی انقلابی سرگرمیوں پر پابندی لگانے کے لیے اُسے غزنی بلاکر قید کرنا چاہا مگر شیخ کو پتا چل گیا اور وہ جرجانیہ سے بھاگ کر جرجان پہنچا لیکن وہاں قابوس بن وشمگیر کا انتقال ہوچکا تھا اور اُس کے بیٹے منوچہر بن قابوس نے اُس کی کماحقہ قدردانی نہیں کی نیز اگلے سال موچہر نے محمود غزنوی کی بالا دستی تسلیم کرلی اب شیخ کے لیے جرجان میں رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا وہاں سے بھاگ کر وہ رے گیا اور کچھ دن بعد قزوین ہوتا ہوا ہمدان پہنچا۔ یہیں اُس نے اپنی مشہور کتاب «الشفا» تصنیف کرنی شروع کی۔ شمس الدولہ کی وفات پر سماء الدولہ تخت نشین ہوا اور شیخ پر علاء الدولہ ابن کاکویہ کے ساتھ خفیہ سازباز کا الزام لگایا گیا اور اس کی پاداش میں اُسے قلعہ فروجان میں قید کردیا گیا۔ سنہ ۴۱۴ ھ میں علاء الدولہ ابن کاکویہ نے ہمدان پر حملہ کرکے فتح کرلیا مگر کچھ دن بعد لوٹ گیا۔ تھوڑے عرصے کے بعد شیخ بھی بھیس بدل کر اصفہان پہنچ گیا۔ یہاں وہ علاء الدولہ کا مشیرخاص بن گیا علاء الدولہ اور مسعود غزنوی میں جو بھی تعلقات رہے اُن میں شیخ ہی علاء الدولہ کو مشورہ دیتا تھا۔ سنہ ۴۲۷ھ ہجری میں مسعود کے سپہ‌سالار ابوسہل الحمدونی نے حملہ کرکے علاء الدولہ کے لشکر کو شکست فاش دی۔ اس جنگ کا افسوس‌ناک پہلو یہ ہے کہ لوٹ اور بھگدڑ میں شیخ کی بہت سی تصانیف ضائع ہوگئیں۔ شیخ بوعلی سینا نے سنہ ۴۲۸ ھ میں وفات پائی۔

شیخ نے ریاضی و ہیئت میں بھی متعدد کتابیں لکھی ہیں اور بہت سے انکشافات کیے ہیں مگر اُس کی فلسفیانہ بصیرت اور طبی حذاقت نے اُس کے ریاضی وہیئت کے کمالات کو پس منظر میں ڈالدیا ہے. اُس کی کتاب الشفاء کا ایک جزء ریاضیات پر مشتمل ہے جسے اُس نے علاء الدولہ کاکویہ کے دربار اصفہان ہی میں مکمل کیا تھا. شیخ کا شاگرد ابو عبید جوزجانی اُس کی ریاضی دانی اور فلکیاتی تبحر کے باب میں لکھتا ہے[۱۴۲]:

«اور شیخ اصفہان میں کتاب الشفاء کی تکمیل میں مشغول ہوا پس اُس نے حصۂ منطق اور حصۂ ہیئت (المجسطی) سے فراغت حاصل کی، اُقلیدس (علم الهندسة) اور ارثماطیقی (علم الحساب) کو وہ پہلے ہی مختصر کر چکا تھا. ریاضیات کی ہر کتاب میں اُس نے اُن کو زیادہ کیا جن کے متعلق اُس کا خیال تھا کہ ضرورت اُن اُمور کی مقتضی ہے. المجسطی (علم الهیئت) میں اُس نے اختلاف منظر کی بحث میں دس شکلیں اضافہ کیں آخر مجسطی میں علم الهیئت کے اندر ایسی چیزیں بڑھائیں جن کا اُس سے پہلے کسی کو خیال بھی نہیں آیا تھا. اسی طرح اُقلیدس میں اضافے کیے. نیز ارثماطیقی کے اندر بڑے عجیب خواص اعداد دریافت کیے.»

باوجود کثرت اسفار کے شیخ نے فلکیاتی مشاہدات کے لیے بھی وقت نکال لیا. جب علاءالدولہ ہمدان پر دوبارہ حملہ کرنے کے ارادے سے چلا تو ایک دن راہ میں اس بات کا ذکر آیا کہ جن تقاویم پر لوگوں کا عمل ہے اُن کی بنیاد قدیم ارصاد (فلکیاتی مشاہدات) پر ہے اس لیے اُن میں خلل پیدا ہوگیا ہے. علاءالدولہ نے شیخ سے رصد کواکب کے لیے کہا اور جس قدر روپیہ کی ضرورت ہو اُسکے خرچ کرنے کی اجازت دی. شیخ نے اُس کام کی ابتدا کی اور ابو عبید جوزجانی کو ضروری آلات اور اُن کے کاریگر مہیا کرنے پر مامور کیا. اس نئی رصد سے بہت سے نئے انکشافات ہوئے لیکن چونکہ یہ رصد ایک جگہ تو قائم

۱۴۲ طبقات الأطباء (۲ : ۶ — ۷)

نہیں تھی کثرت اسفار اور دیگر عوائق و موانع کی وجہ سے اس میں بار بار خلل پڑتا تھا اس لئے ہیئت کی تاریخ میں زیادہ مشہور نہ ہوسکی۔[۱٤۳]

لیکن ان تمام اُمور کے باوجود علم ہیئت کی ترقی میں شیخ کا بھی حصہ ہے اور البیرونی نے اس بات کا اعتراف کیا ہے حالانکہ دونوں میں تعلقات اچھے نہ تھے بلکہ آخر میں تو بہت ہی زیادہ تلخ ہوگئے تھے۔ شیخ نے ایک خاص طریقہ سے شہر جرجان کا طول البلد صحیح کیا تھا۔ البیرونی نے قانون مسعودی میں جہاں کسوفات کے ذریعہ شہروں کا طول البلد معلوم کرنے کا طریقہ لکھا ہے[۱٤٤] شیخ کی اس تصحیح کا بھی ذکر کیا ہے[۱٤٥]:

« وقد ذکر ابو علی بن سینا أنه صحّ طول جرجان بما تولده من ذلک »

غالباً شیخ نے اشکال مجسطی میں اصلاح و اضافہ کے سلسلے میں علم المثلثات کی طرف بھی توجہ کی تھی مگر جب تک « شفاء » کا حصۂ ریاضیات سامنے نہیں آتا اس باب میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی۔

۳ - آل عراق

سامانی اور بویہی خاندانوں کے علاوہ مشرق میں ریاضی وہیئت کی سرپرستی کے لیے تیسرا مشہور خاندان آل عراق کا ہے۔ چوتھی صدی ہجری کے نصف دوم میں جبکہ البیرونی پیدا ہوا خوارزم کے دو حصے تھے مغرب میں مامونی خاندان کی حکومت تھی جن کا دارالحکومت جرجانیہ (کرکانج) تھا۔ مشرقی حصہ میں آل عراق فرمانروا تھے۔ ان کا پایۂ تخت شہر کاث تھا۔ آل عراق اگرچہ برائے نام فرمانروا تھے مگر وہ خوارزم کے قدیم حکمران خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور اُن کا سلسلۂ نسب ارثموخ بن بوزکارنک پونچتا تھا جو بعثت اسلام کے وقت خوارزم کا بادشاہ تھا۔[۱٤٦]

---

۱٤۳ ایضاً (۲ : ۷).
۱٤٤ القانون المسعودی (۲ : ٥۰۷).
۱٤٥ ایضاً (۲ : ٥۰۸).
۱٤٦ الآثار الباقیه ص ۳٥ - ۳٦

البیرونی خوارزم کی قدامت اور سیاسی و ثقافتی عظمت کے بیان میں رطب اللسان ہے.[۱۴۷] غالباً جہاں تک ریاضی وہیئت کا تعلق ہے خوارزم کی زمین بڑی مردم خیز تھی اُس نے دوسری تیسری صدی میں محمد بن موسی الخوارزمی کو اور چوتھی صدی میں البیرونی کو جنم دیا. حکمران خاندان آل عراق کو خود ریاضی و ہیئت سے دلچسپی تھی چنانچہ جب ابوسعید احمد بن محمد بن عراق سامانی دربار کی قید سے رہا ہوکر اپنے ملک واپس گیا تو اس نے اپنے ملک کے منجموں کو بلاکر حساب کبیسہ درست کرایا. حسب تصریح البیرونی ان منجموں میں الخراجی اور الحمدکی زیادہ مشہور تھے .

ابو نصر بن عراق :

خود شاہی خاندان میں ابو نصر منصور بن عراق مہندسین و منجمین اسلام میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے. البیرونی اس کی شاگردی پر فخر کرتا ہے.[۱۴۹]

۳۸۶ ہجری میں مامونی فرمانروائے جرجانیہ نے خوارزم (کاث) پر حملہ کیا اور والی ملک ابو عبد اللہ خوارزمشاہ کو گرفتار کر کے جرجانیہ لے گیا جہاں ایک محفل شراب میں اسے قتل کر ڈالا. وہ اپنے ہمراہ شاہی خاندان کے افراد کو بھی لے گیا تھا. انہیں میں ابو نصر بن عراق بھی تھا. البیرونی آل عراق کے احسانات اور بالخصوص ابو نصر منصور بن عراق کی سرپرستی کا مداح ہے :

مضیٰ أكثر الأيام فی ظلّ نعمة على رتب فيها علوت کراسیا
فآل عراق قد غذونی بدرهم و منصور[۱۵۰] منهم قد تولیٰ غراسیا

لیکن ابو عبداللہ خوارزمشاہ کے قتل کے بعد علمی سرپرستی کا یہ کارخانہ

---

۱۴۷ ایضاً ص ۴۷ - ۴۸، ۲۳۸ .

۱۴۸ ایضاً ص ۲۴۱ .

۱۴۹ ایضاً ص ۱۸۴ .

۱۵۰ البیرونی کی کتاب «التفہیم لأوائل صناعة التنجیم» کے انگریز مرتب کو غالباً لفظ «منصور» سے «منصور سامانی» کا اشتباہ ہوا ہے اور اس میں لکھا ہے کہ البیرونی کچھ دن منصور سامانی کے دربار میں بھی رہا ہے. حالانکہ نظم کا سیاق سباق صاف آل عراق کے «منصور» (ابونصر منصور ابن عراق) کی جانب مشیر ہے .

ختم ہوگیا ۔ ابو نصر بن عراق کو مامون بن محمد اپنے ہمراہ جرجانیہ لے گیا مگر البیرونی رے ہوتا ہوا جرجان پہنچا ۔ البتہ سنہ ٣٩٤ھ کے آغاز میں وہ بھی جرجانیہ پہونچ گیا ۔ سنہ ٤٠٣ھ میں محمود غزنوی نے دربار جرجانیہ کے افاضل کو غزنی طلب کیا اور البیرونی اس کا اُستاد ابو نصر بن عراق اور ابوالخیر غزنی روانہ ہوگئے مگر ابو علی ابن سینا اور ابو سہل المسیحی بھاگ گئے ۔ غالباً جلد ہی استاد اور شاگرد (ابو نصر بن عراق اور البیرونی) کو خوارزم واپس جانے کی اجازت مل گئی ۔ البیرونی خوارزم میں سنہ ٤٠٧ھ تک موجود تھا مگر ابو نصر بن عراق کے متعلق زیادہ نہیں معلوم نہ اس کا سال وفات ہی صحیح طور پر متعین ہے[١٥١] ۔

ابو نصر بن عراق کے علم و فضل کے بارے میں نظامی عروضی سمرقندی لکھتا ہے[١٥٢] :

«اما ابو نصر عراق برادر زادهٔ خوارزمشاه بود و در علم ریاضی و انواع آن ثانی بطلمیوس بود» ۔

اور غالباً اس میں مبالغہ نہیں ہے ۔

ابو نصر بن عراق نے متعدد کتابیں لکھی تھیں ۔ تقریباً بارہ کتابیں ابوالریحان البیرونی کے واسطے لکھیں ، چنانچہ البیرونی نے اپنے کسی دوست کو سنہ ٤٢٧ھ میں جو خط لکھا تھا اس میں ان کتابوں کی تفصیل دی ہے وہ لکھتا ہے :

«فمما تولاه باسمی ابو نصر منصور بن علی بن عراق مولیٰ أمیرالمؤمنین أنار الله برهانه» ۔

---

١٥١ بعض لوگوں نے اس کا سالِ وفات ٤٠٧ لکھا ہے ۔ غالباً یہ غلطی اس لیے ہوئی کہ یاقوت الحموی کی «معجم الادباء» میں ٤٠٧ میں البیرونی کے استاد عبدالاول ابن عبدالصمد کا محمود کے حکم سے قتل ہونا مذکور ہے لوگوں نے اسے ابو نصر سمجھ لیا ہے ۔ بعض حضرات نے اس کا سالِ وفات ٤٢٧ لکھا ہے ۔ اس غلطی کی وجہ یہ ہے کہ البیرونی کا مذکورہ بالا خط ٤٢٧ میں لکھا گیا تھا جس میں اُسے أنار الله برهانه لکھا ہے ۔ ابو نصر ابن عراق کا سالِ وفات ٤٠٣ اور ٤٠٧ کے درمیان ہے ۔

١٥٢ نظامی عروضی : چهار مقاله ص ٨٧

ا کتابه فی السموات

ب و کتابه فی علة تنصیف التعدیل عند أصحاب السند هند

ج و کتابه فی تصحیح کتاب ابراهیم بن سنان فی تصحیح اختلاف الکواکب العلویه

د و رسالته فی براهین اعمال حبش بجدول التقویم

ه ورسالة فی تصحیح ما وقع لابی جعفرالخازن من السهو فی زیج الصفائح

و و رسالته فی مجازات دوائر السموات فی الأصطرلاب

ز و رسالته فی جدول الدقائق.

ح و رسالته فی براهین علی عمل محمد بن الصباح فی امتحان الشمس.

ط و رسالته فی الدوائرالتی تحد الساعات الزمانیة.

ی و رسالته فی البرهان علی عمل حبش فی مطالع السمت فی زیجه.

یا و رسالته فی معرفة القسی الفلکیة بطریق غیر طریق النسبة المولفة.

یب و رسالته فی حل شبهة عرضت فی الثالثة عشرین کتاب الأصول.

بانکی پور کے مخطوطه نمبر ۲٤٦۸ میں تقریباً پندره کتابیں ابونصر بن عراق کی هیں اور اُن میں محرره بالا رسائل شامل هیں. دائرة المعارف حیدرآباد نے انهیں شائع کردیا هے.

لیکن ابو نصر بن عراق کی سب سے مشهور تصنیف «اکرمانالاؤس» کی اصلاح هے. اُس سے پهلے اس کتاب کی الماهانی اور ابو الفضل الهروی وغیره نے اصلاح کرنا چاها تها مگر سب ناکام رهے[۱۵۳]. قسام ارل نے یه کام ابو نصر بن عراق هی کے لیے مقرر کر رکها تها. اسی اصلاح کی مدد سے ساتویں صدی هجری میں محقق طوسی نے «متوسطات» کے اندر اسے مرتب کیا تها[۱۵٤]. «اکرمانا لاؤس» اصل یونانی میں آج ناپید هے لهذا جب

۱۵۳ طوسی: تحریرالأکر لمانا لاوس ص ۲؛ ابونصر ابن عراق: رسالة فی اصلاح شکل کتاب مانا لاوس ص ۳

۱۵٤ تحریر الأکر لمانا لاوس ص ۲

محققین یورپ نے اسے ایڈٹ کرنا چاھا تو امیر ابو نصر بن عراق ھی کی اصلاح کی مدد سے اسے پھر سے یونانی میں ترجمہ کرکے شائع کیا۔

علم المثلثات المستویۃ کے سلسلے میں ابو نصر بن عراق نے اس فن کی بنیادی شکل کا ثبوت دیا تھا۔ لیکن زیادہ شہرت اُسے علم المثلثات الکرویۃ میں حاصل ہوئی۔

اوپر ذکر آچکا ھے کہ مسلمان مہندسین نے «الشکل القطاع» کے دو حل پیش کیے تھے: ابوالوفاء نے «الشکل الظلی» کے نام سے اور امیر ابو نصر بن عراق نے «الشکل المغنی» کے عنوان سے۔ چنانچہ محقق طوسی نے «تحریر الأکرلمانا لاؤس» میں لکھا ھے[۱۵۵]:

«امیر ابو نصر بن عراق نے شکل قطاع کے بجائے ایک نئی دریافت کی جس کا نام اُس نے شکل مغنی رکھا»۔

اس طرح محقق نے البیرونی کے حوالہ سے لکھا ھے[۱۵۶]:

«اور ابوالریحان البیرونی نے اپنی کتاب «مقالید علم مایحدث فی بسیط الکرۃ» میں ذکر کیا ھے کہ شکل قطاع کے بجائے شکل مغنی کی پیش کش میں اولیت کا شرف امیر ابونصر بن عراق ھی کو حاصل ھے»۔

یہ «شکل مغنی» علم المثلثات الکرویۃ میں سب سے اھم شکل ھے۔ اس کی حقیقت محقق طوسی کے لفظوں میں حسب ذیل ھے[۱۵۷]:

«اس کے دعویٰ کی اصل یہ ھے کہ کرہ کی سطح پر دوائر عظام کی قوسوں کے تقاطع سے جو مثلث پیدا ھوتے ھیں اُن کے اضلاع کے جیوب کو آپس میں وھی نسبت ھوتی ھے جو اُن کے زاویوں کے جیوب کے درمیان ھوتی ھے جو اُن کے سامنے ھوتے ھیں»۔

---

۱۵۵ ایضاً ص ۷۶

۱۵۶ شکل القطاع ص ۱۲۵

۱۵۷ ایضاً ص ۱۰۸۔

اور یہ (Spherical Trigonometry) کا مشہور (Sine Formula) ھے . مزید تفصیل یہ ھے :

بطلمیوسی علم المثلثات میں سب سے اھم « الشکل القطاع » ھے اس کے بارے میں البیرونی نے « کتاب التفہیم » میں لکھا ھے[۱۵۸] :

« اما الشکل القطاع : هوما یحدث من تقاطع أربع دوائر عظام کل اثنین منہا مجتمعان علی نقطة واحدة تکون شبیہا بما یصل من ضم بنانی وسطی الیدین و وضع ببانی السبابتین علی المفصلین الأوسطین من الوسطیین » .

مسلمان مہندسین نے اسے سہل بنانے کی کوشش کی . غالباً سب سے پہلے ثابت بن قرّہ نے « الشکل القطاع » سے اس نئے مثلثاتی «ضابطة الجیوب» کو مستخرج کیا مگر اُس نے اس میں « نسبت مؤلفہ » پر اعتماد کیا . بعد میں ابوالفضل التبریزی اور ابوجعفر الخازن نے اسی قسم کا ایک مثلثاتی ضابطہ اپنی شروح مجسطی میں استعمال کیا . کوشیار بن لبان کے علم میں بھی یہ ضابطہ تھا اور بقول البیرونی اُسے « شکل مغنی » کے نام سے موسوم کیا تھا. چوتھی صدی کے نصف آخر میں تین مہندسوں نے اپنے اپنے طور پر اس ضابطہ کو دریافت کیا . ابوالوفاء نے اسے صرف مثلث قائم الزاویہ تک محدود رکھا ابو محمود الخجندی نے بھی اس کی ایک شکل استعمال کی اور اسے « قانون الھیئة » کا نام دیا مگر سب سے زیادہ مفصل طور پر امیر ابو نصر بن عراق نے اس کی وضاحت کی . اس کی تمہید کے لیے اُس نے پہلے ایک مقدمہ بیان کیا ، جو محقق طوسی کی رائے میں غیر ضروری ھے پھر اسے مثلث قائم الزاویہ کے واسطے ثابت کیا چنانچہ محقق طوسی نے « الشکل القطاع » میں امیر ابو نصر کے تین ثبوت نقل کیے ھیں ، بعد ازاں اس ضابطہ کو تمام مثلثوں کے واسطے ثابت کیا. محقق طوسی نے اس کے بھی دو ثبوت نقل کیے ھیں .

بہر حال باوجود ابوالوفاء اور الخجندی کے دعوائے سبقت کے « الشکل المغنی » امیر ابو نصر بن عراق ھی کا شاہکار ھے .

---

۱۵۸ کتاب التفہیم ص ۴۳

امیر ابو نصر بن عراق نے البیرونی کی درخواست پر « شکل قطاع » کی تسہیل اور « شکل مغنی » کی توضیح کے لیے ایک مستقل رسالہ بعنوان « رسالة فی معرفة القسی الفلکیة » لکھا تھا . اس کے مقدمے میں وہ البیرونی سے کہتا ہے[۱۵۹] :

« اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تم نے ذکر کیا تھا کہ بہت سے لوگ جنھیں علم ہیئت سے رغبت ہے ... اس چیز کو مشکل سمجھتے ہیں جو بطلمیوس نے اکثر شکل قطاع اور نسبت مؤلفہ کے سلسلے میں استعمال کی ہے اور۔ تمہاری خواہش تھی کہ تمھیں ان براہین کے طریقے حاصل ہوجائیں ان چیزوں کے ساتھ جن میں یہ شکل استعمال ہوتی ہے اور اس میں دشواریاں نہ ہوں » .

اس کے بعد اس نے کرویاتی مثلثات کے « ضابطة الجیوب » (شکل مغنی) کا بیان اس طرح کیا ہے[۱۶۰] :

« اگر کسی کرے کی سطح پر کوئی مثلث ہو جس کے اضلاع دوائر عظام سے بنے ہوں تو ان اضلاع کی جیوب ان کے سامنے کے زاویوں کی تعداد کے برابر قوسوں کی جیوب کے ساتھ متناسب ہوتی ہیں » .

یہاں ایک اور دلچسپ سوال پیدا ہوتا ہے کہ « ضابطة الجیوب » (Sine Formula) صرف کروی مثلثات ہی کی حد تک امیر ابو نصر بن عراق کی دریافت ہے یا مثلثات مسطحہ میں بھی اُس نے اسے نافذکیا تھا . بالفاظ دیگر مثلثات مسطحہ کا ضابطة الجیوب ابو نصر بن عراق ہی کی دریافت ہے یا کسی اور مثلاً ابوالریحان البیرونی کی .

لیکن اس قسم کے دعاوی قلت مطالعہ کے نتائج ہیں . مثلثات مسطحہ کے « ضابطة الجیوب » کا ثبوت پہلی مرتبہ البیرونی نے نہیں بلکہ اُس کے اُستاد امیر ابو نصر بن عراق نے دیا ہے .

[۱۲ / ۷ / ۱۹۶۱ م]

---

۱۵۹ البیرونی : رسالة فی معرفة القسی الفلکیة ص ۲ ۱۶۰ ایضاً ص ۳

رجال نہج البلاغه

سید محمود حسن قیصر امروهوی

« نہج البلاغه » امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیه‌السلام کے خطبات ، مکاتیب اور اقوال و حکم کا مجموعه هے ، جس کو چوتھی صدی هجری کے مشهور ادیب الشریف الرضی ذوالحسنین محمد بن الحسین بن موسیٰ متوفی ٤٠٦ ھ (١٠١٥ء) نے تالیف کیا تھا . یه کتاب فصاحت و بلاغت کے اس نقطه پر مانی گئی هے جس کے لیے علماے ادب کا فیصله هے « تحت کلام الخالق فوق کلام المخلوق» یہی وجه هے که وہ طبقه جو اس کے مندرجات کو اس کے جامع سید رضی کی کاوش دماغی کا نتیجه قرار دیتا هے وہ بھی اس کی فصاحت و بلاغت کا بہر حال معترف هے .

« نہج البلاغه » کی حیثیت اگر صرف ایک ادبی کتاب کی هوتی تو شاید اس کو اتنی اهمیت نه دی جاتی لیکن اس کی نسبت چونکه اسلام کی ایسی اهم شخصیت کی طرف هے جس کو تمام مسلمانوں کے درمیان مذهبی عظمت حاصل هے اس لیے خصوصیت کے ساتھ هر صدی میں وہ علماء اور اهل ادب کی توجه کا مرکز رهی اور جس کثرت کے ساتھ مختلف پہلوؤں سے اس پر کام کیا گیا اس کی مثال شاذ و نادر هی ملتی هے .

تاریخ سے معلوم هوتا هے که « نہج البلاغه » کے وجود میں آنے کے دوسو سال بعد تک اس کے مشمولات کے بارے میں اهل علم کے درمیان کوئی اختلاف نه تھا ، اس لیے که جامع کتاب سید رضی اس دور کے مؤلفین میں هیں جب مسلمان کافی ترقی کرچکے تھے اور هزاروں کی تعداد

میں تاریخ و سیر وغیرہ کی کتابیں لکھی جا چکی تھیں ' اگر یہ خطبات جیسا کہ عام خیال ہے سید رضی یا دیگر فصحائے شیعہ کی تصنیف ہوتے تو غیر ممکن تھا کہ اہل علم جامع کی اس جسارت پر خاموش بیٹھے رہتے اور کوئی آواز اِس کے خلاف نہ اُٹھاتے . خود سید رضی کے معاصرین نیز ان کے بعد تک زندہ رہنے والوں میں حسب ذیل اکابر کے نام ملتے ہیں :

ابو عبید الهروی ' (متوفی ۴۰۱ھ) ، ابوبکر محمد الباقلانی (م ۴۰۳ھ)' ابن مسکویہ (م ۴۲۱ھ)، منصور بن الحسین الآبی الوزیر (م۴۲۲ھ)، ابواسحاق الثعلبی (م ۴۲۷)، ابو منصور الثعالبی النیسابوری (متوفی بعد ۴۳۰ھ) ، حافظ ابونعیم اصفہانی (م ۴۳۰ھ)' ابوبکر الخطیب البغدادی (م ۴۸۷ھ) ، ابو عبید البکری الأونبی (م ۴۸۷ ھ) .

ان میں سے کسی نے مندرجات « نہج البلاغہ » کے بارے میں شک و شبہ کا اظہار نہیں کیا بلکہ اپنی مؤلفات میں جگہ جگہ ان خطبوں سے استناد کیا ہے جس کی بکثرت مثالیں آیندہ پیش کی جائینگی، ان میں ابوبکر باقلانی اور ابو عبید الہروی کے علاوہ سب وہ مؤرخین ہیں جو سید رضی کے بعد تک زندہ رہے ' خصوصاً ابو عبید البکری اور خطیب بغدادی تو ان سے نصف صدی بعد تک بقید حیات پائے جاتے ہیں اس لیے یہ کہنا کہ « نہج البلاغة » ان تک نہ پہنچی ہو ، کسی طرح قیاس میں نہیں آسکتا .

دراصل « نہج البلاغہ » کے جعلی ہونے کا خیال سید رضی کے انتقال سے دوسوسال بعد کی پیداوار ہے اس سلسلے میں سب سے پہلا نام ابن خلکان کا ملتا ہے ، جس کا انتقال ۶۸۱ ھجری میں ہوا ہے . بظاہر اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے وقت تک وہ بہت سے قدیم مآخذ ضائع ہو چکے تھے جن میں امیرالمؤمنین کے کلام کا بیشتر سرمایہ تھا ، ان مآخذ کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے اس خیال کو زیادہ پنپنے کا موقع مل گیا.

بہرحال « نہج البلاغہ » پر اب تک جتنے اعتراض کیے گئے ہیں، اُن پر کافی لکھا جا چکا ہے لیکن اس سلسلے میں ایک اہم سوال اس کے رجال کا رہ جاتا ہے اس لیے کہ جامع کتاب سید رضی چوتھی صدی ہجری کے بالکل آخر کے مصنف ہیں، اس وقت تک حضرت علی کی وفات کو ۳۶۰ سال گذر چکے تھے باینہمہ روایت کی کوئی سند اس میں نہیں ملتی جس سے اس کی تاریخی صحت کے بارے میں کوئی خیال قائم کیا جاسکے۔

یہ سوال اپنے مقام پر کافی اہمیت رکھتا ہے اس لیے کہ کسی بھی تاریخی چیز کی صحیح تحقیق اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک اس کے رجال اور قلمبند ہونے کے وقت تک کا سلسلۂ سند سامنے نہ ہو۔

اس سوال کو حل کرنے کے لیے سب سے پہلے یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جامع نے اپنی اس تالیف میں اپنے زمانے کے عام دستور کے مطابق سلسلۂ سند کا لحاظ کیوں نہیں کیا؟ غور کرنے پر اس کی حسب ذیل دو وجہیں سمجھ میں آتی ہیں:

۱- « نہج البلاغہ » در اصل ایک ادب کی کتاب ہے اور اسی نقطۂ نظر سے اس کی تالیف کی گئی ہے، ادب کی کتابوں میں عموماً سلسلۂ روایت نہیں دیا جاتا چنانچہ سید رضی سے قبل کی جتنی ادب کی کتابیں ہیں، باوجودیکہ ان میں کثرت کے ساتھ تاریخی واقعات بیان کیے گئے ہیں لیکن سلسلۂ روایت شاذ و نادر ہی ملتا ہے، سید رضی چونکہ خود ایک ادیب تھے اور « نہج البلاغہ » بنیادی طور سے ادب ہی کی کتاب تھی اس لیے مؤلف نے سلسلۂ روایت کا بیان کرنا اُس میں ضروری نہیں سمجھا۔

۲- سید رضی جس زمانے کے مؤلف ہیں اس وقت تک امیرالمؤمنین کے خطبات اور امثال و حکم مدون ہوکر اتنے شائع اور متداول ہوچکے تھے کہ ان کے بیان کرنے کے لیے کسی سلسلۂ سند کی ضرورت نہ تھی۔ چنانچہ مختلف کتب فہرست کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سید رضی سے قبل تک سینکڑوں کی تعداد میں امیر المؤمنین کے خطبات اور ان سے

متعلق موضوعات پر کتابیں لکھی جا چکی تھیں جیسا کہ مشہور مؤرخ مسعودی کا بیان ہے[1]:

امیر المؤمنین کے وہ خطبے جو مختلف موقعوں پر آپ نے بیان فرمائے ہیں اور جو لوگوں نے اُن سے سن کر محفوظ کرلیے ہیں چارسو اسی سے کچھ زائد ہیں، یہ وہ خطبے ہیں جو حضرت نے علی البدیہ دیے ہیں اور قولاً و عملاً لوگوں میں برابر شائع اور متداول رہے ہیں.

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسعودی جس کا انتقال سید رضی سے ٦٦ سال پہلے ہوا ہے، اُس کے زمانہ تک یہ کام اتنی مکمل صورت میں انجام پا چکا تھا کہ لوگوں میں عام طور سے یہ خطبے شائع تھے. اسی طرح ابن نباتہ متوفی ۳۷٤ ھ کا یہ کہنا: «میں نے مواعظ علی بن ابی طالب کی سو فصلیں یاد کی ہیں[2]» بتاتا ہے کہ امیر المومنین کے خطبے اس کے سامنے مدون صورت میں موجود تھے.

اس پر بھی ایسا نہیں ہے کہ جامع کتاب نے اسناد و رجال کو بالکل ہی نظر انداز کردیا ہو کیونکہ جہاں جہاں انہوں نے ضرورت سمجھی ہے وہاں یا تو راوی کا نام ظاہر کردیا ہے یا کسی متقدم کتاب کا حوالہ دے دیا ہے یا کوئی ایسا اشارہ کردیا ہے جس سے اُس کے استناد پر کچھ روشنی پڑ سکے. چنانچہ «نہج البلاغہ» کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے سے حسب ذیل قسم کے کلام ملتے ہیں:

١ــ وہ کلام جہاں مؤلف نے پورا سلسلۂ سند دیا ہے، اس کی مثال پوری کتاب میں صرف ایک جگہ ہے[3]:

> «روى اليمانى عن أحمد بن قتيبة عن عبد الله بن يزيد عن مالك بن دحية قال كنّا عند أمير المؤمنين عليه السلام و قد ذكر عنده اختلاف الناس فقال: إنّما فرّق بينهم مبادى طينهم ...».

---

١ مسعودی: مروج الذهب (۲، ۳۳).

۲ ابن ابی الحدید: شرح نهج البلاغة (۱: ۸).

۳ نہج البلاغہ: ۳۵۲

۲—وہ خطبے اور اقوال جہاں مؤلف نے صرف راویِ اول کا تذکرہ کیا ہے، ایسے مقامات «نہج البلاغہ» میں نو ہیں:

(۱) خطبۂ شقشقیہ، جسکی ابتدا اس طرح ہے:

«أما والله لقد تقمصها فلان و انه ليعلم انّ محلّى منها ...»

اس کے آخر میں مؤلف نے حضرت ابن عباس کا حسب ذیل بیان نقل کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے راوی اول وہی ہیں:[1]

«قال ابن عباس فوالله ما أسفت علىٰ كلام قطّ كأسفى علىٰ هذا الكلام أن لا يكون أميرالمؤمنين عليه‌السلام بلغ منه حيث أراد»

(۲) امیرالمؤمنین کا وہ خطبہ جو آپ نے اہل بصرہ سے جنگ کرنے کے لیے روانگی کے وقت ارشاد فرمایا ہے، جس کی ابتدا اس طرح ہے:[2]

«إنّ الله بعث محمداً صلى‌الله عليه و آله و ليس أحد من العرب يقرأ كتاباً ..».

اس کے شروع میں جامع نے حسب ذیل عبارت لکھی ہے:

قال عبدالله بن العباس: دخلتُ علىٰ أميرالمؤمنين عليه‌السلام بذى قار و هو يخصف نعله فقال لى ماقيمة هذا النعل فقلتُ لا قيمة لها فقال عليه‌السلام: والله لهى أحبُ إلىّ من إمرتكم إلا أن أقيم حقا أو أدفع باطلاً ثم خرج فخطبَ الناس فقال ...».

(۳) «الحمد لله الذى إليه مصائر الخلق و عواقب الأمر[3]».

اس خطبے کی ابتدا میں جامع نے اس طرح نوف بکالی کا بیان تحریر کیاہے.

رُوى عن نوف البكالى، قال خطبنا هذه الخطبة بالكوفة أميرالمؤمنين عليه‌السلام و هو قائم على حجارةٍ نصبها له جعدة بن هبيرة المخزومى و عليه مدرعة من صوف و حمائل سيفه ليف و فى رجليه نعلان من ليف و كان جبينه ثفنة بعير فقال عليه السلام ...».

---

۱ نهج البلاغة (۱ : ۲۶).
۲ نهج البلاغة (۱ : ۵۱).
۳ نهج البلاغة (۱ : ۱۹۰).

(٤) امیرالمؤمنین کا خط عبداللہ بن عباس کے نام جو اس طرح شروع ہوتا ہے:[1] «فإنّ المرء قد یسره درک مالم یکن لیفوته ...».

یہ خط مؤلف نے حضرت ابن عباس کے حسب ذیل قول کے ساتھ نقل کیا ہے[2] :

«ما انتفعت بکلام بعد کلام رسول الله کانتفاعی بهذا الکلام»

(٥) «یا دنیا یا دنیا، إلیک عنیّ، ابی تعرّضتِ أم إلیّ تشوقتِ ...».

یہ کلام مؤلف نے مدرجہ ذیل روایت کے ساتھ نقل کیا ہے :

«و من خبر ضرار بن حمزة الضبائی عند دخوله علی معاویة و مسئلته له من أمیر المومنین قال فأشهد لقد رأیته فی بعض مواقفه و قد ارخی اللیل سدوله وهو قائم فی محرابه قابض علی لحیته . یتململ تململ السلیم و یبکی بکاء الحزین ویقول یا دنیا یا دنیا ...» .

(٦) کان فی الأرض اما نانِ من عذاب الله ...»[3]

یہ کلام جامع نے امام محمد باقرعلیہ السلام کی سند سے اس طرح نقل کیا ہے «وحکیٰ عنه ابو جعفر محمد بن علی الباقر علیهما السلام انه قال : کان فی الأرض امانان ...».

(٧) «طوبیٰ للزاهدین فی‌الدنیا الرّاغبین فی الآخرة ...»[4]

اس کلام کی ابتدا میں جامع نے اس کے راویِ اول نوف بکالی کا بیان اس طرح نقل کیا ہے :

«و عن نوف البکالی، قال رأیت أمیر المؤمنین علیه السلام ذات لیلة و قد خرج من فراشه فنظر فی النجوم فقال لی یا نوف أ راقد أنت أم رامق فقلت بل رامق قال یانوف : طوبیٰ للزاهدین ...» .

(٨) «یا کمیل انّ هذه القلوب أوعیة فخیرها أوعاها ...».[5]

اس کی ابتدا میں جامع نے لکھا ہے :

---

١ نہج (٢ : ١٢)
٢ نہج (٢ : ٨٤)
٣ نہج (٢ : ٨٥)
٤ نہج (٢ : ٨٧)
٥ نہج (٢ : ٩٣)

و من كلامه عليه السلام لكميل بن زياد النخعی، قال كميل بن زياد أخذ بيدی أميرالمؤمنين علی بن ابی طالب عليه‌السلام فاخرجنی إلیٰ الجبان فلما اصحر تنفس الصعداء ثم قال : يا كميل أن هذه القلوب أوعية ... ».

(۹) « اول ما تغلبون عليه من الجهاد بأيديكم ثمّ بألسنتكم ثم بقلوبكم فمن لم يعرف بقلبه معروفاً ولم ينكر منكراً قلب فجعل أعلاه أسفله وأسفله أعلاه[۱] »

اس کلام کے شروع میں مؤلف نے لکھا ہے : « وعن ابی جحيفه قال سمعت أميرالمؤمنين عليه السلام يقول ... ».

مذکورہ بالا تمام اقوال اور خطبوں میں سوائے نمبر ۳، ۶ اور ۹ کے سب وہ ہیں جو سید رضی سے متقدم دیگر کتابوں میں اسی راوی کے حوالے سے منقول ہیں .

۳ـــ تیسری قسم میں وہ خطبے اور اقوال ہیں جہاں جامع نے کتاب کا حوالہ دیا ہے اور چونکہ ان کتابوں میں یہ کلام اپنے سلسلۂ سند کے ساتھ موجود تھا اس لیے رجال حود بہ خود متعین ہوجاتے ہیں ایسے خطب اور خطوط وغیرہ کی مجموعی تعداد آٹھ ہے :

۱ـ « أيها النّاس انا أصبحنا فی دهر عنود و زمن كنود يعدّ فيه المحسن مسيئاً و يزداد الظالم عتواً ... ».[۲]

اس خطبے کو نقل کرکے مؤلف نے حسب ذیل عبارت تحریر کی ہے :

> « هذه الخطبة ربما نسبها من لا علم له إلی معاوية وهی من كلام أميرالمؤمنين الذی لا يشک فيه واين الذهب من الرغام و العذب من الاجاج و قد دلّ علیٰ ذلک الدليل الخرّيت و نقده النا قد البصير عمرو بن بحر الجاحظ فانه ذكر هذه الخطبة فی كتاب البيان و التبيين و ذكر من نسبها إلیٰ معاوية ... ».

کتاب مذکور[۳] کی طرف رجوع کرنے سے مؤلف کے مذکورہ بالا

---

۱ نہج (۴ : ۱۱۱)　　۲ نہج (۱ : ۵۱)
۳ جاحظ : البيان و التبيين (۱ : ۱۷۲) .

بیان کی تصدیق ہوجاتی ہے چنانچہ یہ خطبہ « کتاب‌البیان والتبیین » میں موجود ہے .

۲ـ امیرالمؤمنین کا وہ خطبہ جو آپ نے بصرہ جاتے ہوئے مقام ذی قار میں ارشاد فرمایا ہے ، جس کا آغاز یہ ہے :

« فصدع بما أمر به و بلغ رسالات ربه فلمّ الله به الصدع و رتق به الفتق »[۱]

اس کی ابتدا میں جامع نے لکھا ہے :

« ذکرها الواقدی فی کتاب الجمل »

۳ـ امیرالمؤمنین کا خط طلحه و زبیر کے نام جو اس طرح شروع ہوتا ہے :

« أما بعد ، فقد علمتما و ان کتمتما انی لم ارد الناس حتی أرادونی ولم اباتعهم حتی بایعونی » .[۲]

اس خط کے آغاز میں مؤلف نے لکھا ہے « ذکره ابو جعفر الإسکافی فی کتاب المقامات فی مناقب امیرالمؤمنین » .

٤ـ امیرالمؤمنین کا عہدنامہ جو آپ نے ربیعہ اور یمن کے درمیان تحریر فرمایا تھا جو اس طرح شروع ہوتا ہے :

« هذا ما اجتمع علیه أهل الیمن حاضرها و بادیها و ربیعة حاضرها و بادیها » .[۳]

اس کلام کی ابتدا میں جامع نے لکھا ہے : « و نقل من خط هشام بن الکلبی[۲] » میں اسے ہشام بن کلبی کے خط سے نقل کر رہا ہوں .

۵ـ امیرالمؤمنین کا خط معاویہ کے نام[٤] :

« أما بعد ، فقد علمت اعذاری فیکم و إعراضی عنکم حتی کان ما لابدّ منه ولادفع له .. » .

اس خط کی ابتدا میں بھی جامع نے حسب سابق واقدی کی « کتاب الجمل » کا حوالہ دیا ہے .

---

۱ نہج (۱ : ۲۰۲)
۲ نہج (۲ : ٦۰)
۳ نہج (۲ : ۷٤)
٤ نہج (۲ : ۷٤)

٦۔ امیرالمؤمنین کا خط حضرت ابو موسیٰ اشعری کے نام جو حکمین کے معاملہ کے جواب میں تھا جس کی ابتدا اس طرح ہے[1] :

« فإنّ الناس قد تغیر کثیر منہم عنّ کثیر من حظھم فمالوا مع الدنیا ولطقوا بالھوی » :

اس کی تمہید میں جامع نے لکھا ہے :

« ذکرہ سعید بن یحییٰ الأموی فی کتاب المغازی »

۷۔ أیھا المؤمنون من رأی عدواناً یعمل بہ و منکراً یدعیٰ إلیہ ، فانکرہ بقلبہ فقد سلم و برئ . . . »[2]

یہ کلام مؤلف نے حسب ذیل عبارت کے ساتھ نقل کیا ہے :

« و روی ابن جریر الطبری فی تأریخہ عن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ الفقیہ »

یہ قول تاریخ طبری میں موجود ہے[3] .

۸۔ العین وکاء السہ[4].

یہ قول نقل کر کے جامع نے لکھا ہے : و ھذا القول فی الأشہر الأظہر من کلام النبیّ علیہ السلام و قد رواہ قومٌ لأمیر المومنین و ذکر ذلک المبرّد فی « کتاب المقتضب » فی باب اللفظ بالحروف » .

٤۔ چوتھی قسم ان اقوال کی ہے جہاں جامع نے مصنف کا حوالہ دیا ہے ، چنانچہ امثال و حکم کے ذیل میں ایک مستقل فصل کے تحت امیرالمؤمنین کے وہ اقوال نقل کیے ہیں جن میں غریب الفاظ آئے ہیں اور ان کی تشریح بھی کی ہے ان میں چوتھے قول کی شرح کرتے ہوئے جامع نے لکھا ہے : « ھذا معنیٰ ما ذکرہ ابوعبید » .

اس مقام پر جامع نے اگرچہ کتاب کا حوالہ نہیں دیا نیز مصنف کا نام بھی بہت مختصر دیا ہے جس سے صحیح طور پر اس کا متعین کرنا دشوار ہے لیکن قیاس یہ بتاتا ہے کہ اس ابوعبید سے مراد، ابوعبید القاسم

---

۱ نہج (۲ : ۷۵)
۲ نہج (۲ : ۱۲۱)
۳ طبری : تأریخ (۸ : ۲۱)
٤ نہج ۲ : ۱۳۰)

بن سلام الهروی ہے جیسا تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ سب اقوال اس کی کتاب « غریب الحدیث » سے لیے گئے ہیں، چنانچہ بیشتر ان جملوں کی شرح بھی وہی ہے جو ابو عبید نے بیان کی ہے۔ یہ اقوال حسب ذیل ہیں:

۱ــ فاذا کان ذلک ضرب یعسوب الدین بذنبه فیجتمعون إلیه کما یجتمع قزع الخریف[۱] . ۲ــ هذا الخطیب الشحشح[۲] . ۳ــ إنّ للخصومة قحماً[۳] . ٤ــ إذا بلغ النسآء نص الحقاق فالعصبة أولی[٤] . ٥ــ إنّ الإیمان یبدو لمظة فی القلب کلما ازداد الإیمان ازدادت اللمظة[٥] . ٦ــ إنّ الرجل إذا کان له الدین الظنون یجب علیه أن یزکیه لما مضیٰ إذا قبضه[٦] . ۷ــ اعذبوا عن النساء ما استطعتم[۷] . کالمالج الیاسر ینتظر أول فوزة من قداحه[۸] . ۹ــ کنا إذا احمرّ البأس اتقینا برسول الله صلی الله علیه و آله فلم یکن أحد منا أقرب إلی العدوّ منه[۹] .

٥ــ پانچویں قسم میں وہ اقوال ہیں جہاں مؤلف نے صرف « رُوی » کہہ کر کلام کومع اس کے مورد کے نقل کیا ہے اور کسی کتاب یا مصنف اور راوی وغیرہ کا نام نہیں بتایا۔ اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ بروقت تالیف مؤلف کے سامنے اس کا کوئی ماخذ ضرور رہا ہوگا لیکن طوالت سے بچنے کے لیے اُنہوں نے اس کے اسناد بیان نہیں کیے۔ اس قسم کے کلام « نہج البلاغہ » میں چھ ہیں ان میں حسب ذیل دو کلام وہ ہیں جو دوسرے مآخذ میں پورے سلسلۂ سند کے ساتھ مجھ کو مل گئے ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

« رُوی أن صاحباً لأمیرالمؤمنین علیه السلام یقال له همام کان رجلاً عابداً فقال له یا أمیرالمؤمنین صف لی المتقین حتی کأنی أنظر إلیهم فتثاقل علیه السلام عن جوابه ثمّ قال یا همام اتق الله

---

۱ غریب الحدیث ورق ۱۹۸ (ب) مخطوطۂ رضا لائبریری رام پور
۲ ایضاً ورق ۱۹۷ (الف) ۳ ایضاً ورق ۱۹۸ (ب) ٤ ایضاً ٥ ایضاً ورق ۲۰۰ (ب)
٦ ایضاً ورق ۲۰۱ (الف) ۷ ایضاً ورق ۲۰۱ (ب) ۸ ایضاً ورق ۲۰۱ ب)
۹ ایضاً ورق ۲۰۲ (ب)

و أحسن فإنّ الله مع الذين اتقوا و الذين هم محسنون. فلم يقنع همام بهذا القول حتىٰ عزم عليه فحمد الله و اثنیٰ عليه و صلى على النبیّ صلى الله عليه و آله و قال: أما بعد فإنّ الله سبحانه خلق الخلق حين خلقهم غنياً عن طاعتهم آمنا من معصيتهم[1] .

یه پوری روایت شیخ صدوق (متوفی ۳۸۱ھ) نے اپنی امالی میں حسب ذیل اسناد کے ساتھ امام محمد باقر علیه السلام سے اس طرح روایت کی ہے:

«حدثنی محمد بن الحسن بن أحمد بن الولید رض قال حدثنی محمد بن الحسن الصفار قال حدثنا محمد بن حسان الواسطی عن عمه عبد الرحمن بن كثير الهاشمي عن جعفر بن محمد عن أبيه[2]».

۲—روی أنه علیه السلام لما ورد الكوفة قادماً من صفين مرّ بالشباميين فسمع بكاء النساء علىٰ قتلى صفين و خرج إليه حرب بن شرجيل الشبامی و كان من وجوه قومه فقال علیه السلام له تغلبكم نساءكم علىٰ ما أسمع ألا تنهونهنّ عن هذا الرنين و أقبل يمشی معه وهو راكب فقال عليه السلام له ارجع فإنّ مشی مثلک مع مثلی فتنة للوالی و مذلة للمؤمن[3]».

یه پوری روایت طبری میں ابو مخنف کے حوالے سے موجود ہے[4].

۵—پانچویں قسم میں «نہج البلاغه» کے وہ اقوال ہیں جہاں مؤلف نے اختلاف نسبت کے بارے میں اپنا نوٹ دیا ہے، ایسے اقوال «نہج البلاغه» میں حسب ذیل ہیں.

۱—«القناعة مال لا تنفد»[5] یه قول نقل کر کے جامع نے کہا ہے «وقد روىٰ بعضهم هذا الكلام لرسول الله».

۲—«العينُ وكاء السّه»[6] اس قول کے بارے میں جامع لکھتے ہیں: «وهذا القول فی الأشهر الأظهر من كلام النبیّ و قد رواه قوم لأميرالمؤمنين و ذكر ذلک المبرّد فی «كتاب المقتضب» فی باب اللفظ بالحروف».

---

۱ نہج (۱ : ۲۱۸).
۲ شیخ صدوق : امالی : مجلس ۸۴
۳ نہج (۳ : ۱۱۴).
۴ طبری : تاریخ (۶ : ۳۵)
۵ نہج (۲ : ۱۳۱).
۶ نہج (۲ : ۱۳۰).

دیگر مآخذ کی طرف رجوع کرنے سے مؤلف کے بیان کی پوری پوری تصدیق ہوجاتی ہے ابن قتیبہ دینوری (متوفی ۲۷۶ھ) نے کتاب «تأویل مختلف الحدیث»[1] میں، ابوعبید احمد بن الہروی (متوفی ۴۰۱ ھ) نے «کتاب الغریبین»[2] میں، نیز ابوعبید القاسم بن سلام متوفی ۲۲۴ ھ نے «کتاب غریب الحدیث[3]» میں بحیثیت ارشاد نبوی اس قول کو نقل کیا ہے۔

۳ــ «اخبر تقله[4]» . اس قول پر جامع نے حسب ذیل نوٹ دیا ہے۔

«و من الناس من یروی هذا للرسول و مما یقوی انه من کلام أمیرالمؤمنین ما حکاه ثعلب عن ابن الأعرابی قال المأمون لولا انّ علیاً قال «أخبر تقله لقلت : اقله تخبر»

چنانچہ ابو ہلال العسکری (متوفی بعد ۳۹۵ ھ) نے کتاب «جمہرة الأمثال» میں یہ قول بحثیت حدیث نبوی نقل کیا ہے۔

۴ــ «کانّ الموت کتب علی غیرنا ..»[5] .

۵ــ طوبیٰ لمن ذلّ فی نفسه و طاب کسبه ...[6]» .

یہ دونوں کلام نقل کرنے کے بعد جامع نے لکھا ہے «أقول و من الناس من ینسب هذا الکلام إلی رسول الله صلی‌الله علیه وآله‌وسلم و کذٰلک الذی قبله».

دیگر مآخذ کی طرف رجوع کرنے سے جامع کے اس بیان کی تصدیق ہوجاتی ہے چنانچہ پہلا کلام ابو نعیم اصفہانی نے[7] امام حسین سے اور دوسرا محی‌الدین ابن عربی متوفی ۶۳۸ ہجری نے[8] انس بن مالک سے قول رسول کی حیثیت سے روایت کیا ہے۔

---

۱ ابن قتیبه : تأویل مختلف الحدیث : ۶۵
۲ الهروی : کتاب الغریبین ورق ۱۳۴ الف) مخطوطہ رام پور
۳ ابوعبید : غریب الحدیث ۱۳۸ (ب) مخطوطة رام پور ۴ نہج(۲ : ۱۲۷)
۵ نہج (۲ : ۹۰) ۶ نہج (۲ ۹۰
۷ ابو نعیم اصفهانی : حلیة الأولیاء (۴ : ۲۰۲).
۸ ابن عربی : محاضرات الأبرار ص ۱۰۸

۶ـ «الحجر الغصیب فی الدار رهن علی خرابها[۱]».
یہاں بھی جامع نے حسب سابق وهی نوٹ دیا ہے مگر یہ قول مجھ کو ابھی کسی کتاب میں نہیں ملا۔

چھٹی قسم ان خطبات اور اقوال کی ہے جو تاریخ کی کسی اہم شخصیت یا واقعہ سے مرتبط ہیں، اس ذیل میں «نہج البلاغہ» کے تمام خطوط اور امثال و حکم کا ایک معتدبہ حصہ آتا ہے۔ ایسے ہر کلام کی ابتدا میں جامع نے اس کے مورد اور محل کو واضح طور پر بیان کر دیا ہے، جس کے بعد اس احتمال کی کوئی گنجایش باقی نہیں رہتی کہ یہ کلام خود جامع یا کسی متأخر شخصیت کی تصنیف ہوسکتا ہے، چنانچہ تاریخ و ادب کے قدیم مآخذ کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ کلام جامع کے بیان کردہ محل اور مورد پر بجنسہ موجود ہے۔[۲]

بہر حال «نہج البلاغہ» کی تالیف کا جو انداز ہے اس کو دیکھکر کوئی عقل یہ باور نہیں کر سکتی کہ یہ مجموعہ خود مؤلف کتاب کی تصنیف ہو سکتا ہے بلکہ اس کے برعکس یہ امر متعین ہو جاتا ہے کہ یہ خطبات ایک طویل جستجو کے بعد مختلف مقامات سے جمع کیے گئے ہیں[۳]۔

حقیقت یہ ہے کہ امیرالمؤمنین علی بن ابی‌طالب کی ذات گرامی جس طرح دیگر صفات؛ شجاعت و سخاوت و عفت و عدالت وغیرہ کا مظہر اتم تھی، اسی طرح فصاحت و بلاغت میں بھی اپنا مثل و نظیر نہ رکھتی تھی۔ آپ نے اپنی زندگی میں مختلف مواقع پر بکثرت خطبے بیان فرمائے اور اور چونکہ وہ فصاحت و بلاغت کا ایک اعلیٰ نمونہ اور ادب عربی کی روح رواں تھے، اس لیے قدرتی طور پر وہ ذہنوں میں محفوظ ہوگئے اور اس طرح اسی وقت سے ان کی روایت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ «نہج البلاغہ» میں چونکہ امیرالمؤمنین کے بیشتر وہ خطبے ہیں جو آپ نے عام مجمعوں میں

---

۱ نہج (۲: ۱۰۲).

۲ جناب امتیاز علی عرشی نے اپنے مقالے «استناد نہج البلاغہ» میں جتنے حوالے فراہم کیے ہیں، ان کا زیادہ حصہ «نہج» کے اسی قسم کے کلام پر مشتمل ہے۔

۳ جناب سید علی نقی لکھنوی نے اپنے مبسوط مقالے «مقدمۂ نہج البلاغہ» میں اس پر سیر حاصل روشنی ڈالی ہے۔

بیان فرمائے اس لیے ان کی اشاعت زیادہ سے زیادہ ہوئی اور ہر زمانے میں ان کے راوی کثیر تعداد میں رہے اس صورت میں خود « نہج البلاغہ » میں سلسلۂ رُواۃ کا نہ پایا جانا اس کی تاریخی صحت میں قدح کا موجب قرار نہیں دیا جاسکتا، پھر بھی جس طرح مجرد صورت میں اس کے حوالے آج متعدد کتابوں میں ملتے ہیں، اسی طرح اگر اس کے رجال اور رُواۃ کو بھی دیگر کتابوں میں تلاش کیا جائے تو بہت کچھ مواد فراہم ہو سکتا ہے۔

ذیل میں راویان خطب امیرالمؤمنین مندرجۂ « نہج البلاغہ » کی ایک فہرست مع کلام مرویہ کے دی جاتی ہے، جس سے اس کے رجال پر بہت کچھ روشنی پڑ سکتی ہے۔

حسن بن علی

آپ کے فضائل و مناقب سے کتب رجال و سیر بھری ہوئی ہیں، « نہج » کے کئی کلام آپ سے متعلق ہیں ان میں سب سے اہم وہ وصیت ہے جو امیرالمؤمنین نے جنگ صفین سے واپسی پر آپ کو لکھکر بھیجی ہے۔ اس کے علاوہ « نہج » کے حسب ذیل دو کلام بھی آپ سے مروی ہیں:

۱- « ملکتنی عینی وأنا جالس فسنحَ لی رسول الله فقلتُ یا رسول الله، ماذا لقیت من أمتک من الأود و اللدد[۱] ».

یہ کلام چوتھی صدی ہجری کے مشہور ادیب اور مؤرخ ابوالفرج اصفہانی (متوفی ۳۵٦ ھ) نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ آپ سے روایت کیا ہے[۲]:

حدثنی أحمد بن محمد بن دلان و أحمد بن الجعد و محمد بن جریر الطبری، قالوا حدثنا ابوهشام الرفاعی قال حدثنا ابوأسامة قال حدثنی ابوجناب قال حدثنی ابوعون الثقفی عن ابی عبدالرحمن السلمی عن الحسن بن علی، قال: خرجتُ أنا و أبی علیه السلامْ نصلی فی هذا المسجد فقال لی یا بنیّ إنی بت اللیلة اوقظ أهلی لانها لیلة الجمعة صبیحة قدر تسع عشر لیلةٍ خلت من شهر رمضان فملکتنی عینای فسنح لی رسول الله ... ».

---

۱ نہج (۱:۷۲) ۲ ابوالفرج اصفہانی: مقاتل الطالبیین ص ۱٦

۲- «و ذلک زمن لاینجو فیه إلا کل مومن نؤمة إن شهد لم یعرف و إن غاب لم یفتقد ...»[1]

یه کلام ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ ھ) نے کتاب «صفة الصفوة» میں امام حسن علیہ السلام سے روایت کیا ہے۔[2]

صعصعة بن صوحان العبدی

امیر المؤمنین علیه السلام کے خواص اصحاب میں ھیں، امام جعفر صادق کا ان کے بارے میں ارشاد ھے «ماکان مع أمیر المؤمنین من یعرف حقه إلا صعصعة واصحابه[3]» تمام ارباب سیر کا اس پر اتفاق ھے کہ صعصعه عهد رسالت ھی میں مشرف باسلام ھوگئے تھے لیکن آنحضرت صلی الله علیه و آله وسلم سے ملاقات نه کر سکے، آپ اپنی قوم قبیلۂ عبد القیس کے سرداروں میں تھے اور نہایت فصیح و بلیغ اور عاقل و متدین تھے[4]۔

اُنہوں نے اصحاب رسول میں حضرت عثمان، حضرت علی اور ابن عباس سے احادیث کی روایت کی ھے، ان کے تلامذہ میں ابو اسحق سبیعی، ابن بریدہ، شعبی، مالک بن عمیر، منہال بن عمرو وغیرہ کے نام خاص طور سے قابل ذکر ھیں۔ ابن سعد اور ابن حبان نے ان کو ثقه کہا ھے شعبی کا قول ھے: میں نے صعصعه سے خطبوں کی تعلیم حاصل کی ھے[5]۔ «نہج» کے حسب ذیل دو کلام آپ سے مروی ھیں:

۱- «لقد رأیت أصحاب محمد صلی الله علیه و آله فما أریٰ أحداً یشبهم، لقد کانوا یصبحون شعثاً غبراً و قد باتوا سجداً و قیاماً ...[6]»۔

یه کلام جامع «نہج البلاغه» کے استاد شیخ مفید، متوفی ۴۱۳ ھجری نے صعصعه کی روایت سے حسب ذیل طریقے پر نقل کیا ھے۔

«و من کلامه فی ذکر خیار الصحابة وزهادهم ما رواه صعصعة بن صوحان العبدی، قال: صلیٰ بنا أمیر المؤمنین علیه السلام ذات

---

۱ نہج (۱: ۱۸۱)
۲ ابن الجوزی: صفة الصفوة (۱: ۱۳۶)
۳ خلاصة الأقوال ص ۴۲
۴ ابن عبدالبر: الإستیعاب (۱: ۵۴۲)
۵ تهذیب التهذیب (۳: ۴۲۲)
۶ نہج (۱: ۱۱۲)

یوم صلوة الصبح فلما سلم أقبل علی‌القبلة بوجهه یذکرالله لا
یلتفت یمیناً و لا شمالاً حتیٰ صارت الشمس علی حائط مسجدکم
قدر رمح ثم أقبل‌علینا بوجهه فقال: لقد عهدت أقواماً علی عهد خلیلی
رسول‌الله صلی الله علیه و آله و انهم لیراوحون فی هذا اللیل بین جباههم
و رکبهم فاذا اصبحوا شعثاً غبراً بین أعینهم شبه رکب المعزی
فاذا ذکروا الموت، مادوا کما یمید الشجر فی الریح[1] . .».

۲ـــ امیرالمؤمنین کا خط جو آپ نے مالک اشتر کو والی بناتے وقت اهل مصر کے نام تحریر کیا ہے، اس کی ابتدا اس طرح ہے[2] :

«من عبدالله علی أمیر المؤمنین إلی القوم الذین غضبوا لله حین عصیٰ فی أرضه...».

یہ پورا خط ابو العباس احمد بن علی النجاشی (متوفی ۴۵۰ ھ) نے اسناد کے ساتھ صعصعہ سے روایت کیا ہے[3] :

«قال ابن نوح حدثنا علی بن الحسین بن سفیان الهمدانی قال حدثنا
علی بن أحمد بن خاتم بن التمیمی قال حدثنا عباد بن یعقوب
قال حدثنا عمرو بن ثابت عن جابر قال سمعت الشعبی ذکر ذلک
عن صعصعة قال: لما بعث مالک الأشتر کتب إلیهم:
من عبدالله أمیر المؤمنین إلی نفر من المسلمین سلام علیکم إنی
أحمد إلیکم الله الذی لااله إلا هو اما بعد: فإنی قد بعثت إلیکم
عبداً من عبیدالله لا ینام أیام الخوف و لا ینکل عن الأعداء».[2]

مغیرة بن شعبه

تاریخ اسلام کی مشہور شخصیت ہے، ان کا شمار دُهاة عرب میں ہے، حضرت عمر نے سب سے پہلی مرتبہ ان کو کوفے کا گورنر بناکر بھیجا تھا چنانچہ ان کی وفات تک وہ اس منصب پر بحال رہے. اس کے بعد حضرت عثمان کے دور حکومت میں ان کو معزول کردیا گیا جسکی وجہ سے جنگ صفین میں وہ بالکل الگ رہے لیکن تحکیم کے موقع پر پھر امیر معاویہ سے مل گئے چنانچہ امیر المؤمنین کی شہادت کے

۱ کتاب الإرشاد ص ۳۸ ۲ نہج (۲ : ۳۴) ۳ رجال نجاشی ص ۱۴۶

بعد جب امیر معاویہ نے امام حسن سے صلح کی اور کوفہ آے تو مغیرہ کو وهاں کا گورنر مقرر کردیا[1]. امیرالمؤمنین کا ان کے بارے میں ارشاد هے جو آپ نے عمار یاسر سے مخاطب هوکر فرمایا هے[2] :

«دعه یا عمّار فانه لم یأخذ من الدین إلا ما قاربه من الدنیا و علی عمد لبس علی نفسه لیجعل الشبهات عاذراً لسقطاته».

«نهج» کا حسبِ ذیل کلام جو حضرت عمر کے بارے میں هے ، ان سے مروی هے[3] :

« لله بلاد فلان فقد قوّم الأود و داوی العمد و خلف الفتنة ، و أقام السنة ، ذهب نقیّ الثوب ، قلیل العیب . أصاب خیرها و سبق شرّها أدّی إلی الله طاعته . و اتقاه بحقه رحل و ترکهم فی طرقٍ متشعبة ، لا یهتدی فیها الضالّ و لا یستیقن المهتدی » .

یہ کلام مؤرخ طبری نے اپنی تاریخ میں حسب ذیل موردکے ساتھ مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا هے[4] :

«حدثنی عمر ، قال حدثنا علی قال حدثنا ابن دأب و سعید بن خالد عن صالح بن کیسان عن المغیرة بن شعبة قال لما مات عمر رضی الله عنه ، بکته ابنة ابی حثمه فقالت وا عمراه ! اقام الأود و ابرأ العمد ، أمات الفتن و أحیا السنن ، خرج نقی الثوب ، بریئاً من العیب قال و قال المغیرة بن شعبة لما دفن عمر أتیت علیا و أنا أحب أن أسمع منه فی عمر شیئاً فخرج ینفضّ رأسه و لحیته وقد اغتسل وهو ملتحف بثوبٍ لایشک أن الأمر یصیر إلیه فقال یرحم الله ابن الخطاب لقد صدقت ابنة ابی حثمه لقد ذهب بخیرها و نجا من شرّها ام و اللهِ ما قالت و لکن قولت » .

حسین بن علی

آپ کی گرامی ذات تعارف و توثیق سے بالاتر هے ، رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم کی وفات کے بعد تقریباً تیس سال آپ کو اپنے

۱ الإستیعاب (۱ : ۱۵۰۳)
۲ نهج (۲ : ۱۲۴)
۳ نهج (۱ : ۲۰۰)
٤ طبری : تاریخ (٥ : ۲۸)

والد ماجد علی بن ابی طالب علیہ السلام کی صحبت اُٹھانے کا موقع ملا اور سفر و حضر، خلوت و جلوت، رزم و بزم، ہر موقع پر آپ نے امیرالمؤمنین کے ارشادات کو سنا ہے۔ منجملہ دیگر خطبات اور اقوال کے «نہج البلاغہ» کے بھی حسب ذیل کلام آپ سے مروی ہیں:

۱ــ« أما قولكم اكل ذلك كراهية الموت، فوالله ما أبالی ادخلت إلى الموت أو خرج الموت إلیّ »[۱].

۲ــ« أيها الناس! إنّما الدنيا دار مجاز و الآخرة دار قرار فخذوا من ممرّكم لمقرّكم ولا تهتكوا أستاركم عند من يعلم أسراركم و اخرجوا من الدنيا قلوبكم من قبل أن تخرج منها أبدانكم »[۲].

یہ دونوں کلام شیخ صدوق متوفی ۳۸۱ھ نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ امام حسین سے روایت کیے ہیں:

« حدثنا أحمد بن الحسن الحسینی عن الحسن بن علی عن أبيه عن محمد بن علی عن ابيه الرّضا عن أبيه موسیٰ بن جعفر عن أبيه جعفر بن محمد عن أبيه محمد بن علی عن أبيه علی بن الحسين عن أبيه الحسين بن علی قال قال أميرالمؤمنين ... »

اس مقام پر یہ دونوں کلام قدرے لفظی تغیّر کے ساتھ درج ہیں[۳].

۳ــ« والله لئن أبيت علیٰ حسک السعدان مسهداً و اجرّ فی الاغلال مصفداً أحبّ إلیّ من ان القی اللهَ و رسوله، يوم القيامة ظالماً لبعض العباد ... ».

یہ پورا کلام قدرے لفظی تغیر اور اضافے کے ساتھ شیخ صدوق متوفی ۳۸۱ھ نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ آپ سے روایت کیا ہے[٤]:

حدثنا علی بن أحمد بن موسیٰ الدقاق، قال حدثنا محمد بن الحسن الصفاء قال حدثنا محمد بن محسن عن المفضل بن عمرو عن الصادق جعفر بن محمد عن أبيه عن جده عن آبائه »

---

۱ نہج (۱ : ٦٤)
۲ نہج (۱ : ۲۳۰)
۳ نہج (۱ : ۲٤۸)
٤ شیخ صدوق : امالی مجلس ۹۰

۴۔ امیرالمؤمنین کا کلام جو آپ نے حضرت سیدۃ نساء عالمین صلوات اللہ علیہا کے دفن کے وقت ارشاد فرمایا ہے جس کی ابتدا اس طرح ہے[1] :

« السلام علیک یا رسول اللہ عنی و عن ابنتک النازلۃ فی جوارک . . . »

یہ کلام شیخ ابو جعفر طوسی متوفی ۴۶۰ھ نے حسب ذیل طریقہ پر آپ سے روایت کیا ہے[2] .

« و عنہ قال أخبرنا الشیخ المفید ابو علی الحسن بن محمد الطوسی رحمہ اللہ ، قال أخبرنا الشیخ السعید الوالد رحمہ اللہ ، قال أخبرنی محمد بن محمد قال أخبرنی ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین ، قال حدثنی أبی ، قال حدثنا أحمد بن ادریس قال حدثنا محمد بن عبدالجبار عن القاسم بن محمد الداوی عن علی بن محمد بن الهرمزواری عن علی بن الحسین عن أبیہ الحسین علیہ السلام قال لما مرضت فاطمۃ بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وصت إلیٰ علی بن ابی طالب علیہ السلام أن یکتم أمرها ویخفی خبرها ولا یؤذن أحداً بمرضها ... » .

۵۔ امیرالمؤمنین کا کلام جو آپ نے ارشاد فرمایا تھا جب آپ ایک جنازہ کی مشائعت میں تشریف لے جا رہے تھے اور ایک شخص کی ہنسی گوش زد ہوئی ، جو اس طرح شروع ہوتا ہے[3] :

« کأنّ الموت کتب علیٰ غیرنا وکأنّ الحق فیها علیٰ غیرنا وجب . . . » .

اس کلام پر جامع نے یہ نوٹ دیا ہے کہ کچھ لوگ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ کی طرف منسوب کرتے ہیں ، اس کی تصدیق اس طرح ہو جاتی ہے کہ حافظ ابو نعیم اصفہانی (متوفی ۴۳۰ھ) نے قول رسول ہی کی حیثیت سے اس کو امام حسین علیہ السلام سے روایت کیا ہے . اسناد حسب ذیل ہیں[4] :

حدثنا القاضی ابوبکر محمد بن عمر بن مسلم املاءً ، حدثنا القاسم بن محمد بن جعفر بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی

---

۱ نہج (۱ : ۲۳۰) .
۲ طوسی : امالی ص ۴۷
۳ نہج (۲ : ۹۰) .
۴ حلیۃ الاولیا ، ۴ : ۲۰۳)

بن ابی طالب ، حدثنی ابی عن أبیه جعفر بن محمد عن أبیه عن علی بن الحسین عن الحسین بن علی قال رأیت رسول الله قام خطیباً علی أصحابه فقال : «أیها الناس کانّ الموت فیها علی غیرنا کتب و کان الحق فیها علی غیرنا وجب ...»

۶- «من وضع نفسه مواضع التهمة فلایلومن من أساء به الظن»[1]

۷- «من کتم ستره کانت الحیرة بیده»[2]

۸- «لا تظنن بکلمة خرجت من أحد سوء و انت تجد لها فی الخیر محتملا»[3]

۹- «فاتقوا شرار النساء و کونوا من خیارهن علی حذر ولاتطیعوهن فی المعروف حتی لا یطمعن فی المنکر[4]»

مذکورہ بالا تینوں کلام شیخ صدوق متوفی ۳۸۱ ھ نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ امام حسین علیہ السلام سے روایت کئے ہیں[5] :

حدثنا احمد بن محمد بن یحییٰ العطار ، قال حدثنا أبی عن محمد بن الحسین بن ابی الخطاب عن محمد بن سنان عن أبی الجارود عن أبی جعفر الباقر عن أبیه عن جده ...» .

۱۰ «الإیمان معرفة بالقلب و إقرار باللسان و عمل بالأرکان»[6]

یہ کلام شیخ ابو جعفر طوسی متوفی ۴۶۰ ھ نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ بحیثیت قول رسول آپ سے روایت کیے ہیں[7] :

أخبرنا جماعة قالوا أخبرنا ابوالمفضل قال حدثنا ابوالحسن علی بن محمد بن مهرویه الصنعانی بقزوین و جعفر بن ادریس القزوینی المجاور بمکة قال حدثنا داوٗد بن سلیمان الغازی القزوینی و حدثنا عبدالله بن أحمد بن عامرالطائی ببغداد والأهواز قال حدثنی أبی وحدثنی أحمد بن علی بن مهدی بن صدقة بن هشام بن غالب البرقی بحلب ، قال حدثنا أبی قال حدثنا علی بن موسیٰ الرضا ، قال حدثنی ابی موسیٰ بن جعفر قال حدثنی ابی جعفر بن محمد علیهم السلام

---

۱ نہج (۱ : ۹۶) ۲ نہج (۲ : ۹۶) ۳ نہج (۲ : ۱۱۸)

۴ نہج (۱ : ۸۰) ۵ صدوق : أمالی مجلس ۵۰

۶ نہج (۲ : ۱۰۱) ۷ طوسی : امالی ص ۲۸۶

قال حدثنی ابی محمد بن علی قال حدثنی ابی علی بن الحسین علیهما السلام قال حدثنی ابی الحسین قال حدثنی علی بن ابی طالب قال سمعت النبی صلی الله علیه و آله یقول: الإیمان إقرار باللسان و معرفة بالقلب و عمل بالأرکان».

مسور بن مخرمه

ان کا شمار اصحاب رسول میں ھے، علامه ابن عبد البر نے لکھا ھے که آنحضرت کے انتقال کے وقت ان کی عمر آٹھ سال کی تھی. انھوں نے رسول الله سے احادیث کی سماعت کی ھے نیز حضرات عمر بن الخطاب، عبدالرحمن بن عوف اور عمرو بن عوف وغیرہ سے روایت کی ھے. فاضل اور متدین فقہاء میں تھے. شوریٰ کے موقع پر آپ اپنے ماموں عبدالرحمن بن عوف کے برابر آگے پیچھے رھے اور حضرت عثمان کے قتل کے وقت مدینے میں موجود تھے[1].

«نہج» کے حسب ذیل دو کلام جو امیرالمؤمنین نے شوریٰ کے موقع پر ارشاد فرمائے ھیں، ان سے مروی ھیں:

۱ «لم یسرع أحد قبلی إلیٰ دعوة حق و صلة رحم و عائدة کرم»[2].

۲ «لنا حق فان أعطیناه و إلا رکبنا إعجاز الإبل ولو طال السری»[3].

یه دونوں کلام طبری نے حسب ذیل طریقے پر مسور بن مخرمه سے روایت کیے ھیں[4]:

«و أما المسور بن مخرمه فانّ الروایة عندنا عنه ما حدثنی سالم بن جنادة ابوالسائب قال حدثنا سلیمان بن عبد لعزیز بن ابی ثابت بن عبد العزیز بن عمر بن عبد الرحمن بن عوف، قال حدثنا ابی عن عبد الله بن جعفر عن أبیه عن المسور بن مخرمه ... ثم تکلم علی بن ابی طالب رضی الله عنه فقال: الحمد لله الذی بعث محمدا نبیاً و بعثه إلینا رسولاً فنحن بیت النبوة و معدن الحکمة و أمان أهل

---

۱ الإستیعاب (۱ : ۲۶۱)

۲ نہج (۱ : ۱۴۹)

۳ نہج (۲ : ۷۸).

۴ طبری : تاریخ (۵ : ۳۹)

الأرض و نجاة لمن طلب، لنا حق أن نعطه نأخذ و أن نمنعه نركب أعجاز الإبل و لو طال السری لو عهد ألینا رسول الله صلی الله علیه و سلم عهداً لا نفذنا عهده و لوقال لنا قولا لجادلنا علیه حتی نموت لن یسرع أحد قبلی إلی دعوة حق و صلة رحم و لاحول و لاقوة إلا بالله».

عبد الله بن عبّاس

یه رسول الله صلی الله علیه و آله کے جلیل القدر صحابی هیں. آنحضرت کا اُن کے بارے میں ارشاد هے «اللهمّ علمه الحکمة و تأویل القرآن» حضرت عمر ان کے علم اور ذهانت کی بنا پر ان کا بهت احترام کرتے تهے اور اجله اصحاب کے ساته برابر مشوره میں شریک رکهتے تهے. حضرت علی کے خواص اصحاب اور احباب میں تهے اور آپ کے ساته تمام مشاهد جنگ جمل وصفین اور نهرون میں شریک رہے هیں[1]. «نهج البلاغه» کے حسب ذیل کلام ان سے مروی هیں.

۱ــ خطبهٔ شقشقیه، جس کی ابتدا اس طرح هے:

«أما و الله لقد تقمصها فلان و أنه لیعلم انّ محلی منها محل القطب من الرحیٰ»[2]

امیر المؤمنین کا یه مشهور خطبه هے جو مختلف طرق اور اسناد کے ساته عبد الله بن عباس کی روایت سے ملتا هے. چنانچه حسب ذیل اکابر نے اپنی اپنی کتابوں میں اسے روایت کیا هے.

۱ ابو القاسم عبد الله بن احمد بن محمود الکعبی البلخی المعتزلی (م ۳۱۹ه)
۲ ابو جعفر محمد بن عبد الرحمن بن قبة الرازی تلمیذ ابی القاسم البلخی[3]
۳ ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ بن بابویه القمی الشهیر بالشیخ الصدوق (م ۳۸۱ ه)
٤ ابو عبدالله محمد بن النعمان المعروف بالشیخ المفید (م ٤۱۳ ه)
٥ شیخ الطائفة ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی (م ٤٦۰ ه)

---

۱ الإستیعاب ۱۰ : ۳۷۲)
۲ نهج (۱ : ۲٤)
۳ شرح ابن ابی الحدید (۱ : ٤۰)

شیخ صدوق نے اپنی دونوں کتابوں « معانی الأخبار[۱] » اور « علل الشرائع[۲] » میں حسب ذیل اسناد کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے .

۱ حدثنا محمد بن علی ماجیلویه رضی الله عنه عن عمه محمد بن ابی القاسم، عن أحمد بن ابی عبدالله البرقی عن أبیه ابن ابی عمیر عن عن أبان بن عثمان عن أبان بن تغلب عن عکرمة عن ابن عباس .

۲ حدثنا محمد بن ابراهیم بن اسحق الطالقانی رضی الله عنه قال حدثنا عبدالعزیز بن یحییٰ الجلودی ، قال حدثنا ابو عبدالله أحمد بن عمار بن خالد ، قال حدثنا یحییٰ بن عبدالحمید الحمانی ، قال حدثنی عیسیٰ بن راشد عن علی بن جزیمه عن عکرمة عن ابن عباس .

شیخ ابو جعفر طوسی نے اس خطبه کو ابن عباس سے اس طرح روایت کیا ہے[۳] :

« وبالاسناد و قال أخبرنا الحفار قال حدثنا ابو القاسم الدعبلی ، قال حدثنا ابی حدثنا اخی دعبل قال حدثنا محمد بن سلامة الشافعی عن زرارة بن أعین عن ابی جعفر محمد بن علی عن ابن عباس و عن محمد عن أبیه عن جده » .

۲ امیرالمؤمنین کا کلام حضرت عثمان کی دی ہوئی جاگیروں کے بارے میں :

« و الله لو وجدته قد تزوج به النساء و ملک به الأماء لرددته فإنّ فی العدل سعة و من ضاق علیه العدل فالجور علیه أضیق»[۴] .

اس کلام کی شرح کرتے ہوئے ابن ابی الحدید نے لکھا ہے :

« وهذه الخطبة ذکرها الکلبی مرویة مرفوعة إلیٰ أبی صالح عن ابن عباس»[۵] .

۳ امیرالمؤمنین کا خطبه جو آپ نے اهل بصره سے جنگ کرنے کی غرض سے نکلتے وقت ارشاد فرمایا :

« إنّ الله بعث محمداً صلی الله علیه و آله و لیس فی العرب أحد یقرأ کتاباً و لا یدّعی نبوة »[۶] .

---

۱ شیخ صدوق : معانی الأخبار ص ۱۳۲
۲ شیخ صدوق : علل الشرائع ص ٦٨
۳ ابو جعفر الطوسی : الأمالی ص ۳۷
۴ نہج (۱:۳۱)
۵ شرح ابن ابی الحدید (۱:۵۰)
۶ نہج (۱:۵۱)

یہ پورا خطبہ شیخ مفید نے حسب ذیل طریقے پر ابن عباس سے روایت کیا ہے[1] :

«و لما توجه أمیرالمومنین إلی البصرة نزل الربذة بها فلقیه آخر الحاج فاجتمعوا لیسمعوا من کلامه و هو فی خبائه قال ابن عباس رضی الله عنه» فاتیته فوجدته یخصف نعلاً فقلت له نحن الی ان تصلح امرنا أحوج منک إلی ما تصنع فلم یکلمنی حتی فرغ من نعله ثم ضمها إلی صاحبتها و قال لی قومهما فقلت لیس لها قیمة قال علی ذالک، قلتُ کسر درهم قال و اللهِ لهما احب الیّ من امرکم هذا الا ان اقیم حقا او ادفع باطلا قلت ان الحجاج قد اجتمعوا لیسمعوا من کلامک فتاذن فی ان اتکلم فان کان حسناً کان منک و ان کان غیر ذلک کان منی قال لا انا اتکلم ثم وضع یده علی صدری. و کان شثن الکفین فالمنی ثم قام فاخذت بثوبه و قلت نشدتک بالله و الرحم قال لا تنشدنی ثم خرج فاجتمعوا علیه فحمد الله و اثنی علیه ثم قال اما بعد: فانّ الله قد بعث محمداً ولیس فی العرب أحد یقرأ کتابا» .

٤ــــ امیرالمؤمنین کا کلام جو آپ نے حضرت ابوذر کے ربذہ روانہ ہوتے وقت ارشاد فرمایا جسکی ابتدا اس طرح ہے[2] :

«یا اباذر إنک غضبت لله فارج من غضبت له ...» .

یہ کلام ابو بکر احمد بن عبدالعزیز الجوهری متوفی ۳۳۲ھ نے «کتاب السقیفه» میں پوری تفصیل کے ساتھ عبدالله بن عباس سے روایت کیا ہے چنانچہ شارح «نہج البلاغه» ابن ابی الحدید نے اپنی شرح میں اسی کتاب سے یہ واقعہ اور کلام نقل کیا ہے[3].

٥ــــ «أيتها النفوس المختلفة، والقلوب المتشتتة، الشاهدة أبدانهم والغائبة عنهم عقولهم[4] ...» .

---

١ الإرشاد ص ١٤٤
٢ نهج (١ : ٤٣٠)
٣ شرح ابن ابی الحدید (١ : ٤٠٩)
٤ نهج (١ : ١٤٤)

یہ خطبہ ابن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ نے اپنی کتاب «مناقب» میں مجاہد کے حوالے سے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے[1]۔

٦ــامیرالمؤمنین کا مکتوب عبداللہ بن عباس کے نام :

«أما بعد، فانّ المرء قدیسرہ درک مالم یکن لیفوتہ ویسوءہ فوت ما لم یکن لیدرکہ»[2]۔

یہ پورا خط ابو اسمعیل قالی نے اپنی «امالی» میں حسب ذیل اسناد کے ساتھ ابن عباس سے روایت کیا ہے[3] :

«و حدثنا ابو بکر بن درید رحمہ اللہ، قال حدثنا العکلی عن أبیہ قال بلغنی عن ابن عباس أنہ قال کتب إلیّ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بوعظۃ ما سررت بموعظۃ سروری بہا اما بعد : فإنّ المرء قد یسرہ درک ما لم یکن لیفوتہ»۔

امیرالمؤمنین کا یہ خط عربی ادب میں خاص شہرت رکھتا ہے چنانچہ ابواسمعیل قالی کے علاوہ دیگر اکابر مثلاً الحرانی، محمد بن یعقوب کلینی، ابو حیان توحیدی، ابن عبدربہ الاندلسی، باقلانی، ماوردی، سبط ابن الجوزی وغیرہ نے بھی اس کو اپنے اپنے سلسلۂ سند کے ساتھ ابن عباس سے روایت کیا ہے[4]۔

۷ــ امیرالمومنین کا کلام اولیاے خدا کی تعریف میں :

«إنّ اولیاء اللہ ہم الذین نظروا إلیٰ باطن الدنیا إذا نظر الناس إلی ظاہرہا واشتغلوا بأجلہا إذا اشتغل الناس بعاجلہا[5]»

یہ کلام شیخ مفید نے «مجالس» میں حضرت ابن عباس سے حسب ذیل اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے :

«عن المرزبانی عن محمد بن أحمد الکاتب عن أحمد بن ابی خیثمۃ عن عبدالملک بن داہر عن الأعمش عن عبایۃ الأسدی عن ابن عباس قال : ألا انّ اولیاء اللہ[6]»

---

۱ بحارالانوار (۱۷ : ۸۱) ۲ نہج (۲ : ۱۲)

۳ تحف العقول ص۴۶، اصول کافی (۲ : ۱۱۲)، کتاب البصائر ص۲۰۳، عقدالفرید (۱ : ۳۵۵)، إعجازالقرآن (۱ : ۱۹۵)، ادب الدنیا والدین ص۷۳، صفۃالصفوۃ (۱ : ۱۲۶)

۴ نہج (۱ : ۱۲۷)۔ ۵ بحارالانوار (۱۷ : ۴۱۹) ۶ قالی : الأمالی (۲ : ۹۵)۔

مہاجر بن عمیر

بالاتفاق صحابی رسول ہیں، آپ نے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے احادیث کی سماعت کی ہے . ان سے روایت کرنے والوں میں ابوساسان، حصین بن منذر رقاشی کے نام قابل ذکر ہیں. ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان کے زمانۂ خلافت میں یہ اہل شرطہ میں تھے، آخر عمر میں بصرہ چلے گئے تھے وہیں ان کا انتقال ہوا[1] .

امیرالمؤمنین علیہ السلام کا ایک خطبہ[2] ان سے مروی ہے جس کو حافظ ابو نعیم اصفہانی متوفی ٤٣٠ ھ نے اپنی مشہور کتاب «حلیۃ الأولیا» میں اپنے سلسلۂ سند کے ساتھ روایت کیا ہے.

«حدثنا ابو بکر الطلحی ثنا محمد بن عبداللہ الحضرمی، ثنا عون بن سلام ثنا ابو مریم عن زبید عن مہاجر بن عمیر قال قال علی بن ابی طالب: انّ اخوف ما اخاف اتباع الهوىٰ و طول الأمل فاما اتباع الهوىٰ فیصد عن الحق و اما طول الامل فینسی الآخرة».

یہ پورا کلام نقل کرنے کے بعد مؤلف لکھتے ہیں: «ورواہ الثوری و جماعة عن زبید مثله عن علی مرسلاً ولم یذکر مہاجر بن عمیر[3]». محی الدین ابن عربی متوفی ٦٣٨ ہجری نے یہ کلام قول رسول کی حیثیت سے اپنی کتاب «محاضرات الأبرار و مسامرة الأخیار» میں نقل کیا ہے جس میں راوی اول حضرت ابوہریرہ ہیں[4] .

ابو جحیفہ السوائی

صغار صحابہ میں ہیں، ارباب سیر کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات کے وقت ابو جحیفہ بہت کم سن تھے اور سن بلوغ کو نہ پہنچے تھے تاہم آنحضرت سے آپ نے احادیث کو سنا ہے اور آپ سے براہ راست روایت کی ہے. امیر المؤمنین علی بن ابی طالب نے ان کو کوفہ کے بیت المال پر مقرر کردیا تھا، جمل و صفین وغیرہ میں وہ آپ کے ہمراہ رہے ہیں[5] .

---

١ تہذیب التہذیب (١٠: ٣٢٣)
٢ نہج (١: ٨٥)
٣ ابونعیم اصفہانی: حلیۃ الاولیا، ١: ٧٩)
٤ ابن العربی: محاضرات الأبرار (٢: ٧٢)
٥ الاستیعاب (٢: ٦٢٣)

« نہج » کا حسب ذیل کلام ان سے مروی ہے[1] :

« أول ما تغلبون عليه من الجهاد بأيديكم ثمّ بألسنتكم ثمّ بقلوبكم فمن لم يعرف بقلبه معروفاً ولم ينكر منكراً قلب فجعل أعلاه أسفله و أسفله أعلاه » .

عاصم بن ضمره

تابعین اہلِ کوفہ میں ہیں ، آپ نے براہ راست امیر المؤمنین علی بن ابی طالب سے احادیث کو سنا ہے ، ان کے تلامذہ میں حکم بن عتیبہ اور ابو اسحاق سبیعی کے نام ملتے ہیں ۔ علی بن مدینی اور احمد بن عبداللہ وغیرہما نے ان کو ثقہ کہا ہے[2] ، سفیان ثوری کا قول ہے : « کنا نعرف فضل حديث عاصم بن ضمرة على حديث الحارث[3] » ۔

« نہج » کا حسب ذیل کلام ان سے مروی ہے :

« الفقيه كل الفقيه من لم يقنط الناس من رحمة الله ولم يؤيسهم من روح الله ولم يؤمنهم من مكر الله » ۔

یہ کلام ابونعیم اصفہانی نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ عاصم بن ضمرہ سے روایت کیا ہے[4] :

« حدثنا ابی ، ثنا ابو جعفر محمد بن ابراهيم بن الحكم ، ثنا يعقوب بن ابراهيم الدورقي ، ثنا شجاع بن الوليد عن زياد بن خيثمة عن ابی اسحاق عن عاصم بن ضمرة عن علی قال : ألا أنّ الفقيه »

طارق بن شہاب

ابو عبد اللہ البجلی الکوفی ، انہوں نے جاہلیت کا زمانہ پایا ہے اور آنحضرت کو دیکھا ہے[5] ۔ ابن سعد نے قیس بن مسلم سے روایت کی ہے کہ میں نے طارق بن شہاب کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ کو دیکھا ہے اور ابو بکر کے زمانۂ خلافت میں جہاد کیا ہے ، طارق نے صحابۂ رسول میں سے حضرت ابو بکر ،

---

۱ نہج (۳ : ۱۲۱) ۲ تہذیب التہذیب (۱۰ : ۳۲۸)

۳ ابن ابی حاتم الرازی : الجرح و التعدیل (۳ : ۳۴۵) ۴ حلیۃ الأولیاء (۱ : ۷۷)

۵ الاستیعاب (۱ : ۲۱٤)

حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، عبد اللہ، خالد بن ولید حذیفۃ بن الیمان، سلمان فارسی، ابو موسیٰ اشعری، ابو سعید خدری نیز اپنے بھائی ابو عزرہ سے احادیث کی روایت کی ہے[۱] اور ان سے اسماعیل بن ابی خالد، مخارق بن عبداللہ، سلیمان بن قیس اور مغیرہ بن شبل وغیرہ نے[۲]. صاحب «منتھی المقال» نے لکھا ہے کہ طارق کا شمار امیرالمؤمنین علی بن ابی طالب کے اصحاب میں ہے[۳].

«نہج» کا حسب ذیل کلام ان سے مروی ہے[٤] :

«فو اللہ لا أکون کالضبع تنام علی طول اللدم حتی یصل إلیہا طالبہا»

یہ کلام شیخ ابو جعفر طوسی نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ طارق ابن شہاب سے روایت کیا ہے :

«وعنہ عن شیخہ رضی اللہ عنہ قال أخبرنا محمد بن محمد قال أخبرنی ابوالحسن علی بن محمد الکاتب، قال أخبرنی الحسن بن علی بن عبدالکریم قال حدثنا ابو اسحاق بن محمد الثقفی قال أخبرنی ابونعیم الفضل بن دکین قال حدثنا ابو عاصم عن قیس بن مسلم قال سمعت طارق بن شہاب یقول : لما نزل علی علیہ السلام بالربذۃ سئلت عن قدومہ إلیہا» .

اس کے بعد روایت طویل ہے اور جنگ جمل نیز طلحہ و زبیر کی معاندانہ روش کا تذکرہ ہے اسی سلسلے میں امیرالمؤمنین کا مذکورہ بالا قول درج کیا ہے[٥] . ابو جعفر طوسی کے علاوہ، ابوعبید القاسم بن سلام متوفی ۲۲٤ھ نے بھی اس کلام کو طارق بن شہاب ہی کی روایت سے نقل کیا ہے[٦] .

کلیب بن شہاب الجرمی

کلیب اور ان کے والد شہاب دونوں صحابی رسول تھے، عاصم بن کلیب جو مشہور راوی اخبار ہیں، ان ہی کلیب کے بیٹے ہیں . علامہ ابن

---

۱ ابن سعد . طبقات (٦ : ٤٤)
۲ الإستیعاب (۱ : ۲۱٤)
۳ منتہی المقال ص ۳٤۳
٤ نہج (۱ : ۳۸)
٥ شیخ ابو جعفر . الأمالی ص ۳٤۳
٦ غریب الحدیث ورق ۱۹٦ (ب) مخطوطۃ رضا لائبریری رام پور

عبدالبر نے «الإستیعاب» میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور عاصم کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے ۔کہ ایک مرتبہ میرے والد اپنے باپ کے ہمراہ ایک جنازے میں شرکت کی غرض سے گئے جس میں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ بھی موجود تھے ، میں اس وقت اگرچہ لڑکا تھا مگر سمجھدار تھا، اس موقع پر رسول‌اللہ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی :
« إنّ الله عزّ وجلّ يحب من العامل إذا عمل عملاً أن يحسن[1] »

ابن سعد نے لکھا ہے کہ کلیب نے حضرت علی اور حضرت عمر سے احادیث کی روایت کی ہے اور وہ ثقہ اور کثیرالحدیث تھے[2] . رجال « نہج البلاغہ » کے سلسلے میں کلیب کا نام اس بنا پر دہری اہمیت رکھتا ہے کہ امیر المؤمنین کا کلام مندرجہ « نہج‌البلاغہ[3] » ان ہی سے واقع ہوا ہے جس کی تمہید میں جامع لکھتے ہیں :

« كلّم به بعض العرب و قد أرسله قوم من أهل البصرة لماقرب منها ليعلم لهم منه حقيقة حاله مع أصحاب الجمل لتزول الشبهة من نفوسهم فبيّن له عليه السلام من أمره معهم ما علم به انه على الحق ثم قال له بايع فقال إني رسول قوم ولا أحدث حدثاً حتى أرجع إليهم فقال عليه السلام : أرأيت لو أنّ الذين وراءك بعثوك رائداً تبتغي لهم مساقط الغيث ».

یہ پورا کلام نقل کرنے کے بعد جامع نے آخر میں لکھا ہے : «و الرجل يعرف بكليب الجرمي»[4].

امیر المؤمنین کا مشہور قول «هذا الخطيب الشحشح[5]» ان سے مروی ہے جس کو طبری نے اپنے سلسلۂ سند کے ساتھ حسب ذیل طریقے پر کلیب سے روایت کیا ہے :

« قال ابو جعفر أخرج إليّ زياد بن ايوب كتاباً فيه أحاديث عن

---

۱ . الإستيعاب (۱ : ۲۲٤)　۲ طبقات (٦ : ۸٤)　۳ نہج (۱ : ۱۷۹)
٤ نہج (۱ : ۱۷۹)　۵ نہج (۲ : ۱۰۵)

شیوخ ذکر أنه سمعها منهم قرأ علیّ بعضها و لم یقرأ علیّ بعضها فمالم یقرأعلیّ من ذٰلک فکتبته منه قال حدثنا مصعب بن سلام التمیمی فقال حدثنا محمد بن سوقه عن عاصم بن کُلَیب الجرمی عن أبیه ... فقال علی: أما ان هذا لهو الخطیب الشحشح »[1].

جابر بن عبدالله الأنصاری

مشهور صحابیِ رسول ہیں، جنگ اُحد میں آنحضرت کے ہمراہ رہے ہیں، خانوادہ رسالت کے مخصوص عقیدت گزاروں میں تھے چنانچہ جنگِ صفین میں حضرت علی کے ہمراہ تھے[2] آپ نے ائمۂ اہل بیت میں حضرت علی، امام حسن، امام حسین، امام زین‌العابدین، امام محمد باقر علیہم السلام کو دیکھا ہے اور ان سب سے احادیث کی روایت کی ہے۔

«نہج البلاغہ» کے حسب ذیل دو کلام ان سے مروی ہیں:

۱ ـــ «یا أهل الدیار الموحشة و المحال المقفرہ، و القبور المظلمة، یا أهل التربة، یاأهل الغربة[3] ».

۲ ـــ «أیها الذّام للدنیا المغترّ بغرورها، المخدوع بأباطیلها، أتغترّ بالدنیا ثم تذمّها[4] ».

یہ دونوں کلام ابن شیخ الطائفہ نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ ایک ہی روایت کے سلسلے میں جابر بن عبداللہ سے روایت کیے ہیں:

« و عنه قال أخبرنا جماعة عن ابی المفضل، قال حدثنا محمد بن جعفر الرزان ابو العباس القرشی، قال حدثنا أیوب بن نوح بن درّاج قال حدثنا بشار بن ذراع عن أخیه یسار عن حمران عن ابی عبدالله عن ابیه عن جابر بن عبدالله قال».

جابر کا بیان ہے: بینا أمیر المؤمنین فی جماعةٍ من أصحابه أنا فیهم إذ ذکروالدنیا و تصرّمها بأهلها فذمها رجل فذهب فی ذمها کلّ مذهب فقال له أمیرالمؤمنین «أیها الذام للدنیا».[5]

---

۱ طبری: تاریخ ۱۹۴.۵،. ۲ الإستیعاب (۱. ۸۵). ۳ نہج (۳: ۹۱)
۴ ایضاً (۲: ۹۱). ۵ ابن الشیخ: الأمالی ص ۶

اصبغ بن نباتة الحنظلی المجاشعی

امیر المؤمنین علیه السلام کے مخصوص اصحاب میں تھے۔ عجلی نے ان کا شمار تابعین اہل کوفہ میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ ثقہ تھے آپ نے حضرت عمر، حضرت علی، حسن بن علی، عمار یاسر، ابو ایوب وغیرہ صحابہ سے احادیث کی روایت کی ہے۔ ان سے روایت کرنے والوں میں، سعد بن طریف اجلح، فطر بن خلیفہ، محمد بن السائب الکلبی نیز دیگر محدثین کے نام ملتے ہیں، ابن ماجہ نے ایک حدیث حجامت کے بارے میں ان سے نقل کی ہے[1] نجاشی نے ان کو خواص امیر المؤمنین میں لکھا ہے[2] شیخ ابو جعفر طوسی نے ان کی تصانیف سے «کتاب مقتل الحسین» کی روایت کی ہے[3]۔

راویان کلام امیر المؤمنین میں آپ کا نام خاص اہمیت رکھتا ہے چنانچہ «نہج البلاغہ» کے متعدد خطبے اور اقوال آپ کی روایت سے مختلف کتابوں میں مذکور ہیں ان میں سب سے زیادہ اہم امیر المؤمنین کا وہ عہد ہے جو آپ نے مالک اشتر کو مصر کا والی بناتے وقت تحریر فرمایا ہے۔ یہ عہد بہت طویل ہے اس کے بارے میں جامع «نہج البلاغہ» لکھتے ہیں «و ہو أطول عہدہ و أجمع کتبہ للمحاسن»

طوسی نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ اپنی فہرست میں اصبغ بن نباتہ سے اس عہد کی روایت کی ہے۔

«والأصبغ بن نباته من خاصة أمير المؤمنين و عمر بعده عهد مالك الأشتر رحمه الله الذى عهده إليه أمير المومنين لما ولاه مصر و روى وصية أمير المومنين إلى إبنه محمد بن الحنفيه. أخبر نا بالعهد ابن ابى جيد عن محمد بن الحسن عن الحميرى عن هارون بن مسلم والحسن بن طريف جميعاً عن الحسين بن علوان الكلبى عن سعد بن طريف عن الأصبغ بن نباته عن أمير المؤمنين»[4]۔

۱ تہذیب التہذیب (۱ : ۳۶۲)
۲ رجال نجاشی ص ٦
۳ فہرست طوسی ص ٦۳
٤ فہرست طوسی ص ٦۳

۲۔ امیرالمومنین کا وہ کلام جو ذعلب یمانی سے رویت باری کے مسئلہ میں واقع ہوا ہے، جس کی ابتدا اس طرح ہے:

«لا تدرکه العیون بمشاهدة العیان ولکن تدرکه القلوب بحقایق الإیمان»[1]

یہ کلام شیخ صدوق نے «کتاب التوحید»[2] اور «أمالی»[3] میں اسناد اور شان نزول کے ساتھ اصبغ بن نباته سے روایت کیا ہے:

«حدثنا أحمد بن الحسن القطان و علی بن أحمد بن محمد بن عمران الدقاق و محمد بن أحمد السنانی قالوا حدثنا ابوالعباس أحمد بن یحیی بن زکریا القطان قال حدثنا محمد بن العباس قال حدثنی۔ ابی محمد بن ابی السری قال حدثنا أحمد بن عبدالله بن یونس عن سعد بن طریف الکنانی عن الأصبغ بن نباته قال: لما جلس علی علی الخلافة و بایعه الناس خرج إلی المسجد متعمماً بعمامة رسول الله صلی الله علیه و آله و سلم لابساً بردة رسول الله».

۳۔ أمیرالمؤمنین کا کلام غدر سے تنزہ کے بارے میں[4]:

«والله مامعاویة بادهی منی و لکنّه یغدر و یفجر و لولا کراهیة الغدر لکنتُ أدهی الناس».

یہ کلام محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۸ ھ نے حسب ذیل سلسلۂ سند کے ساتھ اصبغ بن نباته سے روایت کیا ہے[5]:

«علی بن ابراهیم عن أبیه عن علی بن اسباط عن عمه یعقوب بن سالم عن ابی الحسن العبدی عن سعد بن طریف عن الأصبغ بن نباته قال: قال أمیرالمؤمنین ذات یوم و هو یخطب علی المنبر بالکوفة أیها الناس! لولا کراهیة الدر».

٤۔ امیرالمومنین کی وصیت جو آپ نے جنگ صفین سے واپسی پر «حاضرین» کے مقام پر امام حسن علیه السلام کو تحریر فرمائی ہے جسکی ابتدا اس طرح ہے: «من الوالد الفان المقرّ للزمان»[6]

۱ نہج البلاغہ (۱ : ۲۸۸)
۲ شیخ صدوق : کتاب التوحید ص ۳۲۰
۳ شیخ صدوق : الأمالی مجلس ۵
٤ نہج (۱ : ۳۲۹)
۵ اصول کافی ص ۳۳۳
٦ نہج (۳ : ۸۱)

یه پوری وصیت ابو احمد حسن بن عبداللہ بن سعید العسکری نے کتاب «الزواجر و المواعظ» میں حسب ذیل اسناد کے ساتھ اصبغ بن نباته سے روایت کی ھے:

«و أخبرنی أحمد بن عبدالرحمن بن فضال القاضی قال حدثنا الحسن بن عبدک قال حدثنا الحسن بن طریف بن ناصح عن الحسین بن الحسن بن علوان عن سعد بن طریف عن الأصبغ بن نباتة المجاشعی»[1].

۵ــ امیرالمؤمنین کا کلام جو آپ نے ایک شامی کے سوال پر ارشاد فرمایا تھا، جسکی ابتدا اس طرح ھے:

«ویحک لعلک ظننت قضاءً لازماً و قدراً حاتماً لوکان کذلک لبطل الثواب و العقاب و سقط الوعد و الوعید[2]».

اس کلام کے بارے میں شارح «نہج البلاغه» ابن ابی الحدید معتزلی نے لکھا ھے که میرے شیخ ابو الحسین نے اس خبر کو «کتاب الغرر» میں اصبغ بن نباته سے روایت کیا ھے. اس کے بعد شارح نے، شامی سے امیرالمؤمنین کی پوری گفتگو اور یه کلام قدرے تفصیل کے ساتھ نقل کیاھے[3].

٦ــ «نحن النمرقة الوسطیٰ بها یلحق التالی و إلیها یرجع الغالی[4]».

یه کلام ابن شیخ الطائفه نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ اصبغ بن نباته سے روایت کیا ھے[5]:

«و عنه قال: اخبرنا جماعة عن ابی المفضل قال حدثنا محمد بن علی بن مهدی الکندی العطار بالکوفة وغیره، قال حدثنا محمد بن علی بن عمرو بن طریف الحجری قال حدثنی ابی عن جمیل بن صالح عن ابی خالد الکابلی عن الأصبغ بن نباتة قال: دخل الحارث الهمدانی علی أمیرالمؤمنین علی بن ابی طالب فی نفر من الشیعة و و کنتُ فیهم ... قال فحسبک یا أخا همدان الا انّ خیر شیعتی النمط الأوسط إلیهم یرجع الغالی و بهم یلحق التالی».

---

۱ بحار الأنوار (۱۷: ۵۷)
۲ نہج (۲: ۸٤)
۳ شرح نہج البلاغه (۲: ۳۸۸)
٤ نہج (۲: ۸۸)
۵ ابن الشیخ: الأمالی ص ٤۲

۷- «و لقد قبض النبی و انّ رأسه لعلیٰ صدری[۱]»

یہ کلام شیخ مفید (متوفی ٤۱۳ ھ) نے ایک طویل خطبے کے ذیل میں اصبغ بن نباتہ سے روایت کیا ہے، اسناد حسب ذیل ہیں:

عن المفید عن الحسین بن خالد محمد التمار عن محمد بن الحسین عن ابی نعیم عن صالح بن عبد الله عن هشام بن ابی مخنف عن الأعمش عن ابی اسحق السبیعی عن الأصبغ بن نباته[۲]».

نوف بن ابی فضالة البکالی

قبیلۂ همدان کے گروہ بکال سے تعلق رکھتے تھے. امیرالمؤمنین کے خاص اصحاب میں تھے اور راتوں کی تاریکی میں آپ سے اسرار معرفت حاصل کرتے تھے، ابن ابی الحدید ان کے تذکرے میں لکھتا ہے:

«قال صاحب الصحاح نوف البکالی کان صاحب علی و قال ثعلب هو منسوب إلی قبیلة تدعی بکالة ولم یذکر من أی العرب هی و الظاهر أنها من الیمن و اما بکیل فحیّ من همدان[۳]».

حافظ ابو نعیم اصفہانی نے «حلیة الاولیاء» میں ان کا ذکر اس طرح کیا ہے:

«و منهم المرغب فی المحاسن والمعالی نوف بن ابی فضالة البکالی، کان للکتب قارئاً و إلی المحامد واعیاً و عن المحاذر ناهیاً»[٤].

رجال «نہج البلاغہ» کے سلسلے میں نوف کا نام خاص اہمیت رکھتا ہے، ان سے امیر المؤمنین کا ایک خطبہ اور ایک کلام مروی ہے، جامع نے اگرچہ عموماً راویوں کا تذکرہ نہیں کیا ہے لیکن نوف کا حوالہ دونوں جگہ دیا ہے. خطبہ جو نوف سے مروی ہے اس کی ابتدا اس طرح ہے:

«الحمد لله الذی إلیه مصائر الخلق، و عواقب الأمر، نحمده علی عظیم إحسانه و نیّر برهانه[٥]».

---

۱ نہج ,۱ : ۲۲٤) ۲ بحار الأنوار ,۱۷ . ۱۰۵) ۳ شرح ابن ابی الحدید ,۲ : ۳۹۱)
٤ حلیة الاولیا ,٤ : ٤۸) ٥ نہج ,۱ : ۱۹۱)

«نہج» کا یہ ایک طویل اور مہتمم بالشان خطبہ ہے اس کی تمہید میں جامع نے نوف کا بیان اس طرح نقل کیا ہے:

«روی عن نوف، قال: خطبنا هذه الخطبة بالكوفة أمير المؤمنين عليه السلام وهو قائم على حجارة نصبها له جعدة بن هبيرة المخزومي و عليه مدرعة من صوف و حمائل سيفه ليف و في رجليه نعلان من ليف و كان جبينه ثفنة بعير فقال عليه السلام ...».

خطبے کے خاتمے پر جامع نے نوف کی روایت کا بقیہ حصہ اس اس طرح نقل کیا ہے:

«(قال نوف) و عقد للحسين عليه السلام في عشرة آلاف و لقيس بن سعد رحمه الله في عشرة آلاف ولأبي أيوب الأنصاري في عشرة آلاف و لغيرهم أعداد أخر و هو يريد الرجعة إلى صفين فما دارت الجمعة حتى ضربه الملعون ابن ملجم لعنه الله فتراجعت العساكر فكنا كأغنام فقدت راعيها تختطفها الذئاب من كل مكان».

۲ــ امیر المؤمنین کا کلام زهد کی تعریف میں:

«طوبى للزاهدين في الدنيا الراغبين في الآخرة[1]».

اس کلام کی کیفیت میں جامع نے اس طرح نوف کا بیان نقل کیا ہے:

«عن نوف البكالي قال رأيت أمير المؤمنين عليه السلام ذات ليلة و قد خرج من فراشه فنظر في النجوم فقال لي يا نوف! أراقد أنت أم رامق فقلت بل رامق قال يا نوف، طوبى للزاهدين في الدنيا».

یہ کلام حافظ ابونعیم اصفہانی نے «حلية الأولياء» میں حسب ذیل اسناد کے ساتھ نوف سے روایت کیا ہے:

«حدثنا سليمان بن أحمد، ثنا ابو مسلم الكشي، ثنا عبدالعزيز بن الخطاب ثنا سهل بن شعيب عن ابي علي الصيقل عن عبد الأعلى عن نوف البكالي قال: رأيت علي بن ابي طالب خرج فنظر إلى النجوم فقال يا نوف أراقد أنت أم رامق[2]».

---

[1] نہج (۲: ۸۷)

[2] حلية الاوليا ۱: ۷۹)

ضرار بن ضمرة الضبائی

امیرالمؤمنین علیه‌السلام کے صحابی تھے ، ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ضرار کا تذکرہ کیا ھے نیز امیر معاویه کے دربار میں آنے اور ان کی فرمایش پر حضرت علی کی منقبت بیان کرنے کا پورا واقعہ نقل کیا ھے[1] .

امیرالمؤمنین کا حسب ذیل کلام :

« یا دنیا یا دنیا ، إلیک عنی ، ابی تعرضت أم إلیّ تشوقت لاحان حینک هیهات غرّی غیری لا حاجة لی فیک ، قد طلقتک ثلاثاً لارجعة فیها فعیشک قصیر ، و خطرک یسیر ، وأملک حقیر ، آه من قلة الزاد و طول‌الطریق و بعدالسفر و عظیم‌المورد »[2]

تاریخ و ادب کی متعدد کتابوں میں ضرار هی کی روایت سے ملتا ھے ، چنانچه مسعودی[3] نے مروج‌الذهب میں ، ابواسمعیل قالی (متوفی ۳۵٦ھ)[4] نے اپنی « أمالی » میں ، شیخ صدوق (متوفی ۳۸۱ھ) نے[5] « أمالی » میں خود جامع « نہج البلاغه » نے اپنی دوسری کتاب « خصائص‌الائمة » (قلمی کتابخانۂ رام‌پور) میں ، بیهقی نے « کتاب‌المحاسن والمساوی»[6] میں ، حافظ ابونعیم اصفهانی (متوفی ٤۳۰ھ) نے « حلیة الأولیاء »[7] میں ، بهائی نے «کامل» میں ،[8] سبط ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ) نے «صفةالصفوة»[9] میں، محی‌الدین ابن عربی (متوفی ٦۳۸ھ) نے اپنی کتاب « محاضرات الأبرار ومسامرة الأخیار[10] میں ، اسناد کے ساتھ یه پورا کلام مع اس کے مورد کے نقل کیا ھے ، غالباً اس کی شهرت کی بڑی وجه یه ھے که یه کلام معاویه کے دربار میں پڑھا گیا اور تمام اهل دربار نے اس کو سنا ، نیز جیسا که روایت بتاتی ھے خود امیر معاویه بھی اس کلام کو سن کر اس حد تک متأثر ہوئے که ان کی آنکھوں سے بے ساخته آنسو جاری ھوگئے .

---

۱ تاریخ ابن عساکر (۷ : ۲۵)
۲ نہج (٤ : ۸٤)
۳ مروج‌الذهب (۲ : ۳۷)
٤ القالی : ألامالی (۲ : ۱٤۹)
۵ شیخ صدوق ، الأمالی مجالس ۹۱
٦ بیهقی : المحاسن و المساوی (۱ : ۳۳)
۷ حلیةالأولیا ۱ : ۸۵
۸ مجالس المومنین ص ۳۱
۹ صفوة الصفوة (۱ : ۱۲۱)
۱۰ محاضرة الأبرار (۲ : ۱٦۸)

مالک بن دحیه

صحابی امیرالمؤمنین تھے ، ان کے والد دحیه کلبی مشہور صحابی رس
هیں جو معاویه کے زمانه تک زندہ رہے[1] « نہج » کا حسب ذیل کلام
سے مروی ہے جس کو جامع نے مع اسناد کے اس طرح نقل کیا هے

« رویٰ الیمانی عن أحمد بن قتیبة عن عبدالله بن یزید عن مالک بن دحیة قال: کنا عند أمیرالمؤمنین علیه السلام وقد ذکر عنده اختلاف الناس فقال : إنما فرق بینهم مبادی طینهم و ذلک أنهم کانوا فلقة من سبخ أرض و عذبها و حزن تربة و سهلها فهم علی حسب قرب أرضهم یتقاربون و علی قدر اختلافها یتفاوتون » .

عبد خیر

ان کا شمار تابعین اهل کوفه میں هے لیکن ابن عبدالبر
بعض دیگر محدثین نے ان کو صحابی رسول کہا هے . عبدخیر نے صح
رسول میں سے حضرت عبد الله بن مسعود ، حضرت علی ، زید بن ارقم
حضرت عائشه سے احادیث کی روایت کی هے ، ان کے تلامذه میں
کے بیٹے مسیب ، ابو اسحق سبیعی ، عامر شعبی ، خالد بن علقمه بن مرثد
عطاء بن السائب ، حکم بن عتیبه خاص طور سے قابل ذکر هیں ، عجلی
ان کو ثقه کہا هے ، مسلم نے تابعین اهل کوفه کے طبقۂ اولی میں ان
ذکر کیا هے . ابن حبان نے ان کی توثیق کی هے.[3]

« نہج » کا حسب ذیل کلام ان سے مروی هے[4] :

« وسئل عن الخیر ما هو فقال : لیس الخیر أن یکثر مالک و ولدک » .

حافظ ابو نعیم نے یه کلام ان هی کی روایت سے اپنی کتاب « ح
الأولیاء » میں نقل کیا هے[5]. اسناد حسب ذیل هیں :

«حدثنا عمر بن محمد بن عبد الصمد ثنا الحسن بن محمد بن غفیر

---

۱ ابن قتیبه : کتاب المعارف ص ۱٤٤
۲ نہج (۱ : ۲٥٤)
۳ تہذیب التہذیب (٦ : ۳٤)
٤ نہج (۲ : ۸۹)
٥ حلیة الأولیا (۹ : ۷٥)

ثنا الحسن بن علی ثنا خلف بن تمیم ثنا عمر بن الرحال عن العلاء بن المسیب عن عبدخیر عن علی قال: لیس الخیر أن یکثر مالک و ولدک ولکن الخیر أن یکثر علمک و یعظم حلمک و ان تباهی الناس بعبادة ربک فان احسنت حمدت الله وإن اسأت استغفرت الله ولاخیر فی الدنیا إلا لأحد رجلین رجل أذنب ذنباً فهو تدارک ذلک بتوبة أو رجل یسارع فی الخیرات».

ابو عبد الله الجدلی

امیرالمؤمنین علیه‌السلام کے اصحاب میں هیں . ابن سعد نے ان کے تذکرے میں لکھا هے : «کان شدید التشیع» تاریخ سے معلوم هوتا هے که یه مختار بن ابو عبید الثقفی کے اهل شرطه میں تھے چنانچه عبدالله بن زبیر نے جب محمد حنفیه کے قتل کرنے کا اراده کیا تو مختار نے اس موقع پر انهیں کو مقابله کے لیے روانه کیا تھا[1] .

آپ سے امیرالمؤمنین کا مشهور قول «أنا یعسوب المؤمنین والمال یعسوب الفجار»[2] مروی هے جسکو الزجاجی (م ۳۳۷ھ) نے حسب ذیل طریقے پر روایت کیا هے[3]:

«أخبرنا ابوالحسن الأخفش قال أخبرنا أحمد بن یحییٰ ثعلب قال أخبرنا ابن الاعرابی قال روی عن ابی عبدالله الجدلی قال : دخلت علی أمیرالمومنین علی بن ابی طالب رضوان الله علیه فرأیت بین یدیه ذهباً مصبوباً فقلت ما هذا یا امیرالمؤمنین فقال «هذا یعسوب المنافقین فقلت وما معنی یعسوب یا أمیرالمؤمنین فقال هذا یلوذ به المنافقون کما یلوذ المؤمنون بی فأنا یعسوب المومنین».

عبدالرحمن بن أبی عمرة الأنصاری

ان کے والد ابو عمره صحابی رسول تھے اور جنگ صفین میں امیرالمؤمنین کے همراه ان کی نصرت میں درجهٔ شهادت پر فائز هوئے[4] ابن سعد

---

۱ ابن سعد : الطبقات (٦ : ۱٥۹) طبع لیدن

۲ نهج (۲ : ۱٤)

۳ زجاجی، الأمالی ص ۹

٤ الطبقات (٥ : ٦٠)

نے لکھا ہے کہ عبدالرحمن بن ابی عمرہ نے حضرت عثمان، زید بن خالد جہنی اور ابوہریرہ سے احادیث کی روایت کی ہے ثقہ اور کثیرالحدیث تھے۔

نہج کے حسب ذیل تین کلام ان سے مروی ہیں:

۱ــ «معاشر المسلمین استشعرو الخشیة و تجلبوا السکینة و عضوا علی النواجذ[۱]».

یہ کلام نصر بن مزاحم کوفی متوفی ۲۱۲ھ نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ ان سے روایت کیا ہے[۲]:

«قال نصر فحدثنا عمر بن سعد قال حدثنی عبدالرحمن بن ابی عمرة عن أبیه أن علیا خطب فی لیلة هذا الیوم فقال: معاشر المسلمین استشعرو الخشیة».

۲ــ وقدموا الدارع و أخرو الحاسر وعضوا علی الأضراس فانه أنبی للسیوف عن الهام[۳]».

یہ پورا کلام ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں حسب ذیل اسناد کے ساتھ عبدالرحمن سے روایت کیا ہے[٤]:

قال ابو مخنف حدثنی عبدالرحمن بن ابی عمرة الأنصاری عن أبیه و مولی له أن علیا حرض الناس یوم صفین .... فقال وقدموا الدارع...».

اسی سند کے ساتھ نصر بن مزاحم نے یہ کلام قدرے اضافہ کے ساتھ روایت کیا ہے جس کو ابن ابی‌الحدید نے نقل کیا ہے۔

۳ــ «أما بعد فانی اخبرکم عن أمر عثمان حتی یکون سمعه کعیانه، ان الناس طعنوا علیه فکنت رجلاً من المهاجرین اکثر استعتابه و أقل عتابه[٥]».

یہ پورا خط ابن‌الشیخ نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ عبدالرحمن سے روایت کیا ہے[٦]:

«و باسناده عن عبدالله بن ابی بکر قال حدثنی ابو جعفر محمد بن علی قال حدثنی عبدالرحمن بن ابی عمرة الأنصاری».

---

۱ نہج (۱ : ۲۰۷)
۲ شرح ابن ابی الحدید (۱ : ۲۶۳)
۳ نہج (۱ : ۱۲۸)
٤ طبری ۔ التاریخ (٦ : ١١)
٥ نہج (۲ : ۱)
٦ ابن الشیخ : امالی ص ۸۷

ابوالولید عبداللہ بن شداد بن الہاد اللیثی

صحابی امیرالمؤمنین تھے[1]، آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ کے عہد میں پیدا ہوئے،[2] ان کی والدہ سلمیٰ بنت عمیس (اسماء بنت عمیس کی حقیقی بہن) حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کی زوجیت میں تھیں، ان سے ایک بیٹی عمارہ پیدا ہوئی۔ اس کے بعد جب حضرت حمزہ جنگ احد میں شہید ہوگئے تو عبداللہ کے والد شداد بن الہاد نے ان سے نکاح کرلیا، جن سے عبداللہ پیدا ہوئے[3]۔

عبداللہ کا شمار کبار تابعین کے طبقۂ اولیٰ میں ہے،[4] انہوں نے حضرت عمر، حضرت علی اور اپنے والد شداد بن الہاد سے احادیث کی روایت کی ہے۔ امام شعبی اور اسمعیل بن محمد بن سعد ان کے مخصوص تلامذہ میں ہیں[5]۔ ابن سعد نے ان کے تذکرے میں لکھا ہے: « کان ثقة فقیہا کثیر الحدیث متشعیاً »۔ عبدالرحمٰن بن محمد بن الاشعث کے ساتھ جن لوگوں نے حجاج کے خلاف خروج کیا ان میں عبداللہ بن شداد بھی تھے اور دجیل کے دن قتل ہوئے[6]۔

امیرالمؤمنین کا کلام « أوصیکم بخمس لو ضربتم إلیها آباط الإبل لکانت لذلک أهلاً » الخ، ان سے مروی ہے جس کو الجاحظ متوفی ۲۵۵ھ نے محمد بن حرب الہلالی کی سند سے عبداللہ بن شداد کی زبانی روایت کیا ہے۔

سوید بن غفلة بن عوسجة الجعفی

امیرالمؤمنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے اصحاب میں تھے، انہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے تھے لیکن آنحضرتؐ کی زیارت سے مشرف نہ ہوسکے اور مدینہ میں اس وقت پہنچے جب آپ کا انتقال ہوچکا تھا۔ سوید نے صحابۂ رسولؐ میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی کی صحبت اٹھائی ہے۔ جنگ صفین میں امیرالمؤمنین کے ہمراہ موجود تھے[7]۔

---

۱ شذرات الذہب ۱ : ۹۰) ۲ الإستیعاب (۱ : ۳۸۶) ۳ الطبقات (۶ : ۸۶)
٤ منہج المقال ورق ۲ ب) ۵ الإستیعاب (۱ : ۳۸۶) ٦ الطبقات (٦ : ۸٦)
۷ الإستیعاب (۲ : ۵۷۹)

برقی نے ان کو اولیاے امیر المومنین میں لکھا ہے،[1] مؤلف « شذرات » ان کے بارے میں لکھتے ہیں : « کان فقیہا اماما عابدا قانتا کبیر القدر[2]» « نہج » کا حسب ذیل کلام ان سے مروی ہے :

« وقال علیه السلام : اوضربت خیشوم المؤمن بسیفی هذا علی أن یبغضنی ما ابغضنی او لو صبت الدنیابجماتها علی‌المنافق علی ان یحبنی ما احبنی و ذلک انه قضی فأنقضی علی لسان النبی الأمی صلی الله علیه و آله انه قال یا علی لایبغضک مومن و لا یحبک منافق[3] » .

یہ پورا کلام شیخ ابوجعفر طوسی متوفی ٤٦٠ ھ نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ سوید بن غفلہ سے روایت کیا ہے :

« أخبرنا محمد بن محمد قال أخبرنا محمد بن عمر الجعابی قال حدثنا علی بن العباس بن الولید قال حدثنا إبراهیم بن بشر بن خالد قال حدثنا منصور بن یعقوب قال حدثنا عمرو بن شمر عن ابراهیم بن عبد الأعلی عن سوید بن غفلة قال سمعت علیاً یقول : و الله لوصبت الدنیا علی المنافق[4]».

عبدالرحمن بن ابی لیلی

کوفہ کے أکابر تابعین میں ہیں . آپ نے صحابۂ رسول میں علی بن أبی طالب ، عثمان بن عفان اور ابو أیوب انصاری وغیرہ سے احادیث کو سنا ہے . جنگ جمل میں حضرت علی کے ہمراہ موجود تھے ، حجاج بن یوسف نے سبِّ امیر المؤمنین پر ان کو اس قدر مارا تھا کہ دونوں شانے سیاہ ہوگئے تھے . عبدالرحمن بن اشعث کے واقعے میں شہید ہوئے[5].

« نہج » کا حسب ذیل کلام ان سے مروی ہے جس کو جامع نے اس طرح نقل کیا ہے[6] :

« روی ابن جریر الطبری فی تأریخه عن عبدالرحمن بن أبی لیلی

---

۱ منہج المقال ورق ٦٦ (ب)
۲ شذرات الذهب (۱: ۹۰)
۳ نہج (۲ : ۸۲)
٤ طوسی : الأمالی ۱۲۹
٥ منتہی المقال مخطوطة رامپور ورق ۱۸۳ (ب)
٦ نہج (۲ : ۱۲۱)

الفقيه أيهاالمومنون أنه من رأى عدواناً يعمل به و منكراً يدعى إليه فانكره بقلبه فقدسلم و برئ و من أنكره بلسانه فقد اجر و هو أفضل من صاحبه».

قبيصة بن جابر

تابعين کوفه میں شمار ھے ، انہوں نے حضرت عمر ، طلحه بن عبیدالله ، عبدالرحمن بن عوف ، عبدالله ابن مسعود ، معاویه ، عمرو بن العاص ، مغیره بن شعبه نیز دیگر صحابۂ رسول سے احادیث کی روایت کی ھے اور ان سے امام شعبی ، عبد الملک بن عمیر وغیرهما نے . ابن سعد نے ان کو ثقه کہا ھے۔[1]

امیر المؤمنین کا کلام اسلام کی تعریف میں جس کی ابتدا اس طرح ھے ، ان سے مروی ھے :

« بنی الإسلام علی أربعة أركان ، علی الصبر و اليقين والجهاد والعدل[2].

مؤلف «حلية الأولياء» نے یه کلام قول رسول کی حیثیت سےنقل کیا ھے اس کے بعد لکھا ھے : « رواه قبيصة بن جابر عن علی من قوله[3]» یه کلام قبیصه بن جابر نے علی بن ابی طالب سے خود ان کے قول کی حیثیت سے نقل کیا ھے .

کمیل بن زیاد النخعی

امیر المؤمنین علیه السلام کے ذی اختصاص اصحاب میں تھے اور سفر و حضر ، خلوت و جلوت میں آپ کے همراه رهے هیں ، ذهبی ان کے تذکرے میں لکھتے هیں :

« صاحب علی رضی الله عنه ، روى عنه عباس بن ذريح و عبدالرحمن بن زياد ، قال ابن حبان كان من المفرطين فی علی . . وثقه إبن سعد و إبن معين[4]»

امیر المؤمنین کا کلام جو آپ نے کمیل سے مخاطب هوکر فرمایا ھے جس کی ابتدا اس طرح ھے :

«یا كميل (بن زياد) انّ هذه القلوب أوعية فخيرها أوعاها[5]»

---

۱ تهذيب ص ۵۰۷ ۲ نهج (۲ . ۸۷) ۳ حلية الاولياء (۱ : ۷۵)

۴ ميزان الإعتدال (۲ : ۳۴۳) ۵ نهج (۲ : ۹۳)

یه کلام خود کمیل هی سے مروی هے جس کو ابو نعیم اصفهانی[1] ابن عبد ربه[2] ، شیخ ابو جعفر طوسی[3] نے اپنے سلسلۂ سند کے ساتھ کمیل سے روایت کیا هے .

ابو نعیم اصفهانی نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ اس کو نقل کیا هے :

« حدثنا الحبیب بن الحسن ، ثنا موسیٰ بن اسحق و ثنا سلیمان بن أحمد ، ثنا محمد بن عثمان بن أبی شیبة قالا ثنا أبو نعیم ضرار بن صرد و ثنا ابو أحد محمد بن محمد بن أحمد الحافظ ثنا محمد بن الحسین الخثعمی ثنا اسمیل بن موسیٰ الفرازی . قال ثنا عاصم بن حمید الحناط ، ثنا ثابت بن ابی صفیه ابو خمرة الثمالی عن عبدالرحمن بن جندب عن کمیل بن زیاد قال : أخذ علی بن ابی طالب بیدی فاخرجنی إلی ناحیة الجبان فلما اصحرنا جاس ثم تنفس ثم قال « یاکمیل بن زیاد القلوب أوعیة فخیرها أوعاها » .

جندب بن عبدالله الأزدی

امیرالمؤمنین علیه السلام کے مشهور صحابی اور راویِ اخبار هیں ، ابومخنف کی مصنفات میں ان کے مرویات کثرت کے ساتھ ملتے هیں جن کو طبری اور دیگر مؤرخین نے اپنی تالیفات میں نقل کیا هے .

کلام علی کے اهم راویوں میں هیں ، ذیل میں ان کے مرویات میں سے صرف وہ اقتباسات دیے جاتے هیں جو جامع « نهج البلاغه » کے انتخاب میں آگئے هیں.

١ـــ نهج کا پچیسواں خطبه جس کی ابتدا اس طرح هے :

« إن الله بعث محمداً صلی الله علیه و آله نذیراً للعالمین و أمیناً علی التنزیل و انتم معشرالعرب علیٰ شرّ دین و فی شرّ دار منیخون بین حجارة خشن و حیات صم تشربون الکدر و تأکلون الجشب و تسفکون دماءکم و تقطعون أرحامکم الأصنام فیکم منصوبة و الآثام بکم معصوبة (و منها) فنظرت فاذا لیس لی معین إلا اهل بیتی فضننت بهم عن الموت و اغضیت علی القذی و شربت علی الشجیٰ و صبرت علی إخذ الکظم وعلی أمرّ من طعم العلقم .»

١ حلیة الأولیا (١ : ٧٩) ٢ عقد الفرید (٢ : ٧٨) ٣ الأمالی ص ١٤

٢ـــامیرالمومنین کا خط اهل مصر کے نام جو آپ نے مالک اشتر کو مصر کا والی بناتے وقت تحریر فرمایا هے حس کی ابتدا اس طرح هے[١] :

« أما بعد ، فانّ الله سحانه بعث محمداًصلی الله علیهواله نذیراً للعالمین و مهیمناً علی المرسلین فلما مضیٰ[١] تنازع المسلمون الأمر من بعده فوالله ما کان یلقی فی روعی ولایخطر ببالی انّ العرب تزعج هذا الامر من بعده من اهل بیة ولا أنهم منحوه عنی فما راعنی الا إنثیال الناس علی فلان یبایعونه فامسکت یدی حتی رأیت راجعة الناس قد رجعت عن الاسلام ».

٣ـــ« الحمد لله الذی لا تواریٰ عنه سماء سماء ولا أرض أرضاً (منها) وقد قال قائل انک علی هذا الامر یابن أبیطالب لحریص فقلت بل أنتم والله لا حرص وأبعد و أنا اخص و اقرب و انما طلبت حقاً لی و انتم تحولون بینی و بینه و تضربون وجهی دونه فلما قرعته بالحجة فی الملاء الحاضرین هب کانه لا یدری ما یجیبنی به[٢] ».

٤ـــامیرالمؤمنین کا کلام اپنی حق تلفی کی شکایت میں .

اللهم إنی استعدیک علی قریش فانهم قد قطعوا رحمی و اکفأوا انائی و إجمعوا علی منازعتی حقاً کنت اولیٰ به من غیری وقالوا الا انّ فی الحق أن تاخذه و فی الحق أن تمنعه فاصبر مغموما أو مت متأسفاً فنظرت فاذا لیس لی رافد ولا ذاب ولا مساعد الا اهل بیتی فضننت بهم عن المنیة فاغضیت علی القذیٰ و جرعت ریقی علیٰ الشجیٰ و صبرت من کظم الغیظ علی امر من العلقم و آلم للقلب من حزالشفار ».

و منه فی ذکرالسائرین إلیالبصرة لحربه : « فقدّموا علیّ عمالی و خزان بیت مالالمسلمین ... لقوا الله صادقین[٣] » .

٥ـــ« فتداکوا علی تداک الإبل الهیم یوم ورودها قدارسلها راعیها و خلعت مثانیها حتی ظننت انهم قاتلی او بعضهم قاتل بعض لدی[٤] ».

---

١ نہج (٢ . ٦٤)
٢ نہج (١ : ١٨٠)
٣ نہج (١ : ٢٤٠)
٤ نہج (١ . ٦٤)

٦ـــ« و بسطتم يدی فكففتها و مددتموها فقبضتها ثم تداككتم على تداک الابل الهيم على حياضها يوم ورودها[١] » .

٧ـــ اميرالمؤمنين کا خطبہ اهل شام کی مذمت اور حکمین کی شان میں:

« جفاة طغام عبيد اقزام جمعوا من كل اوب و تلقطوا من كل شوب ممّن ينبغى ان يفقه ويؤدب ويعلم ويدرّب ويولی عليه ويوخذ علیٰ يديه ليسوا من المهاجرين والانصار ، ولا من الذين تبوأوالدار[٢] ».

مذکورہ بالا تمام خطبے اور اقتباسات جندب بن عبداللہ کی روایت سے ابراھیم بن محمد الثقفی نے « کتاب الغارات » میں ایک طویل خطبے کے تحت نقل کیے ھیں ، جس سے معلوم ھوتا ھے کہ یہ تمام اقتباسات ایک ھی خطبے کے ھیں جن کو جامع « نہج البلاغہ » نے متفرق مقامات پر نقل کیا ھے ، ثقفی نے یہ بھی بیان کیا ھے کہ یہ خطبہ امیرالمؤمنین علیہ‌السلام نے فتح مصر اور محمد بن ابی بکر کے قتل کے بعد ارشاد فرمایا تھا[٣] .

٨ـــ« أيها الناس المجتمعه ابدانهم المختلفة اهوائهم كلامكم يوهی الصم الصلاب و فعلكم يطمع فيكم الاعداء[٤] ».

یہ پورا خطبہ شیخ أبو جعفر طوسی (متوفی ٤٦٠ھ) نے اپنی « أمالی » میں حسب ذیل طریقہ پر جندب بن عبد اللہ سے روایت کیا ھے[٥] :

« و بالاسناد قال اخبرنا جماعة عن ابی عبد الله محمد بن عمران المرزبانی قال حدثنا محمد بن موسیٰ قال حدثنا محمد بن سهل قال أخبرنا هشام قال حدثني ابو مخنف قال حدثنی الحرث بن حضيره وعن ابی صادق عن جندب بن عبد الله الازدي قال قام علی بن ابي طالب فی الناس ليستنفرهم إلى اهل الشام و ذلک بعد انقضاء المدة التی كانت بينه و بينهم و قدشنّ معاوية علی بلادالمسلمين الغارات فاستنفرهم بالرغبة فی الجهاد والرهبة فلم ينفروا فاضجره ذلک فقال : ايهاالناس ! المجتمعه أبدانهم » .

---

١ نہج (١ : ٦٤) ٢ نہج (١ : ٢٥٥) ٣ شرح ابن ابی‌الحدید (١ : ٢٩٥)

٤ نہج (١ : ٥٧) ٥ طوسی : امالی ص ١١٣

۹ــــامیرالمؤمنین کی وصیت اپنے لشکر کو جسکی ابتدا اس طرح

«لا تقاتلوهم حتی یبدؤکم فانکم بحمدالله علیٰ حجة وترککم ایاهم حتی یبدؤکم حجة أخریٰ لکم ... »

یه پوری وصیت نصر بن مزاحم کوفی (متوفی ۲۱۲ھ) نے حسب اسناد کے ساتھ جندب سے روایت کی ھے[۱]:

«قال نصر حدثنا عمر بن سعد باسناده عن عبدالله بن جندب عن أبیه انّ علیاً کان یأمرنا فی کل موطن لقینا معه عدوه فیقول: لا تقاتلوا القوم حتی یبدءوکم فهی حجة أُخریٰ لکم علیهم».

۱۰ــــامیر المؤمنین کا خطبه اپنے اصحاب کی مذمت میں جو طرح شروع ھوتا ھے[۲]:

« الحمد لله علی ماقضیٰ من أمر و قدّر من فعل وعلی ابتلائی بکم أیتها الفرقة التی اذا امرتُ لم تطع و اذا دعوتُ لم تجب ».

۱۱ــــامیر المؤمنین کا کلام جس وقت آپ کو محمد بن ابی بکر کے قتل کی خبر پهونچی[۳]:

« انّ حزننا علیه علی قدر سرورهم به ألا أنهم نقصوا بغیضا و نقصنا حبیباً » .

مذکوره بالا دونوں کلام ابراهیم بن محمد الثقفی نے « کتاب الغارات » میں حسب ذیل اسناد کے ساتھ جندب سے روایت کیے هیں[٤]:

« قال ابراهیم و حدثنی محمد بن عبدالله المدائنی عن الحرث بن کعب بن عبدالله بن معین عن جندب بن عبد الله قال والله انی لعند علی اذ جاءه عبدالله بن معین ابوکعب بن عبدالله من قبل محمد بن ابی بکر یستصرخه قبل الوقعة فقام علی فنادی فی الناس « الصلوة جامعة » فاجتمع الناس وصعد المنبر فحمد الله و اثنیٰ علیه و ذکر رسول الله صلی الله علیه و آله ثم قال اما بعد » .

---

۱ شرح ابن ابی الحدید (۱ : ۸۸) .
۲ نهج (۱ : ۱۸۹) .
۳ نهج (۲ : ۱۱۵) .
٤ شرح ابن ابی الحدید (۱ : ۱٤

۱۲ـــ امیر المؤمنین کی آخری وصیت جو آپ نے مرتے وقت امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کو بلاکر فرمائی ، جس کی ابتدا یہ ھے[1] :

« أوصیکما بتقوی الله وان لا تبغیا الدنیا وان بغتکما ».

یہ پوری وصیت درمیان میں قدرے اضافہ کے ساتھ سہل بن محمد ابو حاتم سجستانی متوفی ۲۵۰ ھ نے «کتاب الوصایا». (قلمی کتاب خانۂ رام پور) میں ، ابوالقاسم زجاجی متوفی ۳۳۷ ھ نے اپنی « امالی[2] » . میں ، نیز ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے اپنی تاریخ[3] میں ابومخنف کے حوالے سے نقل کی ھے . ان سب کتابوں میں اس وصیت کے راوی اول یہی جندب بن عبد الله ھیں ، ذیل میں ابو حاتم سجستانی کی «کتاب الوصایا» سے جندب کا بیان درج کیا جاتا ھے[4] :

«قال أبو حاتم و حدثونا عن ابی مخنف ، قال حدثنی عبدالرحمن بن جندب عن أبیه قال دخلت علی علی بن ابی طالب رضی الله عنه أسأل به لما ضربه ابن ملجم فقمت قائماً ولم اجلس لمکان ابنته دخلت وهی مستترة فدعا علی الحسن و الحسین رضوان الله علیهم فقال : أوصیکما بتقوی الله » .

۱۳ـــ امیر المؤمنین کا کلام خباب کے ذکر میں[5] :

«یرحم الله خبابا ابن الارت فلقد اسلم راغباً و هاجر طائعاً » .

۱٤ـــ «طوبیٰ لمن ذکر المعاد و عمل للحساب و قنع بالکفاف و رضی عن الله »[5] .

۱۵ـــ یا أهل الدیار الموحشة و المحال المقفرة »[6].

یہ تینوں کلام مؤرخ طبری نے ابو مخنف کے حوالہ سے حسبِ ذیل طریقہ پر جندب سے روایت کیے ھیں :

« قال ابو مخنف حدثنی عبد الرحمن بن جندب عن أبیه ... ثمّ مضیٰ اذا جزنا بنی عوف اذا نحن عن ایماننا بقبور سبعة اوثمانیة فقال

---

۱ نہج (۲ : ٤۲) .
۲ زجاجی : الأمالی ص ۱۵ .
۳ تاریخ (٦ : ۸۵) .
٤ کتاب الوصایا ورق ٤۹
۵ نہج (۲ : ۸۱) .
٦ نہج (۲ : ۹۱) .

على ماهذه القبور فقال قدامة بن عجلان الأزدى يا أميرالمؤمنين ان خباب بن الارت توفى بعد مخرجک فاوصى بان يد فن فى الظهر و كان الناس انّما يدفنون فى دورهم و افنتهم فدفن با لظهر رحمه الله و دفن الناس الى جنبه فقال على : رحم الله خباباً فقد اسلم راغبا و هاجر طائعا و عاش مجاهدا و ابتلى فى جسمه احوالاً وان الله لا يضيع أجر من أحسن عملاً ثم جاء حتى وقف عليهم فقال : يا اهل الديار الموحشة و المقفره من المؤمنين و المؤمنات و المسلمين و المسلمات أنتم لنا سلف فارط و نحن لكم تبع بكم عما قليل لاحقون ... طوبى لمن ذكر المعاد و عمل للحساب و قنع بالكفاف و رضى عن الله عزوجل».

[بقيه آينده]

طبقات الفقهاء الشافعية الوسطیٰ[1]

امتیاز علی خاں عرشی

تاج الدین ابو نصر عبد الوهاب بن تقی الدین ابوالحسن علی بن عبد الکافی بن علی بن تمام الأنصاری السبکی المصری اپنے عہد کے بہت بڑے عالم اور مملکتِ شام کے قاضی القضاۃ تھے. ۷ ذیحجه سنه ۷۷۱ ھ (جولائی ۱۳۷۰ ع) کو ۴۳ یا ۴۸ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا ہے.

ان کی تصنیفات میں دیگر اہم کتابوں کے علاوہ فقہائے شافعیہ کے تین تذکرے بھی ہیں:

(۱) پہلا «طبقات الفقہاء الشافعیة الکبریٰ» کہلاتا ہے. یہ بہت مفصل اور جامع تذکرہ ہے، جس میں بقول مؤلف اُس عہد تک کے تمام شافعی فقیہوں کا ذکر کیا گیا ہے. اس میں سُبکی نے قابل الروایت فقہا کی احادیث بھی اپنی سند سے نقل کی ہیں، دلچسپ حکایات درج کیے ہیں اور کسی فقیہ نے کوئی نادر مسئلہ بیان کیا ہے، تو اسے بھی تحریر کیا ہے.

یہ تذکرہ مصر سے سنه ۱۳۲۴ ھ (۱۹۰۶ع) میں شایع ہوچکا ہے، اور ۱۸۰۷ صفحوں کی ۶ جلدوں پر مشتمل ہے.

اس کے دیباچے یا خاتمے میں سال آغاز و اتمام کا ذکر نہیں لیکن یہ متحقق ہے کہ مؤلف اس کی تالیف کے بعد «طبقات وسطیٰ» کی طرف متوجه ہوا تھا. «وسطیٰ» کا جو مخطوطہ قاہرہ میں محفوظ ہے، اس کے خاتمے کے مطابق ۲۳ ذیقعدہ ۷۵۴ ھ (۱۳۵۳ ع) میں مؤلف اس کی تالیف سے فارغ ہوا ہے، لہذا «طبقات کبریٰ» کو اس سال سے پہلے ختم ہوجانا چاہیے.

«طبقات وسطیٰ» سے معلوم ہوتا ہے کہ «کبریٰ» میں مؤلف نے وقتاً فوقتاً اضافے بھی کیے ہیں مثلاً «وسطیٰ» میں أحمد بن الحسین بن سہل الإمام ابو بکر الفارس کے ذیل میں لکھا ہے[1] کہ سردست مجھے اس فقیہ کا حال اس سے زیادہ نہیں ملا آیندہ کچھ ملا تو اُسے «طبقات کبریٰ» میں درج کردوں گا.

(۲) «کبریٰ» میں لکھا ہے کہ میں نے «وسطیٰ» میں لکھا تھا کہ ابو بکر نے ابن سُرَیج سے پہلے سنہ ۳۰۵ھ میں انتقال کیا ہے لیکن اب میری قطعی رائے یہ ہے کہ ابو بکر کی وفات ابن سُریج کے بعد ہوئی ہے. وجہ یہ ہے کہ میں نے مدرسۂ ناورانیہ کے کتبخانے میں «عیون المسائل» کا ایک نسخہ دیکھا جو یکم ذیحجہ سنہ ۳۳۹ھ کو لکھا گیا تھا. اس کے کاتب نے مؤلف کے لیے دعائیہ جملہ «مَدَّ اللهُ فی عُمرہِ وَ أدامِ عزّہ» استعمال کیا ہے، جو اس کا ثبوت ہے کہ اس تاریخ تک مؤلف بقید حیات تھا.

«کبریٰ» میں اس بات کا اضافہ سنہ ۷۵۵ھ کے بعد کا معلوم ہوتا ہے، ورنہ «وسطیٰ» کے ہمارے نسخے میں بھی یہ ترمیم ہوتی جو سال مذکور کا نوشتہ ہے.

«کبریٰ» میں بمقابلۂ «وسطیٰ» کہاں کہاں اور کس قدر اضافے ہیں، اس کی تعیین کے لیے دونوں کا بالاستیعاب تقابلی مطالعہ ضروری ہے جو اس وقت میرے لیے دشوار ہے. لیکن آٹھویں صدی کے تراجم کا مقابلہ کرنے پر معلوم ہوا کہ «کبریٰ» میں اس صدی کے ۱۲۹ فقہا کا ذکر ہے جن میں سے صرف ٤٥ «وسطیٰ» میں مذکور ہوئے ہیں.

بقیہ میں سے ۲۱ وہ ہیں جو «وسطیٰ» کے ہمارے نسخے کی کتابت کے بعد فوت ہوئے ہیں. باقی کے حالات اس وقت تک مؤلف کے علم میں نہ آئے ہوں گے اس لیے «وسطیٰ» میں جگہ نہ پا سکے.

---

۱ السبکی: طبقات الشافعیة الوسطیٰ ورق ۲۹ (الف) نسخۂ کتابخانۂ رضا، رامپور

مؤلف نے یہ اضافے کب تک کیے ، اس بارے میں صرف اتنا پتا چل سکا ھے کہ « کبریٰ » میں محمد بن خالد الغزی متوفی ۱٤ رجب سنہ ۷۷۰ھ (۱۳٦۹ع) کا ترجمہ بقید تاریخ وفات مذکور ہوا ھے . اس کا یہ مطلب ھے کہ اس تاریخ کے بعد تک مؤلف نے ضرور اضافہ کیا ھے .

« کبریٰ » کے متعدد قلمی نسخے Brockelmann کی تاریخ آداب عربیہ[1] میں مذکور ھیں . ضرورت ھے کہ ایک دو اہل علم ان کی مدد سے ایک صحیح تر نسخہ شایع کردیں تاکہ اُسے شوق اور اطمینان کے ساتھ استعمال کیا جا سکے .

۲ــــدوسرے تذکرے کا نام « طبقات الفقہاء الشافعیة الوسطیٰ » ھے .

یہ تذکرہ اس لیے مرتب کیا گیا تھا کہ « کبریٰ » کی طوالت اُس کے بآسانی نقل اور استعمال میں سد راہ تھی . نیز اُس کی ترتیب طبقات پر تھی ، جس کی وجہ سے کسی شخص کے حالات جاننے کے لیے پہلے یہ جاننا ضروری تھا کہ وہ کس صدی کا فقیہ ھے اور یہ أمر ھر شخص کے لیے ھر وقت سہل نہ تھا . لہذا مؤلف نے « کبریٰ »کی اس طرح تلخیص کردی کہ اُس کے قصے ، خصوصی مسائل اور اشعار بجز بیحد ضروری حصے کے حذف کر دیے ، اور تراجم کی ترتیب طبقات کی جگہ حروف تہجی پر کردی ، جس کے باعث کتاب میں کسی معین فقیہ کا حال تلاش کرنا سہل ہوگیا .

دیباچے سے اس کے سال تالیف کا تعین نہیں ہوتا . ہمارے نسخے کا خاتمہ ندارد ھے اس لیے اس سے بھی کسی تاریخ کے بارے میں مدد نہیں ملتی . لیکن مکتبۂ دارالکتب المصریہ قاھرہ کی فہرست[2] میں جس نسخے کا ذکر ھے اس کے خاتمے میں لکھا ھے کہ ۲۳ ذیقعدہ سنہ ۷٥٤ھ (دسمبر ۱۳٥۳ع) میں یہ اختتام کو پہنچا تھا .

---

۱ Brockelmann. *GAL* ii p 90 Suppl. ii p. 106

۲ فہرست دارالکتب المصریہ (۷ : ۷۹)

بروکلمان نے اپنی تاریخ میں اس کے بھی متعدد مخطوطوں کا ذکر کیا ہے۔ رضا لائبریری میں اس کا ایك نہایت عمدہ نسخہ محفوظ ہے۔ یہ دبیز عرب کاغذ پر عربی نسخے میں نسبتاً جلی قلم سے لکھا گیا ہے۔ روشنائی کالی ہے، مگر ہر ترجمے کا معروف نام یا نسبت شنجرفی۔ اکثر مقامات پر الفاظ کا صحیح تلفظ بنانے کے لیے اعراب لگائے گئے ہیں۔ آب رسیدگی کے نشانات بھی پائے جاتے ہیں۔ پشتہ اور جلد دونوں نئے ہیں۔ پرانے ورق داغ اور نئے، پنسل سے ' صفحہ داغ بھی موجود ہیں۔ جگہ جگہ اضافۂ مطالب کے خیال سے بیاضیں چھوڑی گئی ہیں۔ آخری چند ورق ضائع ہوگئے ہیں۔ ان میں اُن احادیث کا انتخاب تھا جو «کبری'» میں مروی ہیں۔

حواشی میں تصحیحات بھی مندرج ہیں۔ اگر اصل میں خود مؤلف نے کوئی حاشیہ لکھا تھا، تو کاتب نے اُسے بھی نقل کیا ہے۔

نسخہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حرف «سین» پر ختم اور دوسرا حرف «شین» سے شروع ہوتاہے۔ ہر حصے کے ساتھ سرورق ہے، جس میں یہ عبارت درج ہے:

« الأول من كتاب طبقات الفقهاء
الشافعيين
تصنيف الشيخ الإمام العلامة القدوة
الحافظ المتقن المحقق أقضى القضاة تاج الدين
مفتى المسلمين حجة المصنفين مفيد الطالبين سيد
المدرسين أبى نصر عبدالوهاب السبكى الأنصارى
الخررجى الشافعى أطالَ اللهُ بَقاهُ »

حصۂ ثانی میں «الأول» کی جگہ «الثانی» اور حجة المصنفین» کی جگہ «حجة الإسلام» ہے۔ نیز عنوان بالا کی پہلی سطر دونوں میں بخط ثلث تحریر ہے۔ اس خط میں سنہری روشنائی سے دونوں حصوں کے عنوان کے نیچے لکھا گیا ہے: «ملكه من فضل ربه الحنان المنان، محمد بن

عبد اللہ بن عبدالرحمن » . اس نسخے کو محمد بن الحاج عبدالحمید البغدادی نے سنہ ۱۰۱۸ ھجری میں مکۂ معظمہ میں خریدا تھا ۔ اس مضمون کی تحریر دونوں حصوں کے سرِ ورق پر مندرج ہے ۔ پہلے سرورق پر مغل امرا کی مہریں بھی تھیں ۔ مگر کسی نے سب مٹادی ہیں ۔ ایك عرض‌دیدہ بھی ثبت ہے ۔

پہلے حصے کے آخر میں کاتب نے لکھا ہے « تمّ الجزؤ الأول من کتاب الطبقات السبکیة بحمد الله و عونه فی ثالث عشر شهر جمادی الأولیٰ سنة خمس و خمسین و سبع مأیة بخط الفقیر إلی رحمة الله و عفوه ، محمد بن محمد بن شرف الزرعی الشافعی عفا الله عنه . الحمد لله رب العلمین . والصلوٰة و السلام علی سیدنا محمد و آله و أصحابه أجمعین » .

اس کے نیچے تحریر ہے : « نقله کاملاً مملوک مؤلفه و داعیه محمد بن الشهرروری عفا الله عنه » . اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ محمد الزرعی کے نسخے سے کوئی اور نسخہ بھی تیار کیا گیا تھا ۔

پورے نسخے میں ٤٤١ ورق ہیں اور ہر صفحے میں ۲۱ سطریں ہیں . کتاب کی تقطیع $10\frac{1}{2}\times7\frac{1}{2}$ اور کتابت کا ناپ $7\frac{1}{4}\times5\frac{1}{4}$ ہے . بعضے ناموں پر شنجرف سے « و ، ص ، ر » بعض پر « و ، ر » بعض پر صرف « ص » یا صرف « ر » لکھی ہوئی ہے . یہ علامات کن کتابوں کی ہیں ، سردست میں اس کے سمجھنے سے قاصر ہوں .

حصۂ ثانی کے سرورق پر ایک تحریر اور ہے اس کے لفظ ہیں : «أتحفنی به أعزّ الخلان فی الله ملا چلپی فی حجة ألف و ثلاث و عشرین علی مهاجرها أفضل التحیات والتسلیمات و أنا الفقیر إلی ربه ○○ » اس شخص نے نام کی جگہ طغرا بنایا ہے ، جو بظاہر « محمد » پڑھا جاتا ہے . صرف یہ دستخط حصۂ اولی کے خاتمے کے بائیں حاشیے میں بھی ثبت ہیں .

اس مخطوطے کے حاشیوں میں ، اور دو جگہ متن کے اندر بھی ، کچھ مطالب کے اضافے ہیں ان کا خط متن کے خط سے جدا اور باہم ملتا

تا ہے جہاں جہاں حاشیوں میں یہ عبارتیں بڑھائی گئی ہیں، وہاں متن
ے اندر سقوط کی علامت بھی بنائی گئی ہے وہ عبارتیں حسب ذیل ہیں:

(۱) محمد بن إسحق بن إبراهيم أبوالعباس السراج الثقفی النیسابوری
ے تذکرے میں متن کے اندر سقوط کی علامت بناکر حاشیے میں لکھا ہے[1]:

« و كان ذا مال. قال ابوإسحاق سمعته يقول : ختمت عن رسول الله
صلى [الله عليه] وسلم عشرة [آلف] ختمة. وضحيت [عنه] اثنتى
عشرة الف أضحية »

(۲) اسی خط میں إسحاق بن أحمد المغربی کمال الدین کا تذکرہ
ھایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ ابن الصلاح کا شاگرد اور اس کا
معید الروایة » تھا. وہ سنہ ٦٥٠ ھ (١٢٥٢ ع) میں فوت ہوکر اپنے شیخ
ے پاس مدفون ہوا[2].

(۳) عبد الله بن محمد أبو محمد الباقی البخاری کی تاریخ وفات وغیرہ
ے لیے مخطوطے میں سادہ جگہ چھوڑی گئی تھی بعد میں متن کے اندر
سی خط میں تحریر کیا گیا ہے: « مات الباقی فی المحرم سنة ثمان و تسعین
الثمانية[3] ».

(٤) عبد الرحمن بن عبد العلی المصری الشیخ عماد الدین ابن السکری
اضی القضاة مصر کے حال[4] میں ایک عبارت بڑھائی ہے، جو اُن کا ایک
اہل نقل قول ہے. « کبری » میں[5] یہ قول مذکور نہیں ہوا ہے.

(٥) الغزالی القدیم کے ترجمے کے آخر میں اضافہ کیا ہے[6]:

« ثم رأيتُ فى ما علّقه [شيخنا] شمس الدين ابن العماد مما نقله من
خط [إبراهيم] أنه توفى بطابرا ٥ ٥ فى سنة خمس و ثلاثين و
[ثلاث مأية] و أنه عمّ الإمام حجة [الإسلام] ابن حامد الغزالى.
و ابن الصلاح نقل ذلك ٥ ٥ وسائل الألمعى فى فضائل أصحاب

---

1 طبقات الوسطیٰ ورق ٧٤ (الف)
2 ایضاً ورق ١٦٥ (الف)
3 ایضاً ورق ٢٤٨ (الف)
4 ایضاً ورق ٢٥٧ (الف
5 طبقات الکبریٰ (٥ : ٦٣)
6 طبقات الوسطیٰ ورق ٤٢١ (الف)

الشافعی من أبی الحسن بن أبی القاسم البیهقی المعروف بفندق.
ورأیته منقولاً عن مجموع یشتمل علی جماعة من الشافعیة، جمعه
الشیخ ابو النجیب السهروردی رحمه الله، صح».

(٦) نظام الملک طوسی کے حال میں بعضے مؤرخوں کا یہ قول نق
کیا ہے «سب سے پہلے اُنہوں نے مدرسہ جاری کیا تھا» اور اس
لکھا ہے کہ یہ خیال درست نہیں ہے۔ نیشاپور میں اُن سے بہت پہلے
مدارس قائم کیے جاچکے تھے۔ «وسطیٰ» میں اس مبحث کی کچھ عبارت
کاتب سے چھوٹ گئی تھی۔ اُس نے حاشیے میں اسے نقل کیا تو اُ
کے آخر میں سابق الذکر قلم سے یہ عبارت بڑھائی گئی[1]۔

«و أما بغداد فقد ⁂ الوزیر ابو نصر سابور ⁂ داراً بالکرخ
و عمرها و ⁂ دارالعلم و وقفها علی العلـ ⁂ إلیها کتباً
کثیرة وکا ⁂ سنة ثلاث و ثمانین و ثلاث [مایة]».

(٧) سبکی نے اپنے والد کا ایک قطعه نقل کیا ہے[2]۔ اُس میں
ایک شعر اُسی خط میں بڑھایا گیا ہے، جو «کبریٰ» میں نہیں ہے۔

أمیرٌ علی الملک المفدّی و من سلم العلا ثم اشتراه

میں ان سب عبارتوں کو بخط سبکی خیال کرتا ہوں۔ دوسرا شخص یہ جرأ
نہیں کر سکتا کہ اپنی عبارتیں کسی کتاب کے متن میں داخل کردے

یہیں پر یہ بھی لکھتا چلوں کہ موسیٰ بن یونس بن محمد کمال الدین
ابو الفتح الموصلی کے ذکر میں سبکی نے لکھا ہے کہ اُس کی مجلس
میں اثیر الدین مفضل بن عمر الأبہری جیسا فاضل کسب فیض کے لیے
حاضر ہوا کرتا تھا۔ اُس موقع پر کاتب نے حاشیے میں یہ شعر لکھے ہیں
اور پہلے مصرع کے اوپر حرف «ف» بنایا ہے:

أحسنتَ یا علمَ الهداة و بالإصابة قد نطقتا
و أتیت بالحقّ المبیّن فی تراجم مَن ذکرتا

١ ایضاً ورق ١٩٣ (ب) ٢ ایضاً ورق ٣٤٠ (ب)

و خصوصان الرجلان ہاذان اللذان ہنا وصفتا
أحیی لک اللہ العلوم فکل العالمین فقتا

اور انکے نیچے لکھا ہے : «قال دلک و کتب العبد الفقیر محمد بن الشہرزوری[١]»

جہانتک «وسطیٰ» کے مندرجات کا علاقہ ہے، یہ کبریٰ کے مقابلے میں خاصے کم ہیں. چنانچہ «کبریٰ» کے بیان میں لکھا جاچکا ہے کہ اس کے آٹھویں صدی کے ١٢٩ رجال میں سے صرف ٤٥ «وسطیٰ» میں مذکور ہوے ہیں. اس پر ابتدائی صدیوں کو قیاس کیا جا سکتا ہے. لیکن اس کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ «وسطیٰ» کے بہت سے اشخاص، اور اُس کے دوسرے مندرجات میں سے بھی بہت سی باتیں، «کبریٰ» میں نہیں پائی جاتیں. اس لیے یہ کتاب «کبریٰ» کی اشاعت کے باوجود اپنے اختصار، حسن ترتیب اور مواد تیبوں کے لحاظ سے قابل اشاعت ہے.

ذیل میں «وسطیٰ» کے چند ایسے تراجم کا ذکر مناسب ہوگا جو یا تو «کبریٰ» میں مذکور ہی نہیں یا صرف نام کی حد تک اُن کا تذکرہ ہوا ہے :

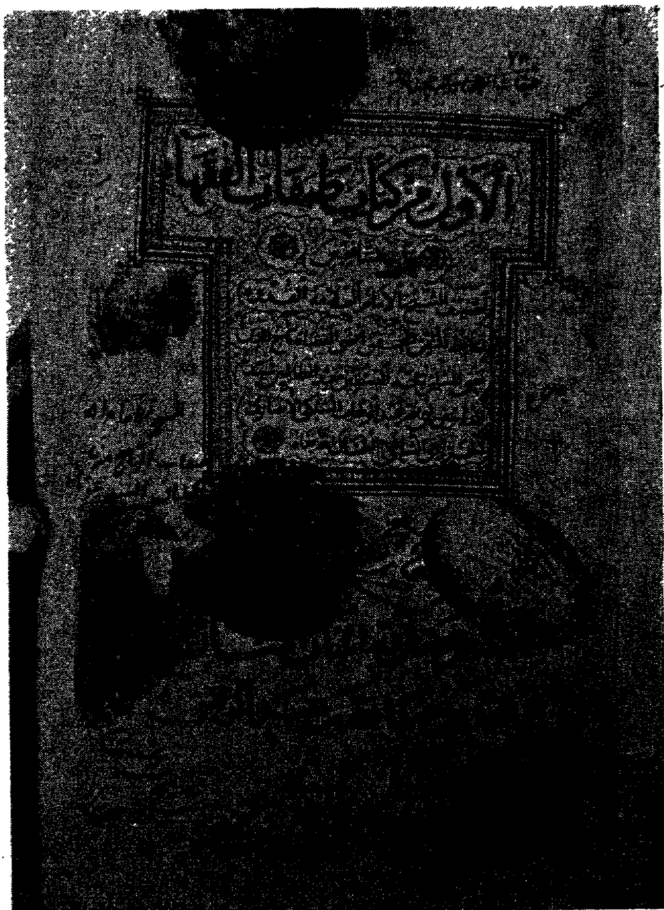
١ــ أحمد بن میمون الفارسی أبو محمود کے بارے میں «وسطیٰ» میں لکھا ہی کہ «مجھے ان صاحب کا زیادہ حال نہیں ملا. اگر آیندہ کچھ ملا، تو کبریٰ میں لکھ دوں گا»[٢]. «کبریٰ» میں ان کا سرے سے ذکر ہی نہیں ہے.

٢ــ سُہیل بن سہل بن بشر بن یحییٰ بن أحمد أبوالفضل التمیمی کے بارے میں لکھا ہے[٣] کہ یہ نظام الملک طوسی کے مخصوصین میں تھا. سنہ ٤٨٦ ھ میں پیدا ہوا تھا. تاریخ وفات معلوم نہوسکی. «کبریٰ» میں اس کا بھی ذکر نہیں ملتا.

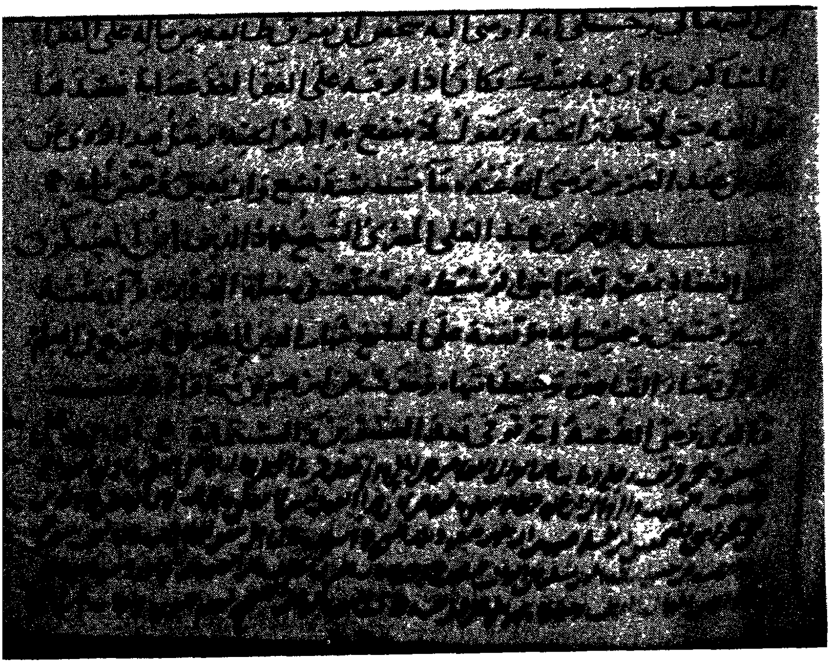
٣ــ سہل بن محمود محمد البرانی ابوالمعالی متوفی سنہ ٥١٤ ھ کا ذکر بھی «کبریٰ» میں موجود نہیں ہے «وسطیٰ» میں ٥ سطروں میں اس کا ترجمہ لکھا ہے[٤].

---

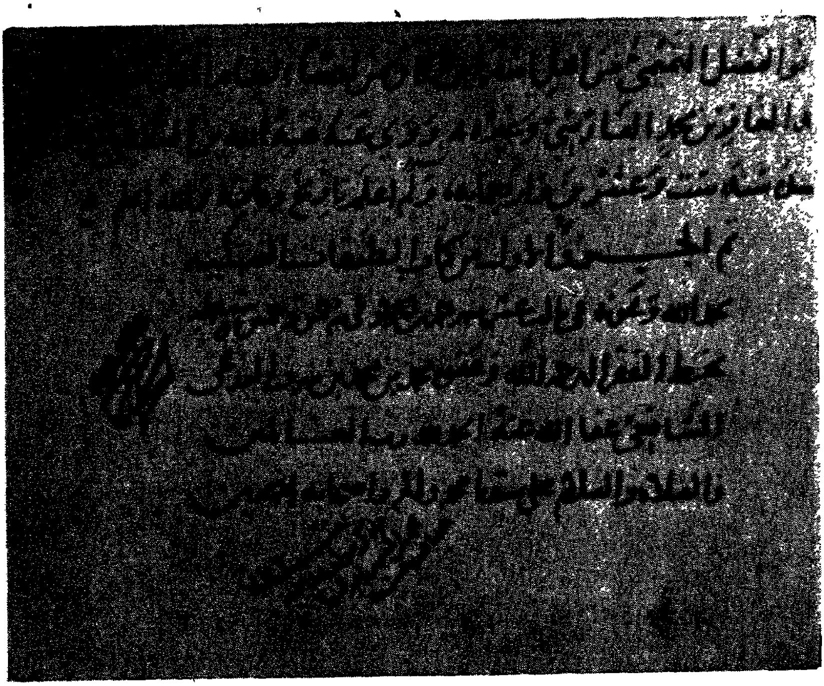
١ ایضاً ورق ٣٨٨ (الف)
٢ ایضاً ورق ٥٧ (الف)
٣ ایضاً ورق ٢٢٩ (الف)
٤ ایضاً ورق ٢٢٩ (الف)



طبقات الفقہاء الشافعیین للسبکی نسخۂ رام پور کا سر ورق



طبقات الفقہاء نسخۂ رامپور پر مصنف کی تحریر



طبقات الفقهاء نسخۂ رام پور کا ایک صفحه مکتوبه محمد بن محمد بن شرف الزرعی الشافعی سنه ۷۵۵ ھ

٤ــمحمد بن احمد بن یحییٰ الفقیه ابو نصر کا صرف نام «کبریٰ» میں مذکور ہے۔ «وسطیٰ» میں ان کو السرخسی بتایا ہے، اور الحاکم کا یہ قول نقل کیا ہے[1]:

«کان من فقهاء الشافعیین و ممن یرجع إلی أدب و کتابة و فضل. جاء نعیه سنة ثلاث وثمانین و ثلاث مأیة».

٥ــمحمد بن أحمد بن مت الإستیخنی لکھ کر «کبریٰ» میں چھوڑدیا گیا ہے۔ «وسطیٰ» میں لکھا ہے[2]:

«محمد بن أحمد بن محمد بن مت الإشتیخنی من أهل إشتیخن، بکسر الألف و سکون الشین المعجمة و کسر التاء المنقوطة بنقطتین من فوقها بعدها یاء معجمة بنقطتین من تحتها ساکنة ثم خاء معجمة مفتوحة ثم نون. وهی قریة من قری السغد بسمرقند. کان من أئمة الأصحاب. و روی صحیح البخاری عن الفربری. رویٰ عنه أبو نصر الداودی. مات فی شهر رجب سنة ثمان و ثمانین و ثلاث مأیة».

٦ــمحمد بن أحمد المروزی أبو عبدالله الخضری کے متعلق «وسطیٰ»[3] میں دو باتیں ایسی مذکور ہیں جو «کبریٰ» میں نہیں ہیں: پہلی یہ کہ الخضری کا صحیح تلفظ، بفتح خا و کسر ضاد ہے، لیکن از راہ تخفیف لوگوں نے بسکون ضاد بولنا شروع کردیا ہے۔ دوسری یہ کہ ان کا انتقال «فی عشر الثمانین و ثلاث مأیة» ہوا ہے۔

٧ــأحمد بن محمد بن حاتم الفقیه أبو حاتم الحاتمی، «کبریٰ» میں نام کی حد تک مذکور ہیں «وسطیٰ» میں چھ سطروں میں حال، اور رجب سنه ٣٧٢ ھ میں انتقال بتایا ہے۔

٨ــمحمد بن زهیر بن أخطل ابوبکر النسائی إمام نسا و خطیبها «کبریٰ» میں بس اتنا ہی مذکور ہے۔ «وسطیٰ» میں تین سطروں میں حال لکھ کر بتایا ہے کہ لیلة الفطر سنه ٤١٨ ھ میں اُنھوں نے وفات پائی[4]۔

---

١ ایضاً ورق ٦٦ ب

٢ ایضاً ورق ٧٠ (ب)

٣ ایضاً ورق ٦٩ (الف)

٤ ایضاً ورق ٨٩ (ب)

۹ـــمحمد بن علی بن عمر ابو بکر ابن الراعی کا حال اور تاریخ وفات شعبان سنه ٤٥٠ ھ بھی صرف «وسطیٰ» میں مندرج ھے[۱].

۱۰ـــحسین بن عبدالعزیز بن محمد البوجردی السنجبازی کا حال اور تاریخ وفات سنه ٤٩٧ بھی «وسطیٰ» ھی میں مذکور ھیں[۲].

۱۱ـــنجم الدین ابوالجنّاب (بفتح الجیم ثم النون المشددة المفتوحة) أحمد بن عمر بن محمد الخیوقی، من خیوق و یقال خوق من قری خوارزم، الصوفی المشهور بنجم الکبریٰ کا سال وفات بھی «کبریٰ» میں رہ گیا ھے. «وسطیٰ» میں ان کے انتقال کا واقعه ان الفاظ میں بیان ھوا ھے[۳]:

«و من مناقب نجم الکبریٰ انه استشهد فی سبیل الله و ذالك أن التتار لما نزلت علی خوارزم فی ربیع الأول من سنة ثمان عشرة وستمأية خرج فی من خرج و معه جماعة من مریدیه فقاتلوا علی باب خوارزم، حتی قتلوا مقبلین غیر مدبرین».

۱۲ـــأبواللیث الشاشی نصر بن حاتم بن بکر کا ذکر بھی صرف «وسطیٰ» میں ھے. یه سنه ۳۳۹ ھ تک بقید حیات تھے[٤].

۱۳ـــامام شافعی کے نواسے ابو بکر احمد بن محمد بن عبدالله ابن بنت الشافعی کا تذکرہ «کبریٰ» میں چھ سطروں میں اور «وسطیٰ» میں ۲۸ سطروں میں ھے[٥].

۱٤ـــ«وسطیٰ» میں أحمد بن عبد الوھاب المصری علاءالدین کی تاریخ وفات ربیع الآخر سنه ٦٩٩ ھ ملتی ھے[٦].

۱٥ـــمحمد بن سلامة بن جعفر بن علی القاضی أبو عبد الله القضاعی کے ذکر میں «وسطیٰ» میں ان کا سال وفات ذیحجه سنه ٤٥٤ ھ اور تصنیفات میں «تاریخ مختصر من مبتدأ الخلق إلی زمانه» اور «کتاب أخبار الشافعی» کا بھی ذکر ھے[۷].

---

۱ ایضاً ورق ۱۱٤ (ب) ۲ ایضاً ورق ۲۰۷ (ب) ۳ ایضاً ورق ٤۲٤ (ب)
٤ ایضاً ورق ٤۱۲ (ب) ٥ ایضاً ورق ٤۱۷ (ب) ٦ ایضاً ورق ٤۲ (ب)
۷ ایضاً ورق ۹۲ (ب)

۱٦ــعبید الله بن احمد بن عثمان الازهری ابوالقاسم کے متعلق «کبریٰ» میں لکھا ھے[۱]: «یعرف بابن السوادی». «وسطیٰ» میں اس کی وجہ بھی بتائی ھے[۲]: «إن جده عثمان من أهل إسكاف. قدم بغداد، و استوطنها، فعرف بالسوادی. و تاریخ الخطیب طافح بحكايات هذا الشيخ والرواية عنه».

۱۷ــموسیٰ بن ابی الفضل یونس بن محمد کمال الدین ابوالفتح الموصلی کا سال وفات ۱۵ شعبان سنه ٦۳۹ ھ بھی صرف «وسطیٰ» میں مذکور ھے[۳].

۱۸ــ«کبریٰ» میں فقیه عورتوں کا ذکر میری نظر سے نہیں گزرا «وسطیٰ» میں ان کا مستقل باب ھے، جس میں (۱) أخت الإمام ابی اسمعیل المزنی (۲) امة الواحد بنت القاضی الحسین بن اسمعیل المحاملی متوفیه سنه ۳۷۹ ھ (۳) بنت ابی علی الشبوی، زوجۀ الخضری (٤) زلیخاء بنت القاضی اسمعیل بن یوسف کا ذکر کیا گیا ھے.

۱۹ــنیز ان دونوں تذکروں میں سنین کے اختلافات بھی نظر آتے ھیں جو کاتب اور مؤلف دونوں میں سے کسی ایک کا نتیجۀ کار ھوسکتے ھیں. مثلاً سعید بن عبدالعزیز ابوسھل الںیلی کو «کبریٰ» میں سنه ٤۱۰ھ میں اور «وسطیٰ» میں سنه ٤۲۰ ھ میں متوفی بتایا ھے[٤]. یا عبدالجبار بن احمد بن یوسف الرازی ابو القاسم کو «کبریٰ» میں لکھا ھے که ٤۷۲ ھ میں شہید ھوے «وسطیٰ» میں[۵] اس کی جگه سنه ٤۹۲ ھ درج ھے[٦].

(۳) سبکی کے تیسرے تذکرے کا نام «طبقات الفقہاء الشافعية الصغریٰ» ھے. اس تذکرے کا دیباچه برٹش میوزیم کی فہرست مخطوطات کے ضمیمے میں نقل کیا گیا ھے. اس سے معلوم ھوتا ھے که مؤلف نے اپنی «طبقات کبریٰ» کے تمام اسماء اور بہت معمولی اطلاعات یکجا کردی ھیں.

[۳۱ ۸/ ۱۹٦۱ع]

۱ طبقات الکبریٰ (۳ : ۲۸٦)
۲ طبقات الوسطیٰ ورق ۳۱۳ (الف)
۳ ایضاً ورق ۳٤۸ (الف)
٤ ایضاً ورق ۲۲۳ (الف)
۵ ایضاً ورق ۲۵۲ (الف)
٦ یه تذکره انشاء الله عنقریب رضا لائبریری کی طرف سے شائع ھوگا.

علاءالدین عطا ملک جوینی

ڈاکٹر مؤمن محی الدین

جوینی کے صاحبدیوان خاندان کا شمار ایران کے ممتاز گھرانوں میں تھا ، شجرۂ نسب عباسی دور کے مشہور وزیر فضل بن ربیع تک پہنچتا ہے ، اپنی شاندار علمی و ادبی روایات ، جودوسخادت اور ادب پروری اور سب سے بڑھ کر اپنے انجام میں صاحبدیوان خاندان برامکہ کی یاد دلاتا ہے . انشاء و ترسل اور استیفا اس خاندان کے موروثی علوم بن گئے تھے اور وزارت خاندانی عہدہ تصور کیا جاتا تھا . اسی خاندان کا ایک فرد منتجب‌الدین بدیع اتابک الجوینی جو رشیدالدین و طواط کا محسن تھا ، سلطان سنجر کے عہد میں رئیس دیوان الانشاء رہ چکا تھا اس کی تصنیف « عتبۃالکتبہ » فارسی زبان کی قدیم ترین منشآت میں سے ہے جو منظر عام پر آئی ہے . عوفی اپنے « لباب‌الالباب » میں ترسل و انشاء پر اُس کی ایک دوسری تصنیف « رقیۃالقلم » کا بھی ذکر کرتا ہے[1]. جوینی کے والد بہاءالدین کا علماء عصر میں شمار ہوتا تھا . چنگیز خان کے جانشین اوکتائی قاآن کے عہد حکومت میں خراسان ، ماژندران اور ممالک اطراف کا صاحبدیوان (مستوفی الممالک) تھا اور اسی کے جیسے چند وطن دوست عہدہ داروں کا دم خم تھا کہ ایران مزید تباھی اور معاشی بحران سے محفوظ رھگیا[2] .

عطاملک جوینی اور اس کے بڑے بھائی شمس‌الدین محمد صاحبدیوان کا شمار مشاہیر اسلام میں ہوتا ہے . دونوں بھائیوں کی علمی فضیلت اور علم پروری نے مشہور مؤرخین مثلاً الذّھبی اور وصاف وغیرہ سے خراج

---

۱ محمد عوفی ، لباب الالباب (طبع لیدن) مرتبہ براون و قزوینی ، حصہ اول ص ۷۸

۲ J. A. Boyle, History of the World-Conqueror (Manchester 1958) Introduction, P. xx.

تحسین حاصل کیا ہے ۔ شمس الدین محمد ہلاکو جیسی تاریخی شخصیت کے عہد حکومت میں وزارتِ عظمیٰ کے عہدہ پر فائز تھا اور کل سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک تھا ۔ مسلم وزراء کی تہذیبی سرگرمیوں اور علمی روایات کو اس نے زندہ رکھا ، ایلخانیوں کے عہد میں بھی وہ اپنے عہدہ پر بحال رہا مگر اس کا حشر بھی وہی ہوا جو سیاست میں وزیروں کا ہوتا چلا آیا ہے ۔ وصاف دونوں بھائیوں کا ارادت مند تھا شمس الدین محمد کی مدح میں ایک قصیدہ بھی لکھا تھا ، جوینی کی رعایا پروری اور تہذیبی کارناموں کی مدح وستائش میں اس نے جو عبارت پردازی دکھائی ہے وہ دراصل اظہارحقیقت سے عبارت ہے ۔ وصاف جوینی کی طرز تحریر کی تعریف بھی کرتا ہے اور تقلید بھی اور کبھی کبھی اس کی دنیاداری پر تنقید بھی کر بیٹھتا ہے[1] ۔

علامہ قزوینی نے تاریخ جہانگشای کے فاضلانہ اور جامع مقدمہ میں جوینی کی حالات زندگی پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے ۔ اوایل جوانی ہی سے جوینی نے «کار تحریر دیوان» کو مشغلہ بنا رکھا تھا ، امیرارغون نے جو منگولوں کی طرف سے خراسان اور مازندران کے علاقوں کا حاکم تھا اسے اپنے خاص دبیروں میں شامل کر لیا ، اپنے دوران حکومت میں امیرارغون ہمیشہ سازشیوں سے گھرا رہا ۔ انہی لگانے بجھانے والوں میں جمال الدین نامی ایک عہدہ دار بھی تھا جس نے ہلاکو کی خدمت میں جب وہ ایک لشکر جرار لے کر اسمٰعیلیوں کی سرکوبی کی غرض سے ایران آیا ہوا تھا ، امیرارغون اور اس کے ماتحتوں کے خلاف الزامات کا ایک محضر پیش کیا جسے وہ منگوقاآن تک پہنچانا چاہتا تھا ، جوینی پر بھی فرد جرم عائد کی گئی تھی ، ہلاکو نے جوینی کا نام دیکھ کر مدعی سے جب اس کا ثبوت مانگا تو سازش کا بھرم کھل گیا ۔ ہلاکو کی نظروں میں جوینی جس عزت و احترام کا مالک تھا اس کا یہ ادنیٰ ثبوت ہے ، اسی کی مصاحبت میں جوینی کی ترقی اور تمول کے دروازے کھل گئے اور ساری تباہیاں بھی اسی راستے سے داخل ہوئیں ۔

---

۱ تاریخ وصاف (۱ : ۷، ۲۰ ۱۱۹، ۲۲۷-۲۲۸، ۶۹ ۱۶۶ وغیرہ)

جوینی کا کردار :

جوینی کے عہد میں معاشرے کی بگڑی ہوئی حالت اور نظام حیات کی بدنظمی نے ایک انتشار پھیلا رکھا تھا یہی وجہ ھے کہ جوینی جیسے باشعور افراد کے ذھنوں کے دریچے کبھی کبھار بند ملتے ھیں اور اسی کا سبب ھے کہ ان کے «کارنامے» ان کے مذھبی عقائد اور روحانی نظریات سے مطابقت نہیں رکھتے، جوینی کے کردار و عمل کا تضاد اپنے دور کے ذھنی انتشار اور روحانی بحران کا نتیجہ تھا، باطنیوں کے خلاف مہم جوینی کے مذھبی عقائد کی رو سے بدعت و الحاد کے خلاف جنگ تھی[۱]. یہی توجہ ھے کہ اس مذھبی اور سیاسی تحریک کا ھلاکو کے ھاتھوں استیصال راسخ العقیدہ مسلمانوں کے نزدیک اسی کافر کا مستحسن اقدام تھا[۲]. جوینی کی اس جنگ میں شرکت اس کے عقائد کی روشنی میں کار ثواب تھا[۳]، مگر بغداد کی تسخیر اور خلافت کی تباھی میں ھلاکو کے ھمرکاب اور دیگر مشاھیر اسلام مثلاً نصیرالدین طوسی، اتابک ابوبکر بن سعد زنگی (سعدی کا ممدوح) اور اتابک بدرالدین لولوی موصلی کی معیت میں جوینی کی شرکت کی توجیہ اس کے مذھبی استدلال اور قرآنی تأویل میں بھی نہیں ملتی. انقراض خلافت اور حکومت بغداد پر اپنے تقرر کی جو قرآنی تأویل جوینی نے پیش کی ھے اس سے یہی اندازہ ھوتا ھے کہ وہ اسے قضا و قدر کی کارفرمائی اور ایک تاریخی عمل تصور کرتا ھے[٤] :

«حاکم دارالملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء ممالک عراق و بغداد و خورستان را چون از قبضۂ تصرّف و تملک خلفای بنی العباس انتزاع کرد و بپادشاه جهان (هلاکو) دست بدست تسلیم و ایداع درشهور سنۂ سبع و خمسین وستّمایه که

---

۱ تاریخ جہانگشای (۳ : ٤۳۵٤)

۲ E.G. Browne, A Literary History of Persia, (Camb 1951) Vol. II P. 460.

۳ تاریخ جہانگشای (۳ . ٤۳۵٤)

٤ رسالۂ تسلیۃ الأخوان (مسلم یونورسٹی علی‌گڑھ، ذخیرہ سبحان اللہ مخطوطہ نمبر ۱ : ۹۰۸) ورق ٤ الف)

از میعاد واقعهٔ بغداد یکسال بود تدبیر مصالح و مهمات آن ملک بمحرراین احوال تفویض گردانید ودست او درحل و عقدامور و رتق و فتق مصالح جمهور مطلق » .

شعور کہتا ہے جوینی بساط سلطنت کا ایک اہم مہرہ تھا جسے شاطر کھلاڑی نے دیگر ارباب کبار کے ساتھ فرزیں بناکر آگے بڑھایا، خلافت گو مذہبی علامت بن کر رہگئی تھی مگر جس تقدس اور احترام کی حامل تھی ہلاکو اس سے نا واقف نہ ہوگا. پانچ سو برس کی پرانی روایت کو تلوار کے ایک وار سے توڑ دینا عالم اسلام کے ذہن و دل پر کاری ضرب لگانا تھا، تاریخ جوینی کو معاف کرسکتی ہے مگر مذہب کی عدالت میں جوینی اپنے ہی عقائد کی رو سے مجرم اور جوابدہ ہے. یہی وجہ ہے کہ جوینی بعض مؤرخوں کی نظروں میں ہدف ملامت بنا ہے[1] . تاریخ کہتی ہے خلافت « سیاسی اپاهج » تھی جس کا مٹ جانا ایک تاریخی عمل تھا. جوینی اور محققطوسی جیسے ذہین افراد اس عمل کی کار فرمائی سے لا علم نہیں تھے. یوں دیکھا جائے تو جوینی کی اپنی مجبوریاں اس کے مقدمہ کو مضبوط بنا دیتی ہیں، ہلاکو کے دبیر خاص اور مصاحب کی حیثیت سے آقا کی معیت سے بھاگنا نا ممکن تھا. دیگر مسلمان فضلاء و امراء کی شرکت اسے اخلاقی سہارا دے گئی، علاوہ ازیں کسی بھی قسم کی بہانہ‌سازی یا کوتاہی سیاسی چالبازوں کو چالیں چلنے کا موقع دے دیتی.

منکول اور جوینی:

جوینی چونکہ اپنے معاشرہ کے ذہین افراد میں سے تھا اسی لئے عام ذہنی سطح سے بلند ہوکر سوچتا ہے اور لکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ بحیثیت مؤرخ عام معیار سے اونچا ابھر کر ہمارے سامنے آتا ہے اور اس لحاظ سے وہ ابن خلدون کا ہم پلہ بھی ہے اور پیشرو بھی[2] . علم تاریخ کے اصول فلسفی اور نظریات اور وہ عمرانی تصورات جو مقدمهٔ ابن‌خلدون

۱ مقدمهٔ قزوینی ص له Browne, ibid. P. 473 etc.

۲ سبک شناسی، (۳ : ٥٤)

کے قالب میں ڈھل گئے ہیں گویا اس خواب کی تعبیریں تھیں جسے جوینی برسوں پہلے دیکھ چکا تھا، تاریخی شعور اور معاشرتی مسائل کے وہ چند ہلکے پھلکے اشارے جو عطا ملک جوینی کے قلم سے نکلے ہیں وہ ابن خلدون کی آمد کی نشاندھی کرتے ہیں:

«در مقدمه و حشوآن کتاب بشیوهٔ «مقدمهٔ ابن خلدون» جای بجای (هر چند سیار مختصراست) مسائل فلسفی و اصول صحیح اجتماعی در علل حقیقی شکست خوارزمیان و انقراض مدنیت ایرانیان در برابر حادثهٔ تاتار و علت‌های واقعی دیگر در پیشرفت کار چنگیز و اتباع خونریز او آورده است که در عالم خود منحصر بفرد میباشد، و درکتب فارسی بلکه تواریخ تازی سوای «ابن خلدون» کسی باین نحو در کنه مسائل تفصی و تعمق ننموده است»[1]

اس تاریخی شعور کی روشنی میں جوینی کا قلم مسلم مملکتون کی تباہی، ایرانی معاشرے کی شکست و ریخت اور وحشی خانہ بدوشوں کی غارتگری، لوٹ کھسوٹ اور تسلط کے اقتصادی اور سماجی اسباب و علل ڈھونڈھنے میں ٹھوکریں نہیں کھاتا[2]. جوینی کے ایک ہاتھ میں تاریخ کا قلم تھا اور دوسرے میں وقت کی نبض تھی اسی لئے سیاسی تبدیلیوں اور معاشرے کی بدلتی ہوئی قدروں کا تجزیہ کرتے وقت وہ معاشی عوامل اور سماجی محرکات کو بالکل نظر انداز نہیں کرتا مگر اس کا استدلال اس کے مذہب و اخلاق کے داخلی محسوسات کی وجہ سے توازن کھو بیٹھتا ہے، انسانیت کے عظیم ترین سانحہ کو جب وہ قہر خداوندی سے منسوب کرتا ہے جو منگولوں اور تاتاریوں کے ہلاکت انگیز حملوں کی شکل میں نازل ہوا اور جب وہ ان کے نتائج کا جواز قرآن و احادیث کی روشنی میں ڈھونڈھتا ہے تو اس وقت جوینی بہت بڑا زمانہ‌ساز نظر آتا ہے. «بقیةالسیف» کو «اولوالأبصار» کی ہدایت اور مقتولین کو «درجهٔ شهادت» کی بشارت دیکر[3]

---

۱ سبک شناسی (۳ : ۵۲)

۲ تاریخ جهانگشای (۱ : ۱۵، ۲۱-۲۳، ۶۱ وغیرہ)

۳ ایضاً (۱ : ۱۰-۱۲)

جوینی عام مسلمانوں کے آنسو پونچھنا چاہتا ہے اور اس طرح منگولوں کے گناہوں کو دھونے کی کوشش کی ہے ۔

اس کیفیت میں جوینی ان ہزاروں مسلمانوں کے احساس پسپائی کی ذہنی نمائندگی کرتا نظر آتا ہے جنھوں نے مایوس ہوکر حالات کے آگے سرجھکا دیا تھا یہ سمجھتے ہوئے کہ پرانے دن لوٹ کر نہ آئینگے ، پرانا نظام مرچکا ہے اور اس کے احیاء کی کوئی صورت نہیں ۔ بہت سے لوگ ایسے تھے جو اس ذہنی خلفشار سے بچنے کے لیے تصوف کی انفعالیت میں فرار ڈھونڈھ رہے تھے اور وہ « باقیات صالحات » جو زندگی کے منفی رجحانات کا شکار ہوگئے ، انھیں صرف اپنے ذہنوں میں پناہ مل سکی ۔ ان کے دل ماوراءالنہر اور خراسان کے شہروں اور دیہاتوں کی طرح اجڑ چکے تھے ، اور یہ لوگ صرف اپنے ماضی میں زندہ تھے ۔ ان میں موقع پرستوں کا ایک ایسا طبقہ موجود تھا جس کے پیش نظر ذاتی مفاد اور سیاسی اقتدار تھا ۔ یہ لوگ اپنے آقاؤں کی لوٹ کھسوٹ میں اپنا نصیب ڈھونڈھتے پھرتے تھے ، یہ ضمیر فروش ذاتی مفاد کی خاطر اپنے ہی ہم وطنوں کے خلاف سازش کے جال اور فرد جرم لیے کھڑے رہتے تھے ۔ ان کے علاوہ مسلمان دانشوروں کا ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو زمانہ ساز سہی مگر حال کے تقاضوں کا شعور رکھتا تھا ۔ نئے آقاؤں کی سرپرستی اور خدمت کو اس طبقے کے افراد مزید مصائب سے تحفظ کا ذریعہ سمجھتے تھے اور ان کے معاشی مسائل کا حل بظاہر منگولوں کی ملازمت میں نظر آتا تھا ، لہذا ان کے لیے حالات سے سمجھوتہ کرنا ناگزیر تھا ۔ ایسے ہی چند وطن دوست حاکموں نے منگولوں کی قوتوں کو تعمیری کاموں کی طرف موڑ دیا ، انھیں ہمیشہ وطن کی بہبودی اور قوم کی ترقی کا خیال دامنگیر رہا ۔ جوینی کا صاحبدیوان خاندان اسی طبقے کی نمائندگی کرتا ہے ۔

بعض مؤرخین کی نظروں میں جوینی اسی لیے لائق تعزیر بن گیا ہے ۔ اس پر غداری اور وطن دشمنی کے الزامات عاید کیے گیے ہیں اور کھلے

الفاظ میں اسے قومی مجرم ٹھیرایا گیا ہے[1] جس نے مادر وطن کی تباہ حالی اور بربادی کی طرف سے آنکھیں بند کرلیں اور دشمنوں کی مدح سرائی میں زبان کھول لی. قرون وسطیٰ میں تملق شعاری بندگی کی روایت اور نظام زندگی کی مجبوری تھی، اور یہی درباداری کے آداب بھی تھے اور یہی اندازتحریر ہی کا اصول بن گیا تھا. ایک جوینی پر ہی کیا موقوف ہے اس نقطۂ نظر سے فارسی شاعری کے سارے قصیدہ گو اور مؤرخین لائق تعزیر قرار دیے جاسکتے ہیں[2]. جاگیردارانہ نظام معیشت ہو یا فوجی نظام حکومت، ہر دور میں فن و ادب کی سب سے نفع بخش منڈیاں سلاطین اور امرا کی ڈیوڑھیاں رہی ہیں جہاں تملق اور خوشامد کے وزن سے اور غلو و مبالغہ کے ترازو پر روٹیاں تولی جاتی تھیں. اہل ہنر کے لیے قلم ہی کسب معاش کا ذریعہ اور آلۂ پیداوار تھا. یہ نکتہ ایسا نہ تھا کہ باشعور افراد پر عیاں نہ ہوتا، اس سے قابوس بن وشمگیر بھی واقف تھا اور عبدالرحیم خانخاناں بھی جانتا تھا کہ تشبیہوں اور استعاروں کے چمکیلے تانے بانے سے بنے ہوئے مدحیہ قصائد بیچنے والے یہ سوداگر چند سکۂ زر کے دریوزہ گر اور «چند بیگہ مٹی کے سائل» ہیں.

جوینی ایرانی شہنشاہیت کا پروردہ نہ تھا گو اس کی پرورش عربی و عجمی تہذیب کے ماحول میں ہوئی تھی، جب تہذیب ایک نئے موڑ سے گذر رہی تھی، تاریخ کے بھرپور وار سے معاشرے کی دیواریں گر رہی تھیں اور تہذیبی روایات اور اقدار کچے دھاگے کی طرح ٹوٹ رہی تھیں. بلاداسلامیہ اور بالخصوص خراسان بری طرح تباہ و برباد ہوگئے تھے. مسلم تہذیبی ادارے لٹ چکے تھے اور علم و فن کے چشمے قناتوں اور کاریزوں کی طرح خشک ہوچلے تھے. جوینی ایک راسخ العقیدہ مسلمان اور ایک ایرانی ہونے کے باعث خوارزم شاہیوں کے انقراض حکومت پر

---

۱ V.V. Barthold, *Turkestan down to the Mongol Invasion*, (E J W.) (London 1928), P. 40; Baron D'hsson, *Histoire des Mongols* · "faits pour de'montrer que c'est pour le bien des Musalmans que les Mongols sont venus les e'gorger" (Cf. Boyle, Introduction, P. xxxiv).

۲ Barthold, *ibid*, p. 40.

ملول تھا[1] اور اسے اپنے موروثی رشتے کے ٹوٹ جانے کا بھی غم تھا ، کیونکہ اس کے جد اعلیٰ بہاءالدین محمد اور دادا شمس‌الدین محمد (بزرگ) صاحبدیوان نے اسی سلطنت کی خدمت میں زندگیاں گذار دی تھیں . گو اس کا قلم منگولوں کی مدح سرائی میں سرنگوں رھا مگر دل کا ناسور قلم کے ذریعے کبھی کبھی بہہ نکلتا ھے . منگولوں کی فوجی تنظیم ، جرأت اور اور بیباکی اور دیگر اوصاف‌حمیدہ کا موازنہ جب وہ اپنے ہم وطنوں سے کرتا ھے تو اسے بڑی مایوسی ہوتی ھے . انھی اوصاف کا فقدان جوینی کے نزدیک اس کے وطن کی معلوبیت اور ایرانی مدنیت کی تباھی کا ایک سبب تھا[2].

تاتاریوں کے حملوں کے کچھ تعمیری پہلو بھی تھے جنھیں اجاگر کرکے جوینی نے اپنے باشعورمؤرخ ہونے کا ثبوت دیا ھے . ایک طرح سے یہ حملے مشرقی ایشیا کے دور و دراز علاقوں میں اسلام کی اشاعت اور مسلم تہذیب کی نمو کا سبب بن گئے . ماوراءالنہر کا لٹا ھوا شہری طبقہ اور خراسان و خوارزم کے بے روز گار ہنرمند اور پیشہ ور مسلمان انھی علاقوں میں آ آکر آباد ھونے لگے . مسلم نوآبادیاں ایرانی کلچر اور مسلم تہذیب کی آما جگاہ بن گئیں . عراق و شام کے ریگستانوں سے لے کر چین کے ساحلوں تک مسلمان سیاحوں اور تاجروں کے قافلوں کی گھنٹیاں سنائی دینے لگیں[3]. تعلیمی ادارے قائم ھوئے اور کچھ مدرسے منگولوں نے تعمیر کرائے[4]. اس طرح اسلامی علوم کو فروغ حاصل ھوا . « ازلی نیلے آسمان » کے پوجنے والے تکبیر و اذان کی آوازوں سے مانوس ھوتے گئے :

« وبسبب یمن برکات اهل ایمان در هر طرفی که طرف درآن جولانی می نماید از کثرت مؤحدان مسلمانان مصری جامع می بیند و درمیان ظلمت نوری ساطع »[5]

---

۱ تاریخ جہانگشای (۱ : ۳-٤، ۱۲، ۱۷، وغیرہ

۲ ایضاً- (۱ : ۱۰، ۱٤، ۱۸-۱۹، ۳۰-۳۲)

۳ ایضاً ص ۹

٤ V. V. Barthold, Four Studies on the History of Central Asia, V. & T. Minorsky (Leiden 1956-58), Vol. I, PP 47, 50-51, Vol. II. PP. 3-7.

۵ تاریخ جہانگشای- (۱ : ۹-۱۰)

یہ معاشی عوامل اور سماجی محرکات ایک طرح سے آنے والے دور کی اقتصادی اور تہذیبی ترقیوں کی نشاندھی کرتے ھیں. معاصر مؤرخین منگولوں کے ان تعمیری پہلوؤں کو نظر انداز کرکے ایرانی ثقافت کے زوال اور اسلامی علوم کے انحطاط کا رونا روتے ھیں، خود جوینی بھی اس ماتم میں کبھی کبھی شریک ھوجاتا ھے. نئی تحقیقات[۱] کی روشنی میں یہ حقیقت پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ھے کہ منگولوں اور بالخصوص ایلخانیوں کے دور میں مادی ترقیوں نے تہذیبی اور ثقافتی فتوحات کے دروازے کھول دیے تھے. معاشی خوشحالی اور کلچر کی ترقی میں ایران بہت سارے ملکوں سے آگے بڑھ گیا تھا[۲]. شہری زندگی کے تصورات کو فروغ حاصل ھوا. نئی تجارتی منڈیاں قائم ھوئیں اور دور و دراز ملکوں سے بحری تجارتی تعلقات استوار ھوئے. سقوط بغداد اور انقراض خلافت کے بعد دوسرے عقائد کے دانشوروں کے لیے مسلمانوں کے دوش بدوش سائنسی تحقیقات اور علوم ریاضی وغیرہ کی نشو و نما میں حصہ لینا آسان ھوگیا[۳]. مذھبی عصبیت اور سائنس کی آویزش میں مؤخرالذکر کی ترقیاں دور عباسیہ کے بعد ایک نقطۂ کمال پر آکر رک گئی تھیں. منگولوں کے عہد میں جب فضا سازگار ھوئی تو روشن دماغ دانشوروں، سائنسدانوں اور مؤرخوں کے ذھنوں کی کھڑکیاں کھلنے لگیں. منگولوں نے علم ریاضی، علم ھیئت و نجوم، نباتات، طب وغیرہ کو فروغ دیا[٤]. ازلی نیلے آسمان کے پجاریوں کی علم ھیئت سے دلچسپی سمجھ میں آنے والی بات ھے. انھوں نے شمالی مغربی ایران میں کئی رصدگاھیں نئے آلات سے مکمل کرکے تعمیر کرائیں. علم ھیئت کی کئی فارسی کتابوں کے ترجمے یونانی زبان میں ھوئے. جو ترقیاں تاریخ نویسی اور دیگر سائنسوں کو ھوئیں ان سے مسلم فن تعمیر بے نصیب نہیں رھا[٥].

---

۱ دیکھیے Barthold کی کتابیں اور مقالات.
۲ Barthold, Vol II, P. 4
۳ Ibid, P 4
٤ Browne, Vol. III, P. 16
٥ Barthold, Vol. II, P, 4

ایران کی طرح وسطی ایشیا میں بھی ایک نئی تہذیبی زندگی کا آغاز ہوا۔ گو معلم ثانی ابو نصر فارابی، ابن سینا، اور البیرونی جیسے دانشور اسی سر زمین سے اٹھے مگر «مسلم ماوراءالنہر» علوم عقلی میں اپنی شاندار روایات برقرار نہیں رکھ سکا[۱]. علوم دینی بالخصوص فقه اور حدیث میں ترمذ، تخارا اور سمرقند کو بلاد اسلامیه میں جو اهمیت حاصل تھی وہ کم از کم بابر کے عہد تک قائم رھی[۲]. منگولوں کے عہد میں وسطی ایشیا کے محدثین میں آزاد خیال معتزلیوں کی موجودگی معمولی بات نہیں ھے[۳].

خود ھلاکو کے «سیاہ اعمالنامے» میں نیکو کاری کے کچھ سنہری حروف دکھائی دیتے ھیں. غالباً یه جوینی کی مصاحبت اور «جمالِ همنشیں» کا اثر تھا جس نے ھلاکو کو تعمیری کاموں کی طرف راغب کیا. اس نے مراغه میں ایک رصدگاہ تعمیر کرائی. محقق طوسی نے «زیج ایلخانی» اسی کے عہد میں تصنیف کی. ھلاکو نے قصبه خبوشان (قوچان) کو خزانۂ خاص کے مصارف سے دوبارہ تعمیر کراکے آباد کرایا. جوینی کہتا ھے: «چون هوس و میل پادشاہ [را] بعمارت خرابیها و احیاء اموات مشاهده افتاد قصۂ آن قصبه عرضه داشتم، پادشاہ آن سخن را اصغاء فرمود». جوینی کی درخواست قبول ھوئی اور قصبه کی لٹی ھوئی عظمت اور بازاروں کی رونق دوبارہ لوٹ آئی، گھروں اور گرمابوں سے دھواں اُٹھنے لگا، وہ کاریزے اور قنوات جن میں دھول اُڑ رھی تھی دوبارہ کھیتوں کو سیراب کرنے لگے[٤].

جوینی اپنی قوم کی تباھی اور وطن کی زبوں حالی پر نہ تو ابن الأثیر کی طرح کھل کر رو سکتا تھا اور نہ منہاجِ سراج جوزجانی کی مانند هندستان میں بیٹھ کر مغلوں کو بددعائیں دینے کے قابل تھا. ایک کے لیے عربی زبان سپر کا کام دیگئی، دوسرے کے حق میں فاصله دیوار بن گیا.

---

۱ Barthold, vol. II, pp. 4—5

۲ بابر نامه (۱ : ۷۵) Beveridge

۳ Barthold, vol. II p. 7

٤ تاریخ جہانگشای (۳ : ٤۲)

منگولوں کی چمکتی ہوئی تلواروں کے آگے جوینی نہ تو اپنے قلم کو تیز ستر بنا سکتا تھا اور نہ ان کی تلواروں کی طرح کوئی کاری وار لگانے کے بل تھا. خراسان کی کوئی اجڑی ہوئی کاروانسرائے ہو یا ماوراءالنہر کی کوئی ویران رباط، حواہ قراقورم ہو خواہ بغداد، جہاں بھی اور جب بھی جوینی نے اپنی تاریخ لکھنے کے لیے قلم اُٹھایا ہوگا منگولوں کے خوف نے ذہن پر پہرے بٹھادیے ہونگے. احتیاط کی بیڑیوں اور دہشت کی زنجیروں نے اُس کے قلم کو پابجولاں کردیا ہوگا. اس کے باوجود دبی زبان سے اور سرگوشیوں میں جوینی نے جو کچھ بھی منگولوں کے خلاف کہا ہے وہ اس کے دلی تأثرات اور شدید احساس غم کی صدائے بازگشت ہے[1].

جوینی کا قلم جب اپنے معاشرے کی بگڑی اداؤں پر چوٹ کرتا ہے اس وقت منگولوں کے لاکھوں بناؤ کا ظاہری خول اتر جاتا ہے. تخریبی عناصر سارے نظام زندگی کو دیمک کی طرح چاٹ رہے تھے. سوسائٹی کی اندرونی خرابیاں رہی سہی اعلی اقدار کو مٹانے پر تلی ہوئی تھیں. اہلکار نااہل تھے اور حکام مفادپرست، بازاری لوگ لوٹ کھسوٹ کا ازار گرم کیے بیٹھے تھے اور موقع پرست بڑے بڑے عہدوں پر قابض ہوکر سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی غرض سے ہر قسم کے داؤ پیچ چل رہے تھے[2]. زندگی کے اس المیے کا نقشہ جوینی نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:

«هر یک از ابناء السوق در زیّ اهل فسوق امیری گشته و هر مزدوری دستوری و هرمزوّری وزیری و هر مُدبری دبیری و هر مستدفی مستوٌفی و هر مسرفی مشرفی و هر شیطانی نایب دیوانی... و هرخسی کسی و هر خسیسی رئیسی و هر غادری قادری و هردستاربندی بزرگوار داشمندی و هر جمّالی ازکثرت مال با جمالی و هر حمّالی از مساعدت اقبال با فسحت خالی»[3].

۱ تاریخ جہانگشای (۱. ۷۵، ۹۷ - ۹۶) (۲: ۱۳۳) (۳: ۱۴۱)

۲ تسلیۃالأخوان ورق ٤ (ب)، ٦ (الف - ب)

۳ تاریخ جہانگشای (۱: ٥ - ٤)

زندگی تضادات میں بٹی ہوئی ایک بہت بڑے المیہ دور سے گذر رہی تھی جس میں نیکی اور بدی کی کشمکش جاری تھی، سخاوت اور جرأت کا کال پڑا ہوا تھا، جہالت اور ضلالت کی گرم بازاری تھی، نیکوکاروں کے لیے دارورسن کی آزمائش تھی اور جو بدکردار تھے وہ سرافراز اور برسراقتدار تھے۔ ہر نیک عمل کی جزا، سزا تھی اور جو سزا کے مستحق تھے وہ مال و دولت کے سزاوار بنا دیے گئے تھے۔ جو نجیب تھے وہ بےنصیب رہے، پہلے جو توانگر تھے اب ان کے ہاتھوں میں کاسۂ گدائی تھا[1]۔

سماج کے جسم کے ان پکے ہوئے پھوڑوں کو دکھاکر جوینی ہمارے سامنے ایک بڑا سوالیہ نشان بناکر پوچھتا ہے اصلی مجرم کون ہے؟ قرون وسطیٰ کے بیباک دانشوروں نے اپنے متعلقہ معاشرے پر تنقید کرنے سے کبھی گریز نہیں کیا ہے۔ شعور کی یہ بیباکیاں سعدی و حافظ کے اشعارھوں یا جوینی کی «تاریخ جہانگشای» اور «تسلیۃالأخوان» رمزیت اور اشاریت کے پردوں سے جھلک پڑتی ہیں۔ ایک ایسی سوسائٹی میں جو تخریبی قوتوں کے چنگلوں میں پھنسی ہوئی سسک رہی تھی، جوینی نے نہ صرف ایک باشعور اور بیباک مؤرخ کا رول ادا کیا ہے بلکہ ایک سماجی انسان کی حیثیت سے بھی وہ ایک مثالی کردار بن گیا ہے۔ اس کے کردار کی عظمت کی یہ دلیل ہے اور اس کی رعایا پروری اور ہنرگستری کا یہ نتیجہ تھا کہ سعدی جیسا عظیم شاعر اس کی مدح میں قصائد لکھنا باعث فخر سمجھتا تھا۔ وصاف اس کا عقیدتمند تھا۔ آج بھی ایران میں لوگ دونوں بھائیوں کا نام بڑی محبت اور عزت سے لیتے ہیں[2]۔

تسلیۃالأخوان کا پس منظر:

جوینی نے اخیر عمر میں دو رسالے تصنیف کیے جو انھی دکھوں

۱ تاریخ جہانگشای (۱ : ۵)، تسلیۃالأخوان ورق ٦

۲ سبک شناسی (۳ : ۵۲)

کی کہانیاں ھیں۔ پہلا رسالہ «تسلیۃ الأخوان[1]» ہے اور دوسرا جو اول الذکر کا ضمیمہ ہے مجہول الاسم ہے۔

ھلاکو کی آنکھیں بند ہوتے ہی اس کے جانشین بیٹے اباقا کے عہد میں وہ سارے فتنے بیدار ہونے لگے جو جوینی اور اس کے بھائی شمس الدین محمد کی تباہی کا باعث بن گئے۔ جوینی بغداد کا حاکم مطلق تھا، گو سرکاری حکم سے وہ ایک منگول امیر سونجاق کی نیابت میں تھا۔ چوبیس برس تک اتنی خوش اسلوبی سے اپنے فرائض سرانجام دیتا رہا کہ لوگ خلافت کے زمانے کو بھول گئے[1]۔ ملک و ملت کی ترقی اور بہبودی کی خاطر جوینی نے جو تہذیبی اور سماجی کارنامے سرانجام دیے ہیں۔ ان کے آگے اس کے کردار کی ساری کمزوریاں اور تمام تہمتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ زراعت کی ترقی کے لیے اس نے ٹیکس کم کیے، نہریں نکال کر غیر مزروعہ اور اُفتادہ زمینوں کو سنچائی کرکے کاشتکاری کے لایق بنایا[2]۔ ہزاروں روپوں (بقول وصاف صدہزار دینارِ احمر) کے ذاتی مصارف سے فرات سے ایک نہر نکالی جو کوفہ اور نجف تک ان تمام غیرآباد اور ریگستانی علاقوں کو سیراب کرنے لگی جو منگولوں کی ترکتازیوں کے سبب اُجاڑ اور ویران پڑے تھے۔ نہر کے ساحلی علاقوں میں ڈیڑھ سو دیہات آباد ہوگئے اور لوگ دور دور سے آکر آباد ہونے لگے۔ لہلہاتے ہوئے کھیتوں اور باغوں میں بغداد سے لے کر نجف تک ایک نئی زندگی پھیل گئی۔ عراق کا سرکاری خزانہ معمور ہوگیا اور رعایا خوشحال ہوگئی[3]۔ اس نے نجف میں طلبا اور علما کے لیے ایک رباط تعمیر کرائی اور بغداد میں ایک مدرسہ، رباط اور مسجدیں بنوائیں[4]۔

۱ روضۃ الصفا (۵ ، ۲۷۹ - ۲۷۸)، وصاف ص ۱۲۰، مقدمۂ قزوینی ص لا - لب

۲ تسلیۃ الأخوان ورق ۴ (الف)

۳ ایضاً، وصاف ص ۱۱۹ - ۱۲۰، روضۃ الصفا (۵ : ۲۷۹ - ۲۷۸)

۴ تسلیۃ الأخوان ورق ۸ (الف)، ۹ (ب)، مقدمہ قزوینی ص لا - لب

جوینی کی دولت اور شہرت جوں جوں بڑھتی گئی حاسدوں کے سینوں کی آگ تیز تر ہوتی گئی۔ دونوں بھائیوں کا سب سے بڑا دشمن مجد الملک تھا جس کا تعلق یزد کے آتا بک وزرا کے خاندان سے تھا۔ علم سیاق میں مہارت تھی اور سیاسی تدبر میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا مگر حالات کی نامساعدت نے اس کے جوہروں کو چمکنے کا موقع نہیں دیا[۲]۔

صاحبدیوان خاندان کا پروردہ ہونے کے باوجود وہ اپنے ہی محسنوں کا گلا کاٹنے کی غرض سے منصوبوں کی تلواریں تیز کرتا پھر رہا تھا۔ شمس الدین محمد، مجدالملک کی ریشہ دوانیوں سے واقف تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ دولت کے لالچ میں سونے چاندی کی مچھلیاں پکڑنے کے لیے سازش کے جال بن رہا ہے۔ اُسے اپنا طرفدار بنانے کے لیے سیواس کی حکومت بخش دی اور نقد و برات کی شکل میں۔ بہت سارا زر و سیم بھی عطا کیا، مگر شمس الدین محمد کا یہ نسخہ کارگر ثابت نہ ہوا، خود اس کے حق میں زہر بن گیا۔ مجد الملک گھات میں بیٹھا رہا اور موقع ملتے ہی پہلے ارغون (اباقا کے بیٹے) اور پھر مؤخرالذکر کو یقین دلایا کہ شمس الدین محمد نے سرکاری خزانے سے غبن کیا ہے اور جو کچھ شمس الدین محمد نے اسے بخشا تھا اس کو رشوت یا «حق السکوت» سے تعبیر کیا[۳]۔ جوینی پر بھی سرکاری آمدنی کے خرد برد کرنے کا الزام لگایا[۳] اور اس کے مدفون خزانوں کی من گھڑت کہانیوں کو الف لیلہ کی داستانوں کی طرح مشہور کردیا۔ اس کی تہمت تراشی نے شمس الدین محمد کے مرحوم بیٹے خواجہ بہاء الدین محمد کو بھی نہیں بخشا[۴]۔

شمس الدین محمد کی تو براءت ہوگئی مگر جوینی کی جان پر بن آئی۔ جب اس نے اتہام اور الزام کے چھینٹوں سے اپنے دامن ناموس کو آلودہ ہوتے دیکھا تو کئی بار ارادہ کیا کہ اس دنیا سے دامن کش

---

۱ وصاف ص ۱۹٤ : روضۃالصفا (تہران ۱۳۳۹) (۵ : ۲۱۸ - ۲۱۹)

۲ روضۃ الصفا (۵ : ۳۲۰)

۳ تسلیۃالأخوان ورق ۵ (ب) : وصاف ص ۱۹٦ : روضۃالصفا (۵ : ۳۲۰)

٤ تسلیۃالأخون ورق ۵ (ب) : وصاف ص ۱۹٦

ہوکر گوشۂعافیت میں بیٹھ جائے اور عقبیٰ سے اپنا رشتہ جوڑ لے، مگر پھر سونچا کہ لوگ اسے اس کی پست ہمتی اور فرار پر محمول کرینگے[1].

جب ٦٨٠ھ ١٢٨١ع میں جوینی کو اباقا کے دربار میں جانے کا اتفاق ہوا تو اس نے ایک عالم کو اپنا دشمن پایا. ہر طرف سے شک کی نظریں اس کی طرف اٹھ رہی تھیں اور طعنوں اور تہمتوں کی زبانیں ناگوں کی طرح ڈس رہی تھیں. دربار کا جب یہ رنگ دیکھا تو دونوں بھائیوں نے مال و دولت پر لعنت بھیجی اور نیک نامی سے مرنے کی ٹھان لی[2]. جوینی کے خلاف سازش کئی برسوں سے بڑے وسیع پیمانے پر ہورہی تھی. مجد الملک کی لگائی بجھائی نے افواہوں کی آگ پھیلا رکھی تھی، بہتان اور تہمت کے بت تراشے جارہے تھے. افتراپردازی کی وبا عراق عجم سے لےکر ایشیائےکوچک تک پھیل گئی تھی[3].

جوینی کہتا ہے زمانہ ہی کچھ ایسا تھا. مروت و فتوت کی قحط سالی تھی. وفا اور صاف گوئی کا شیوہ زمانے سے اُٹھ چکا تھا. لوگوں کے خون سفید ہوگئے تھے. بڑوں چھوٹوں کی تمیز باقی نہ رہی تھی. گھروں سے لے کر گلیوں تک لوگ ایک دوسرے سے دست و گریبان نظر آرہے تھے. چرواہے تک دیوانی کے حکام کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے تھے[4]. بیگانوں سے زیادہ وہ اپنوں کا شاکی تھا.

جو کبھی اس کی مصاحبت کا دم بھرتے تھے وہ دشمنی پر اتر آئے تھے. منصب و اقتدار کے لالچ میں انہیں اپنوں کا بھی پاس نہ تھا مگر جوینی کہتا ہے آنے والے دنوں نے بتا دیا کہ ایسے لوگ بہت جلد اپنے کیفر کردار کو پہنچ جاتے ہیں[5]. جنہوں نے اس کی دولت پر ہاتھ مارنا چاہا ان کے ہاتھوں میں زنجیریں پڑگئیں. جو اس کی عزت و ناموس کے دامن سے الجھنا چاہتے تھے وہ خود ذلیل و خوار ہوکر خاک میں مل گئے[6].

١ تسلیۃالأحوان ورق ٥ (الف)
٢ ایضاً ورق ٦ (الف)
٣ ایضاً ورق ٦ (ب) وصاف ص ٢٠٤
٤ ایضاً ورق ٦ (الف)، ٦ (ب)
٥ ایضاً ورق ٦ (ب)
٦ ایضاً ورق ٦ (ب)، ٢ (الف)

اسی قماش کے کچھ لوگ حکومت بغداد کی مذمت کرتے پھرتے تھے۔ افواہیں گرم تھیں کہ بغداد کی سالانہ آمدنی کاغذ پر کچھ اور ہوتی ہے اور حقیقت میں کچھ اور ہے[1]۔ سرکاری آمدنی کے حسابات میں غلطیاں دکھا کر دشمنوں نے جوینی پر غبن کا وہی پرانا الزام پھر دھرایا۔ اس کے پراسرار دفینوں کے افسانے چل نکلے تھے۔ قیمتی تحائف اور نادر سوغات- جو بادشاہ اور شاہی متوسلین کی خدمات میں بھیجی جاتی تھیں اسے بھی خیانت سے تعبیر کرتے تھے[2]۔ ان کا سب سے بڑا الزام یہ تھا کہ کئی لاکھ دیناروں کی سالانہ بچت میں سے ایک پھوٹی کوڑی بھی سرکاری خزانے میں جمع نہیں کی جاتی۔ پچھلے دس برسوں سے جب سے انتظام کی باگ ڈور جوینی کے ہاتھوں میں آئی ہے کئی لاکھ دینار کا بقایا اس کے ذمہ واجب‌الادا ہے جو زر نقد کی صورت اس کے خرابوں میں مدفون ہے[3]۔ جوینی اس کی مدافعت کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ساری تہمتیں بے‌بنیاد تھیں اور بچت کا الزام افتراپردازی تھا کیونکہ اخراجات کا میزان «توفیر» کے تخمینے سے بڑھا ہوا تھا۔ دیوانی کے انتظامی مصارف، ملکی‌اخراجات، وصول‌باقی اور خسارہ کی رقوم سے اگر فاضل‌باقی کا موازنہ کیا جاتا تو یہ رقم کل‌اخراجات کے دسویں حصہ کے برابر بھی نہ نکلتی۔ جو کچھ پچھلے چند برسوں کی بچت تھی وہ سرکاری خزانے کی تحویل میں دے دی گئی تھی اور اس پر شاہی منظوری بھی حاصل ہوچکی تھی[4]۔

جوینی کو نزاکت حال کا احساس تھا۔ شاہی خزانے کو مالی امداد کی سخت ضرورت تھی اور مطالبے کی رقم کا فوری انتظام مشکل تھا۔ گذشتہ کئی برسوں کی مقررہ قسطیں جو شاہی‌خزانے کو بھیجی جاتی تھیں وہ ارباب حوالات کی تحویل میں تھیں، ان سے الجھنا بھی مناسب نہ تھا

---

۱ ایضاً ورق ٦ (ب)، ٤ (ب)
۲ ایضاً ورق ٦ (ب)، ۷ (الف)
۳ ایضاً ورق ۷ (الف)
٤ ایضاً ورق ۷ (الف)

دوسری ولایتوں کے متصرفوں کی طرح جوینی رعیت سے پیشگی مالیات بطور تقدیمہ وصول کرکے ان پر بوجھ ڈالنا نہیں چاھتا تھا۔ پھر یہ اندیشہ بھی لاحق تھا کہ اگر حسابات کی جانچ پڑتال ھوگی تو اس کے عملے کو ناحق زحمت اٹھانی پڑیگی، دوسرے یہ کہ وہ خود دشمنوں کے منہ لگنا نہیں چاھتا تھا۔ اسی لیے اس نے بچت کی رقم کی ادائگی منظور کرلی اور اپنے خاصہ کی آمدنی سے مطلوبہ رقم نکال کر ارباب حوالات کے سپرد کردی جو فوراً شاھی خزانے کو بھیج دی گئی۔[1]

دشمنوں نے جب دیکھا کہ تنقیح حساب کے وقت جب وہ اپنا مطالبہ دیوانی سے مانگے گا جو قانون کے مطابق اور حاکم وقت کی حیثیت سے اس کا حق تھا تو اس طرح نہ تو اسے کوئی گزند پہنچنے کا احتمال ھے اور نہ کسی قسم کا مالی نقصان اٹھانا پڑیگا تو انہوں نے گڑے مردے اکھاڑنے شروع کردیے۔ اباقا کے حضور عرض کیا کہ بارہ برس قبل (۶۶۹ھ ۷۱–۱۲۷۰ع) امیروں کی ایک جماعت حسابات کی جانچ پڑتال کی غرض سے بغداد بھیجی گئی تھی جس نے جوینی کے ذمہ کئی لاکھ دینار بقایا واجب الادا نکالا تھا، اس وقت سے آج تک ایک پھوٹی کوڑی بھی خزانے میں نہیں پہنچی ھے۔ جوینی کہتا ھے کہ اس بقایا سے وہ بری الذمہ قرار دے دیا گیا تھا۔ پھر اس وقت انتظام بطور امانت اس کے سپرد تھا۔ نیز جن بقایوں کا ذکر کرتے تھے ان میں سے اکثر الزام تراشی تھی۔ جو کچھ « وصول باقی » کی مد میں تھا وہ تمغا ٹیکس کی رقم تھی جو رعیت اور شکستہ حال متصرفوں کے ذمہ واجب الادا تھی۔ امرا کی جماعت جب بغداد سے لوٹی تو جوینی بھی ان کے همراہ بادشاہ کے حضور جوابدھی کی غرض سے حاضر ھوا تھا۔ ان بقایوں کی بابت دربار میں مقدمہ پیش ھوا اور اس پر امرائے بزرگ نے بحث و تحقیق کو واجب ٹھیرایا، اور یارغوچیوں (منصفوں) اور بتکچیوں (کتّاب) سے استفسار کرکے متفقہ فیصلہ دیا کہ یہ وصول باقی رعیت کے ذمہ واجب الادا ھے اور کسی کے « خاصہ » سے اس کا تعلق نہیں ھے۔ جب بادشاہ اباقا پر یہ حقیقت کھلی

---

۱ ایضاً ورق ۷ (الف)

که اس معاملے سے اس کا واسطہ نہیں تھا اور چونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر کاشتکاروں سے یہ رقم زبردستی وصول کی جائے تو فائدہ سے زیادہ نقصان ہوگا، نیز ملک کی خرابی اور رعیت کی تباہ‌حالی کا باعث بن جائیگا تو اس نے جوینی کو شاہی الطاف و اعزاز سے نوازا اور بحالی کا حکم دیا۔ اس روز سے کبھی کسی نے اس بارے میں زبان نہیں کھولی مگر دشمنوں نے ایک مرتبہ پھر بادشاہ کے دل میں یہ بات بٹھادی کہ یہ رقم جوینی نے غبن کرلی ہے۔[۱]

اباقا اس وقت (۶۸۰ھ/۱۲۸۱ع) شکار کی مصروفیات سے فارغ ہوکر بغداد کی طرف کوچ کررہا تھا۔ جوینی شاہی قیام کے انتظامات کے سلسلے میں کئی منزل آگے بغداد کی طرف روانہ ہوچکا تھا۔ مجدالملک نے جب میدان خالی پایا تو بادشاہ کے حضور پھر وہی پرانی کہانی نئے ڈھنگ سے پیش کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ کو فوری کارروائی کرنی پڑی۔ امیروں کی ایک جماعت جوینی کے تعاقب میں بھیجی گئی جس نے تکریت میں اسے جالیا اور بادشاہ کا حکم سنایا۔[۲]

جوینی کہتا ہے معاملہ ٹیڑھا تھا کیونکہ غرضمند اپنا داؤ چل چکے تھے۔ بقایا کا مطالبہ تو بہانہ تھا مقصد دراصل اس کی دولت پر چھاپا مارنا تھا، کیونکہ ان کی دانست میں اس کے گھر میں زروسیم کے حوض تھے اور اس کے تعمیر کردہ رباط اور مدرسے میں پراسرار دفینے تھے۔[۳] مرتا کیا نہ کرتا، ان کے ساتھ بغداد آیا اور گھر میں اور خزانے میں جو کچھ موجود پایا سب نذر کردیا۔ سونا چاندی، مرصعات، جواہرات کپڑوں کے تھان اور ہر وہ چیز جو ترکے میں ملی تھی یا کمائی کا پس انداز تھی، یہاں تک کہ سونے چاندی کے ظروف، پیتل اور مٹی کے برتن بھانڈے تک بخش دیے اس کے علاوہ اپنی تمام جائداد منقولہ و غیر منقولہ جو عرب و عجم میں پھیلی ہوئی تھی مثلاً اراضی، مزارع نہریں، باغات

۱ تسلیۃ‌الأخوان ورق ۷ ب) - ۱۰ (ب)
۲ ایضاً ورق ۷(ب)، ۸ (الف) و صاف ص ۲۰۷—۲۰۸
۳ تسلیۃ‌الأخوان ورق ۷ (ب)

ربے ، پانی کی چکیاں ، میدانات ، گرمابے ، سرائے ، ریوڑ ، ڈھورڈنگر ، نوکر چاکر ، غرض کہ ہر وہ شے جس پر اسم ملکیت کا اطلاق ہوسکتا تھا ، یہاں تک کے اپنے خاصہ اور فرزندوں کے املاک بھی سونپ دیے . اس کے بعد ایک مچلکا لکھ کر دیا کہ آج کے بعد اگر ایک درہم بھی گھر میں یا خزانے مین پڑا ہوا یا مدفون ملے تو جو چور کی سزا وہ میری[1] .

شمس الدین محمد کے لیے یہ خبر باعث رنج و ملال تھی . خون نے جوش مارا اور غیرت نے شہ دی . بادشاہ کی خدمت میں حی بہ لگا ، اجازت لے کر بغداد آیا اور بھائی سے زیادہ بھاگ دوڑ کرنی شروع کردی تاکہ بادشاہ کی رضامندی کا مول کیا جاسکے اور مصیبت سے نجات مل جائے . سب سے پہلے اس نے اپنا سارا اثاث البیت اور فرزندوں کا مال و اسباب حوالے کیا اور جو کچھ مل سکا اپنے نواب اور احباب سے بطور قرض لے کر اس پر اضافہ کیا[2]. جوینی نے بھائی کو مزید جدوجہد سے باز رکھنے کوشش کی کیونکہ ' مطالبات کی بھی آخر کوئی حد ہوتی ہے جب کہ سب کچھ لٹا کر وہ قلندروں کی طرح فاقہ مست ہوچکے تھے . دوستوں سے قرض لینا انہیں بھی مالی پریشانیوں میں مبتلا کرنے کے برابر تھا ' مگر اس سارے اثاثے اور مال و اسباب سے بھی بادشاہ کی خوشنودی خریدی نہ جاسکی اور وہ پھر بھی لائق تعزیر قرار دیے گیے[3] . بادشاہ نے چند امرا کو بغداد جانے کا حکم دیا تاکہ مدفون خزانوں کا راز معلوم کرسکیں . تفتیش کے بعد جب کچھ ھاتھ نہ آیا تو انہوں نے جوینی کو اھل خانہ سے الگ ، گھر میں نظر بند کر دیا . جوینی تسلیم کا خوگر تھا اس لیے کہتا ھے کہ اس نے اوامرونواھی پر عمل کرنے میں جو کوتاھیاں کی تھیں یہ اسی کی سزا تھی[4] .

---

۱ تسلیة الأخوان ورق ۸ (ب)، (۱۰ الف)
۲ ایضاً ورق ۸ (ب)، ۹ (الف)
۳ ایضاً ورق ۸ (ب)، ۹ (الف)
۴ ایضاً ورق ۹ (الف)

اس کے بعد اذیتیں دیے جانے کا سلسلہ شروع ہوا ۔ کبھی اس کے پیروں میں زنجیریں ڈال دی جاتیں اور کبھی طوق کا شکنجہ گلے کا ہار بن جاتا ۔ یہی سلوک اس کے دوستوں کے ساتھ روا رکھا گیا ۔ جب باوجود استفسار اور چھان بین کے دفینوں کا پتا نہ چل سکا تو مدرسے اور رباط کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی اور اس کے بچوں اور اعزا کی قبروں کو دفینہ سمجھ کر کھود ڈالا گیا ، مگر مٹھی بھر خاک کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا ۔ 'خزانہ ہوتا تو پتا بھی چل جاتا ، وہ مدرسہ اور رباط جو اس نے تعمیر کیے تھے اس کی نیکوکاری کے وہی خزانے تھے'[1] . جب وہاں بھی مایوسی ہوئی تو مسجدوں اور رباط کے تمام سامان اور فرش کو تہس نہس کر ڈالا گیا . فرش اور کپڑوں کے علاوہ قبروں کے تعویذوں سے غلاف تک اُتار لے گئے اس کے بعد اثاث‌البیت میں سے جو کچھ بچ رہا تھا اس پر بھی قبضہ کر لیا . چیتھڑوں تک کو نہ چھوڑا ، اور تمام رخت و اسباب ، اشیائے خورونوش کے ذخیرے اور وہ ادویات جو دوسری ولایتوں کے داروخانوں کے لیے تیار کی گئی تھیں اُٹھا کر لے گئے اور نیلام کر ڈالا[2] .

گھر کی قید سے نکال کر جوینی کو قصر مسنّیٰ کے قیدخانے میں ڈال‌دیا گیا . جب زنجیروں سے رشتہ ٹوٹا تو « دوشاخہ » نے گلے میں باھیں ڈالدیں . تنہائی میں نہ کوئی ہمدم تھا اور نہ ہمراز ، لے دے کے چند آنسو تھے جو بہ کر اشعار میں ڈھل جاتے تھے[3]

اذیتوں اور دھمکیوں کے بعد بھی جب گوھر مقصود نہ ملا تو دشمن غارتگری پر اُتر آئے . گھر کا کباڑ تک اُٹھا لے گئے اور جھاڑو پھیردی . جواھرخانے کے موتی مرجان اور نوادرات سے اپنے دامن بھرلیے ، آبدارخانے کی تمام اشیاء ان کے دست تصرف میں آگئیں . اراضی اور کنویں ان کی ملکیت بن گئے ، دشمن اس کے ریوڑ اور گلے کے پاسبان بن گئے اور زرخرید اور خانہ‌زاد غلاموں کو اپنا حلقہ بگوش بنا لیا[4] .

---

۱ تسلیة الأخوان ورق ۹ (الف)، ۹ (ب)　　۲ ایضاً ورق ۹ (ب)

۳ ایضاً ورق ۹ (ب)

۴ ایضاً ورق ۱۰ (الف)

دارورسن کی اس آزمایش میں جوینی کی ذهنی کیفیات، تشبیہات و استعارات کی سرحدوں سے بهی دور تهیں. کبهی اپنے دل کو آواز دیتا تها اور کبهی تسلیم و رضا کا سہارا ڈهونڈهتا تها . یه تیقن که مصائب کے اس سمندر کا « ساحل نجات و تجرید » ایک روز ضرور نظر آئیگا، اس کی همتوں کو بلند رکهتا تها اور اسے مایوسی نہیں هوئی. اس کی پرانی خدمات آڑے آئیں. شاهی رشتهداروں اور بالخصوص اباقا کی منظور نظر بیوی بولوغون خاتون اور بهائی قونقوراتای کی بروقت شفاعت کام دے گئی اور روز پنجشنبه چهارم رمضان سنة ۶۸۰ھ/ ۱۷ دسمبر سنه ۱۲۸۱ع کو جوینی کو قید سے رهائی ملی اور وه شاهی الطاف و اکرام سے نوازا گیا[1] .

جوینی کا نظریۂ زندگی .

الف‌لیلوی بغداد کی ایک هزار ایک داستانوں کے سامنے جوینی کی یه کہانی کوئی حقیقت نہیں رکهتی مگر پهر بهی یه حقیقت هے کوئی افسانه نہیں . اپنے « احوال واقعی » کے بارے میں وه خود کہتا هے « سمری باشد از اسمار و حدیثی از مدروسات اخبار » مگر خود اسی کے الفاظ میں اس کا مطالعه هر صاحب فکر کے لیے عبرت کا درس بن سکتا هے « حال من اعتبار بس است دنیا را »[2] .

اس کہانی کے تمام کرداروں کو جوینی ایک فلسفی کی نظر سے دیکهتا هے . انسانوں کو مختلف طبقوں میں تقسیم کرکے ان کے درجے متعین کرتا هے اور پهر انهیں اپنے مذهبی عقائد اور اخلاقی اقدار کی کسوٹی پر پرکهتا هے[3] اور اسی معیار سے اپنے معاشرے کا تجزیه کرتا هے . یہی وجه هے که وه کبهی واعظوں کا لہجه اختیار کر لیتا هے اور کبهی صوفی کا لباده اوڑهکر اپنی شکست کی آواز اور دل کے درد کو چهپانے کی کوشش کرتا هے، مگر هر حالت میں قضا و قدر کے هاتهوں وه ایک

---

۱ تسلیة‌الأخوان ورق ۱۰

۲ ایضاً ورق ۱۱ (الف)

۳ ایضاً ورق ۱ (الف) - ٤ (ب)

کٹھ پتلی ہے۔ کبھی تسلیم کی خو ڈالتا ہے اور کبھی توکل کی لاٹھی کا سہارا لیتا ہے۔ گھر لٹانے کے بعد بھی جب بے ننگ و نام ٹھہرا تو احساس پسپائی نے زندگی کے منفی رجحانات اور انفعالی تصورات پیدا کردیے۔ احساسِ شکست میں ترکِ علایق دنیا کی باتیں کرتا ہے تاکہ زندگی کے چور دروازے سے باہر نکل بھاگے اور بقیہ زندگی گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر قلندروں کی طرح گذار دے[1]۔ قید سے رہائی پانے کے بعد «انزوا و اعتزال» کی طرف قدم بھی بڑھا رہا تھا[2]، مگر اباقا کے مرنے کے بعد جب حالات سازگار ہوگئے اور نئے بادشاہ احمدتکودار (۶۸۳ھ۔ ۶۸۱ھ) نے اسے پھر بغداد کی حکومت پر بحال کردیا تو اس کے قدم پھر دربار کی طرف مڑ گئے۔ وصاف جو اس کا معاصر تھا اس رجعت قہقہری پر ہلکی سی چوٹ کر جاتا ہے:

«... رسمی قدیم و علتی مزمن و عادتی متمرن است که آدمی زاد درین خاکدان و حاصل این باد دان هنگام محنت بتذکر ایام دولت تن درخوش دهند و در روز شادی شب اندوه فراموش کنند و بی شک کار دنیا تا هست بی‌ثبات و بی قرار و زود گذر و ناپایدار بوده[3]».

جوینی کی یہ دنیاداری اس کے کردار کی کمزوری اور عقیدہ و عمل کا باہم تضاد تھا۔

جوینی کا فلسفۂ زندگی اور اخلاقی تصورات۔ یہ سارے مذہب کی تسبیح کے مختلف دانے تھے اور جوینی اس تسبیح کو کبھی ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیتا، چاہے وہ «دعای دولت روزافزونِ ایلخانی» کا ورد ہو یا ذکر قید تنہائی، زندگی کی جدوجہد ہو یا دار و رسن کی آزمایش، ہرحال میں مذہب جوینی کا سب سے بڑا سہارا تھا۔ اور اگر مال و اسباب کی طرح یہ شے بھی لٹ جاتی تو جوینی کا وہ بلند اخلاقی معیار بھی چھن جاتا اور اس کے «امن و آشتی» کے تصورات بھی مٹ جاتے:

۱ ایضاً ورق ۸ (ب) - ۹ (ب)   ۲ ایضاً ورق ۱۰ (ب) - ۱۱ (الف)
۳ وصاف ص ۲۲۷

« و هيچ چيز از انچه اسم ماليت بران واقع گردد مقيد نماند
كه باطن نيز از تعلقات التفات وميلان و جواذبِ انتقام كه از
علامات شقاوت و خذلان باشد مبرا و وپاک ماند و درون از
اوزارِ دماء و از اوساخ مظالم مطهر و مبرا گردد »[١].

تسلیۃ الإخوان میں سماجی جھلکیاں :

اِس « نقشِ فریادی » میں جوینی کی شوخیِ تحریر بھی ھے اور جیتی جاگتی تصویروں کے پیکر اس کاغذ کے بوسیدہ اور کرم خوردہ پیرھن میں بغداد کی گلیوں میں چلتے پھرتے نظر آتے ھیں. زندگی کے تلخ حقایق بیان کرنے کے ساتھ ساتھ جوینی ھمیں اپنے گھر کی صورت بھی دکھاتا ھے اور معاشرے کے مختلف کرداروں سے بھی ملاتا ھے.

بغداد اور اس کے مضافات میں بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے مختلف فرقوں اور عقائد کے لوگ آباد تھے[٢]. نہروں کے کنارے دور دور سے لوگ آآ کر آباد ھوگئے تھے اور نئے دیہات بس گئے تھے[٣]. آبپاشی کے لیے مصنوعی نہریں، پن‌چکیاں اور کنویں تھے[٤]. پانی کا معقول انتظام ھونے کے سبب زراعت کو ترقی ھوئی اور مالیات میں اضافہ ھوا[٥]. حقوق دیوانی کے علاوہ رعیت پر مختلف عوارضات یا ٹیکس عائد تھے. سرکاری اخراجات کی خاطر عام جمہور سے قبچور اور تمغا ٹیکس وصول کیا جاتا تھا جس کی رقم عموماً بجائے سرکاری خزانے کے دیوانی کے اھلکاروں کی جیبوں میں پہنچ جاتی تھی.[٦] جب جوینی نے حکومت سنبھالی تو رعیت تباہ حال تھی اور متصرفانِ ملک مالی تنگدستی کے سبب دیوانی کے مقروض

١ تسلیۃالإخوان ورق ١٠ (ب)
٢ ایضاً ورق ٤ (ب)
٣ ایضاً ورق ٤ (الف)، وصاف ص ١١٩ - ١٢٠
٤ ایضاً ورق ٤ (الف)، ٨ (ب) - ١٠ (الف)
٥ ایضاً ورق ٤ (الف)، ٦ (الف)
٦ ایضاً ورق ٤ (ب)، ٧ (الف) ؛ دیکھیے تاریخ‌جہانگشای ١ : ٢٢) ؛ تاریخ مبارک غازانی ص ٢٤٣

تھے۔ بعض جگہوں پر متصرفوں کے ظلم و تعدی کا یہ حال تھا کہ فصل کی کٹائی سے پہلے پیشگی رقم یا حصہ بطورِ تقدیمہ وصول کرلیا کرتے تھے[۱]۔ حسابات کی جانچ پڑتال کے لیے امرا کے علاوہ دیوان استیفا کے منشی اور محرر بھی نامزد کیے جاتے تھے، یارغوچی سے فیصلے کے وقت استفسار کیا جاتا تھا[۲]۔ حاکم وقت کے خلاف جب تفتیش کی جاتی تو شہر اور مضافات میں منادی کرادی جاتی، صلحا، مشائخ اور عابدوں کے ساتھ ساتھ بازاری لوگوں کو بھی بلایا جاتا اور ان کے بیانات لیے جاتے تھے[۳]۔ بادشاہ وقت کا فیصلہ بظاہر حرف آخر ہوتا تھا[۴]۔

مفادِ عامہ کی غرض سے مدرسے، سرائے گرمابے اور مسجدیں وغیرہ تعمیر کی جاتی تھیں، جہاں فرش بچھے رہتے تھے اور ان کا اپنا اثاثہ ہوتا تھا[۵]۔ خاندان کے لوگوں کو ایک جگہ دفن کرنے کا رواج تھا۔ تربتوں پر غلاف چڑھے رہتے تھے[۶]۔ تجارت و صنعت کو بھی فروغ حاصل تھا۔ بغداد میں جوینی کے وقت کئی سرکاری کارخانے تھے جو بظاہر شاہی ملکیت تھے۔ جوینی ایک دواسازی کے کارخانے کا بھی ذکر کرتا ہے جہاں انواع و اقسام کی ادویات مثلاً مفردات، مرکبات، معاجین اور مشروبات، تبریز، خراسان، تستر اور موصل کے دارو خانوں کے لیے تیار کی جاتی تھیں[۷]۔

بادشاہِ وقت اور شہزادوں کے بعد سب سے بڑا جاگیردار ولایت کا حاکم ہوتا تھا جسے تنخواہ کے عوض دیہات اور زمین بطور اقطاع عطا کی جاتی تھیں اور جو بلا شرکت غیرے مالک ہوتا تھا۔ اقطاع کی نگرانی اور حسابات رکھنے کے لیے وہ خود اپنے نوّاب، وکلا اور گماشتے مقرر کرتا تھا[۸]۔ جوینی کی موروثی اور اندوختہ جائداد منقولہ و غیر منقولہ کی طویل

---

۱ تسلیۃ الإخوان ورق ٤ (الف)، ۷ (الف) - ۷ (ب)، دیکھیے تاریخ مبارک غازانی ص ۲٤٤ - ۲٤٥ وغیرہ

۲ تسلیۃ الأخوان ورق ٤ (ب)، ۷ (ب)، ۱۰ (ب) ۳ ایضاً ٤ (ب)

٤ ایضاً ورق ۷ (ب)، ۱۰ (ب) ٥ ایضاً ۸ (الف)، ۸ (ب)، ۹ (ب)

٦ ایضاً ۹ (ب) ۷ ایضاً ٦ (الف)، ۹ (ب)

۸ ایضاً ورق ٥ (ب)، ۸ (ب)، ۹ (ب)

فہرست سے حاکم وقت کے تمول، اقتدار اور اجارہ‌داری کا اندازہ ہوتا ہے . اسی سے اعلیٰ طبقہ کے معیار زندگی کا قیاس کیا جا سکتا ہے جیسے تمیش کوشی کے سارے لوازم مہیا تھے . رحل خانہ، توشہ خانہ، آبدار خانہ اور مختلف ذخائر کے علاوہ جوینی کے خزانے میں قیمتی معدنیات اور نوادر کا ڈھیر تھا جس میں مروارید ، یاقوت ، لعل آبدار، زبرجد اور موتی مونگے شامل تھے سوسایٹی کا یہ طبقہ مہذب بھی تھا اور شائستہ علمی مذاق کا حامل بھی. جمالیاتی ذوق کا بھی فقدان نہیں تھا ، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جوینی اپنے مرمرین مجسموں (دمیات) کا ذکر گو مقفیٰ عبارت کی رعایت سے کرجاتا ہے مگر اس کا یہ بیان « حسن طبیعت » ہی نہیں « احوال واقعی » بھی ہوگا[1] .

اعلیٰ طبقہ متمول ہونے کے ساتھ ساتھ مخیر بھی تھا . جوینی نے مفاد عامہ کی خاطر جو تہذیبی کارنامے سر انجام دیے ان کا ذکر گذر چکا ہے . مگر یہ ساری عمارتیں اور پیداوار کے ذرایع جو بظاہر عوام کے لیے وقف تھے ، حاکم وقت کے دست تصرف و تملک میں تھے . چراگاہیں ، میدانات اور باغات پر اس کے اسم ملکیت کا اطلاق ہوتا تھا . زمینوں پر اس کا قبضہ تھا اور پانی پر اسکی حکومت تھی . پن چکیاں ہوا سے نہیں اس کے اشارے سے چلتی تھیں اور جب اس کا حکم جاری ہوجاتا تو نہروں اور کاریزوں میں پانی بہنے لگتا . جاگیردارانہ نظام معیشت کے اس خاکے میں ان کاشتکاروں کے خدوخال نظر آسکتے ہیں جن کا تعلق براہ راست اقطاعدار سے تھا جس کا کھیتوں کی آمدنی پر قبضہ تھا ، جس کی اجارہ‌داری آلات زراعت اور ذرایع پیداوار پر تھی . پن‌چکی کی گردش اور نہروں کی رفتار ـ ان نیم غلاموں کی زندگی کا محور تھا . نظام زندگی کی انہی مجبوریوں نے بیگار کی لعنتوں کو جنم دیا[2] .

[١٩٦١/٩/١]

---

١ تسلیۃ الأخوان ورق ٨ (ب) - ١٠ ,الف ٢ تاریخ جہانگشای (١ : ٢٢) :دیکھیے منورسکی *A Soyurghal of Qasim b. Jahangir Aq-qoyunlu* (903/1498) BSOAS, Vol IX/1939, pp. 927-960

بروصه کے کتبخانوں کے چند فارسی مخطوطات

ڈاکٹر سید نعیم الدین

پروفیسر مجتبیٰ مینوی نے اپنے ایک مقالے میں استنبول کو « شہر کتب خانه ها » کہا ہے لیکن سچ تو یہ ہے کہ ترکی کے بعض دیگر شہر بھی « کتب خانوں کے شہر » قرار دیے جا سکتے ہیں. قونیه، مانیسه، قیصریه اور بروصه بھی اپنے کتب خانوں کے لیے مشہور ہیں.

بروصه میں، جو مردم شماری کے لحاظ سے پانچواں بڑا شہر ہے، تقریباً چھ کتب خانے موجود ہیں. یہ کچھ صدیوں تک ترکی کا پایہ تخت بھی رہا ہے اور آج بھی فطری مناظر. حمام، مساجد اور درگاہوں کے لیے مشہور ہے. قدیم زمانے میں یہ شہر علم و ادب اور خاص کر صوفی طریقتوں کا بڑا مرکز رہا ہے سولہویں صدی عیسوی میں یہاں سہروردی اور رفاعی طریقتوں کے لوگوں نے کئی خانقاہیں اور زاویے بنوائے تھے. غرض قدیم زمانے سے یہاں مذہب و علم کا چرچا رہا ہے اور اسی لیے یہاں کے کتب خانوں میں عربی، فارسی اور ترکی مخطوطات کا بڑا عمدہ ذخیرہ ملتا ہے. مجھے اپنی سیاحت کے دوران میں وہاں جو اہم فارسی مخطوطات نظر آئے وہ میں نے اس وقت نوٹ کرلیے تھے اور اب قارئین « مجله » کے سامنے پیش کر رہا ہوں.

دیوان انوری:

خراج چی اوغلی لائبریری، نمبر ۹۲۵

ابعاد ۱۵×۲٤ (۸×۱۷) سنٹی میٹر، اوراق ۳۲۰، سطور ۱۹،

خط تعلیق، عنوان مُذہّب حاشیه زریں.

آغاز : مقدری، نه بآلت، بقدرت مطلق کند ز جرم بخاری چو گنبد ازرق

اختتام: باقی بوجود تست از پانصد سال هم گوهر مصطفیٰ و هم نام علی

ترقیمه : تمّ الکتاب بعون الله الملک الوهاب فی غرة محرم الحرام سنة ثمان وثلاثین و سعمایة علی ید الفقیر روح الله علی حمال .

قصاید : ورق ۱ — ۱۶۳ ب

مقطعات : ۱۶۳ ب — ۲۳۳ الف

غزلیات : ۲۳۳ ب — ۲۸۰ ب

فی الهجا : ۲۸۰ ب — ۲۹۸ ب

رباعیات : ۲۹۹ ب — ۳۲۰

« دیوان انوری » کے مرتب پروفیسر سعید نفیسی کو قرن هفتم کے صرف دو هی نسخے ملے هیں . زیادہ تر قرن نهم ، دهم و یازدهم کے نسخے ان کے پیش نظر رہے هیں . تقابلی ایڈیشن کے لیے قرن هشتم کے لکھے ہوئے اس نسخے کی خاص اهمیت ہے .

منطق الطیر عطار :

پبلک لائبریری ، نمبر ۱۱۰۲

ابعاد ۱۶ × ۷ ۲۲ ، (۵ ۱۲ × ۱۹) اوراق ۱۴۱ ، سطور ۱۵ ، خط نسخ .

ابتدائی صفحے پر « وقف تکیه اشرف زاده » کی مہر هے . « دال » « ذال » کی شکل میں لکھی هے . کاغذ کی قدامت بھی گواهی دیتی هے که یه نسخه غالباً تیرهویں یا چودهویں صدی عیسوی میں نقل ہوا هے . آخر میں کچھ اوراق کم هیں .

آغاز : آفرین جان آفرین پاک را

اختتام : یاری او کردم و یارش شدم

« منطق الطیر » کے قدیم ترین نسخے سنه ٦٨٠ ھ اور سنه ٦٩٣ھ کے لکھے ہوئے قونیه میوزیم میں موجود هیں [1] « منطق الطیر » کے تنقیدی اڈیشن کے لیے قونیه کے علاوہ بروصه کا متذکرہ بالا نسخه بھی بیحد مفید ہوگا .

---

[1] پروفیسر احمد آتش . « قونیه کے کتبخانوں میں مخزونه بعض اهم مخطوطے » یلیٹن جلد ۱٦ ، شماره ٦١ (انقره ، ۱۹۵۲)

منطق الطیر عطار :

ارخان جامعی لائبریری ، نمبر ٥٨٧

ابعاد ٥ء ١٣ × ٣ء ٢٠ (٥ ٧ × ٥ء ١٢) ، اوراق ١٦٥ ، سطور ١٥ ، خط تعلیق، مکتوبہ ٤ شعبان المعظم سنہ ٩٤٠ ھ

عنوانات سرخ روشنائی میں ھیں. ابتدائی دس ابیات بعد میں لکھی گئی ھیں. نسخے کی ابتدا اس بیت سے ھوتی ھے :

کوه را هم تیغ داد و هم کمر تا بسرهنگی او افراخت سر

اختتام : شوخی و بی شرمی ما در گذار شوخی ما پیش چشم ما میار

بوستان سعدی :

پبلک لائبریری ، نمبر ٢٢٣٤

ابعاد ٥ء ١٠ × ٣ء ١٧ (٧ء ٥ × ٣ء ١١) ، اوراق ١٩٣ ، سطور ١١ .

عنوان سرخ روشنائی میں لکھے گئے ھیں . ابتدائی دو اوراق کے حاشیے طلائی ھیں.

آغاز : بنام خدای که جان آفرید سخن گفتن اندر زبان آفرید

اختتام : بضاعت نیاوردم الا امید خدایا ز عفوم مکن ناامید

ترقیمه : تمام شد . . . فی تاریخ خمس و خمسین و ستمأیة نقل من خطه المکرم روحه الله روحه، و غفر الله له و لکاتبه و لقاریه سنة ٦٦٠ ھ.

خود مؤلف کے نسخے سے پانچ سال بعد کا نقل کیا ھوا نسخه ھے اس لحاظ سے اھم اور نادر ھے .

دیوان جلال الدین رومی :

پبلک لائبریری، نمبر ٩٣٩٠

ابعاد ١٨ × ٢٥ (١٣ × ٢١) ، اوراق ٤٠١، سطور ٢٣ ، عمده خوش خط تعلیق ،

یه نسخه محمد افندی ابن المرحوم ابی بکر افندی الشہیر بخفیف زاده کا وقف کیا ھوا ھے . پہلے دو ورق مُذّهب ھیں

ابتدا : ای دل چه اندیشیدهٔ در عذر این تقصیرها

اختتام : فتنه رخ بنمود ازان زهاد را زیور افسر شده خلخال پای

غزلیات : ۱ ـــ ۳٦۸ الف
ترجیعات : (رباعیات در حاشیه) : ۳٦۸ الف ـــ ۲۹۷ الف
رباعیات : اسی تک حاشیے میں ترتیب وار : ۳٦۸ الف ـــ ۳۹۱ ب
مزید رباعیات : ۳۹۱ ب ـــ ۳۹۷ الف
معمیات : ۳۹۷ ب ـــ ٤۰۱ الف
ترقیمه : (ترجیعات کے آخر میں) تمّ الکتاب . . . بید العبد حسن بن سلعر بن حسن . . . فی یوم الأحد من شهر جمادی الثانی سنة أربع و ثلاثین و ثمان مأیة الهجریة .

Prof. Hellmut Ritter نے « دیوان رومی » کے قدیم نسخوں کی فہرست Der Islam میں شائع کردی ہے پروفیسر بدیع الزماں فروزان فر آج کل اس کا تنقیدی اڈیشن ترتیب دے رہے ہیں .

دیوان خسرو :

خراج چی اوغلی لائبریری ، نمبر ۹۷۸
ابعاد ۱۵ × ۲۲ (۸ × ۱۵) ، اوراق ۱٦۱ ، سطور ۱۹ ، خط تعلیق .
پہلا ورق مُذّہب ہے ورق ۲ (الف) پر « زاویه نقشبندیه » کی مہر ہے حاشیوں میں حسن دهلوی کا دیوان لکھا ہے « دیوان خسرو » کی ابتدا اس بیت سے ہوتی ہے :

وقت گلست نوش کن بادهٔ چون گلاب را
بلبل نغمه ساز کن بلبلهٔ شراب را

اختتام : گفتم که مگوی کفر گفتا چه کنم
زنار شد است رشتهٔ بهراندامم

سنه ۸۲۲ ھ کا لکھا ہوا بہت ہی قابل قدر نسخه ہے .

مجموعهٔ رسائل :

پبلک لائبریری ، نمبر ۱٤۷۷
ابعاد ۱۲ × ۱۸ (۷ × ۱۱) ، اوراق ۲۸۱ ، سطور ۱۹ ، خط نسخ
یه مجموعه ہو تین رسائل نقد النصوص ، أشعة اللمعات ، شرح قصیدهٔ میمیه خمریّه فارضیّه پر مشتمل ہے .

نقدالنصوص ورق ٤ ب — ١٤٥ الف (تاریخ تالیف ٨٦٣ ھ)
اشعة اللمعات ١٥٠ ب — ٢٤٢ الف (تاریخ تالیف ٨٨٦ ھ)
شرح قصیدهٔ میمیه ٢٤٣ — ٣٨١ ب (تاریخ تالیف ٨٧٥ ھ)
ترقیمه : تمت فی خامس شهر ربیع الآخر سنة تسعة و ثمانین و ثمانمایة علی ید الفقیر أحمد بن محمد الحرابادی (؟).

نسخے بھر کہیں کہیں «منه مد ظله العالی» اور «صح» لکھا ھوا ھے. جامی کی وفات (٨٩٨ ھ) سے نو سال پہلے ٨٨٩ ھ میں لکھے ھوئے اس نسخے کی بڑی اھمیت ھے.

دیوان جامی :

پبلک لائبریری، نمبر ٧٢٥

ابعاد ١٣ × ٢٠ (٨ × ٣)، اوراق ٣٢٨، سطور ١٧، خط تعلیق، تاریخ کتابت ٩٤١ ھ

مثنویات، غزلیات، سب اصناف سخن پر مشتمل ھے. اس نسخے میں جامی کے اپنے دواوین پر لکھے ھوئے مقدمات بھی موجود ھیں.

پژمان نے اپنے مرتب کیے ھوئے «دیوان جامی» کے مقدمے میں واضح کیا ھے که ان کے پیش نظر دیوان کا ھندستانی ایڈیشن رھا ھے. انہوں نے اپنے دیوان کو «از نسخهٔ مرہور از حیث غزل کامل تر» بتایا ھے لیکن کن نسخوں سے استفادہ کیا ھے اس کی تفصیل نہیں دی ھے اور نه اختلاف قراءت پیش کیا ھے اس لیے «دیوان جامی» کے تنقیدی و تقابلی ایڈیشن کی آج بھی ضرورت باقی ھے. خوش قسمتی سے لینن گراڈ، استنبول اور قونیه میں جامی کے خود نوشت یا زمانهٔ حیات کے لکھے ھوئے نسخے مل جاتے ھیں.

«دیوان جامی» کا ایک نسخه مکتوبه ٨٦٥ ھ قونیه میں ھے. شاعر کے زمانهٔ حیات کا لکھا ھوا یه پہلا نسخه ھے جو اب تک معلوم ھو سکا ھے. اس کی وضاحت پروفیسر احمد آتش نے «بلیتن» کے اس مضمون میں کردی ھے جس کا ذکر ابھی گذرا.

ناگپور [١٩٦٠/١١/١٧]

مثنوی مہر و ماہ

ڈاکٹر امیر حسن عابدی

ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتبخانے میں مجھے مثنوی « مہر و ماہ » کا ایک چھپا ہوا نسخہ (نمبر ۳۵۱) ملا جو بہت کمیاب ہے اور جس کا ذکر کہیں دیکھنے میں نہیں آیا[1] . یہ مثنوی ۱۲۹۵ ھجری (۱۸۷۸ عیسوی) میں مطبع بحر العلوم میں چھپی ہے . گجرات کے شمال مغرب میں ایک خود مختار ریاست تھی جس کا نام رادھنپور تھا . رادھنپور کے نواب کی فرمایش پر مولانا پیر محمد اودھی نے ۱۱۸۰ ھجری (۷ - ۱۷۶٦ عیسوی) میں سسی پنوں کے قصے کو ایک نئے انداز سے نظم کیا اور اس کا نام « مہر و ماہ » رکھا . اس مثنوی میں ۳۹۹۵ شعر ہیں اور یہ اس طرح شروع ہوتی ہے :

بنام غمگسار درد داران دل آرام دل رخ زرد داران

مثنوی کے شروع میں پیر محمد نے خدا ، رسول ، اہل بیت اور خلفا کی مدح و ثنا اور پھر نواب بسم اللہ خاں ، نواب محمد احمد خاں اور نواب مہابت خاں کی تعریف کی ہے :

چو بسم اللہ خان اینک امیر است بگیتی در همانا دور گیر است

همانا مدح احمد خان شکر شد بل از بهر زبان حلوای تر شد

مهابت خان نواب فلک جاه که سورت راست والی ملک جاه

۱۲٦۰ ھجری (۱۸٤٤ عیسوی) میں پیر محمد سندھ گئے . لوگوں کی زبانی انہوں نے جو داستانیں سنیں اُن میں سب سے زیادہ دلچسپ انہیں سسی پنوں کی داستان معلوم ہوئی :

بکی ملا مقیم از نظم در سفت که حال عشق مومل میدره گفت

---

۱ « پنجابی قصہ فارسی زبان میں » مؤلفہ ڈاکٹر محمد باقر ، شائع کردۂ پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور، بھی اس مثنوی کے ذکر سے خالی ہے .

ترنم عشق نام او نهاده بگیتی یادگار نیک داده
دگر ادراکی پاکیزه گوهر بنظم آورد لیلا و چنیسر
به نظم آورد سیابی داناً نیاز و ناز عمر و ماروی را
کتاب مستطابش دلنواز است که نامش مشتهر ناز و نیاز است
بهین تر قصهٔ سسی پنون بود بحسن و ناز ازآن جمله فزون بود

پیر محمد کو پتا چلا کہ قاضی مرتضیٰ نے پہلے اس قصے کو نظم کیا تھا اور اس پر محمد شاہ غازی (۱۷٤۸ - ۱۷۱۹ عیسوی) نے انہیں انعام بھی دیا تھا ۔ لیکن ان کے زمانے میں یہ نظم بالکل نایاب ہوگئی تھی :

که قاضی مرتضیٰ مرد یگانه نظم آورد آن دلکش فسانه
ز درگاہِ محمد شاه غازی صله اش برد خیلی سرفرازی
زمانه چون سسی دادش بارغاب همان از سندھ گردید است نایاب

یہاں یہ ذکر کردینا ضروری ھے کہ پیر محمد کو قاصی مرتضیٰ کی نظم کردہ « سسی پنوں » کے علاوہ کسی اور فارسی کی « سسی پنوں » کا علم نہ تھا ۔ سندھ کے حاکم نے پیر محمد سے اس قصہ کو نظم کرنے کی فرمایش کی انہیں وھاں اس کام کے کرنے کا موقع نہ مل سکا :

رئیس آن دیارم گر بتکرار بنظم آن اشارت کرد بسیار
همی انگیختم پیشش معاذیر بشغل اندر از آن میرفت تقصیر

بعد میں انہوں نے سندھ ، سورت ، کیچ اور مکران کے لوگوں سے اس قصے کے متعلق تفصیلات معلوم کیں اور اسے منظوم کیا ۔

ذیل میں مثنوی کے جستہ جستہ اشعار نقل کیے جاتے ہیں ۔

سسی کے حسن کی تصویر کشی :

فلک بر قامت او دیده افروخت قبایش از ده و دو سالگی دوخت
همایون روی و سنبل موی و گل بوی فرشته خوی و مو موی و صفا جوی
بخوبی قامتش سرو روان بود نزاکت در رکاب او دوان بود

سسی کے قیمتی جہیز میں قیمتی اشیا کی ایک جھلک :

قنا دیبج سمرقند و بخارا که شد چشم اندر آن محو تماشا

بسی مشروع همچون پر سرخاب — که بود اندر دیار ستده نایاب
بسی از طاقهٔ کمخواب گجرات — که صبح از دیدش میکرد هیهات
بسی دو سالهٔ خوش‌رنگ و زرین — میانش ساده و قورش نگارین
حطائی پارچات رر نگاری — بسی خوشتر ز گلهای بهاری
خمار زر نگار ار قدر افزون — ردای تنوی ز اندازه بیرون
مسی آوند هم از حد برون بود — برنجی هم ز اندازه برون بود
هم از مشروع رنگا رنگ ملتان — ز گونا گون دیبای خراسان

گھر کی سجاوٹ :

بدیوار مکان ستند اشجار — برآں آویختند انواع اثمار
عمل کرده بر آهک سته دیوار — ز رنگ زردک و شنگرف وزنگار
قنا تیں دو رویه ست فراش — پُر از زیب و نگارشهای نقاش
قنا دیل و قدورات بلورین — ز رنگارنگ رنگش رنگ آگین
هم اشحار زجاجی بود سیار — ارم تزئین شد ایوانش ز اشجار

دلہن کس طرح آراستہ کی جاتی ہے :

همان مشاطهٔ چالاک برخاست — به‌هفت و نه سسی را حسن آراست
نخستین موی سر دو بخش کرده — یکی در چپ دگر در راست برده
مشک بافته موی معنبر — سیه ماری شد آویزان پس سر
بگوش آویخت زرین گوشواره — مرصع یکسر از الماس پاره
بجبهش قشقهٔ آویخت زیبا — مرصع گوهر آگین چون ثریا
دو شاخش سوی دوگوشش رسیده — یکی بر فرق تا چهره کشیده
به بینی حلقهٔ از زر کشیده — دو کُرتش لعل را در تر کشیده
گلوبند مرصع در گلو بست — از آن شد حسن خوبان جهان پست
بگرد گردنش آرایش آویخت — طلائی غنچهٔ چنپا ضد آویخت
بگردن هار بست آن ماه پاره — که بد هر دانه‌اش رخشان ستاره
دو بازو را دو بازوبند بسته — از آن آرایش خوبان شکسته
بدستش گوهرین دستنبها بست — بدستنبه در آمد زیور از دست

نمود انگشتهای بانوی ساس پر از انگشتری لعل و الماس
لباس زعفرانی و معصفر براندامش نمایان خوشنما تر
چنار عصفری بد در کنارش فراز سر شفق شان بد بهارش
قمیض زعفرانیّ در بدن کرد گل چنپا لباس نسترن کرد
ز کمخواب زری پوشید شلوار بگرد سیم زرین بست دیوار
بپا پوشیدّ زرین جفت پاپوش تجمل را ز سر افتاد از آن هوش
ز گلها هار اندر گردن انداخت از آن قدر و قیم از گلشن انداخت
ز گل دستنبه اندر دست بسته از آن حسن چمن را کرد خسته

آخر میں دعوت ولیمه کا ذکر کیا گیا ہے اور اس میں بھی ہمارے ملک کے کھانوں اور رسموں کا خیال رکھا گیا ہے:

هزاران دیگهای زیر بریان ز زرده همچنان افزون ز امکان
هم از نان خمیری گمج بر گنج ادام و قلیهای احتظا سنج
کماچ از فربهی شد بر دریدن یکی دهٔ گشته بود از بر دمیدن
همانا در مک از صد ته مطبق چو گل از ورق سرتاپا مورق
هم ار برفی و برسوله بسی خوان که بخشد لذت آن مرده را جان
نخستین بر گزیده تر از آنها بر داماد آوردند خوانها
نخست آمد طعام بختمندی که هندش چوبهه خوانندش بهندی
طلائی ورق چسپانده برآن بود معصفر نارجیلی گل در آن بود

مثنوی کے آخر میں شاعر کہتا ہے:

ز هندو بارم و هندی نژادم نه از هندوستان بیرون فتادم
کتاب من ز ایران بوستانی است برای دوستانم ارمغانی است

یہ مثنوی شعری حیثیت سے کچھ بلند پایہ نہیں. البتہ اس لحاظ سے کہ اس میں قصے کو ایک نئے انداز سے پیش کیا گیا ہے، مثنوی کی اہمیت اور ندرت بڑھ جاتی ہے.

دہلی. [۱۹۶۱/۴/۲۱]

ابن میمون البغدادی

ڈاکٹر مختار الدین احمد

محمد بن المبارک بن محمد بن محمد بن میمون کے حالات زندگی بہت کم معلوم ہیں. قدیم تاریخی اور ادبی مصادر ان کے متعلق خاموش نظر آتے ہیں. زمانۂ حال کے محققوں میں جرجی زیدان کے یہاں ان کا ذکر نہیں ملتا. خیر الدین زرکلی[1]، فؤاد سید[2] اور Brockelmann[3] وغیرہ کی واقفیت ان کے متعلق بہت محدود ہے. سب سے پہلے ڈاکٹر معظم حسین سابق وایس چانسلر ڈھاکا یونیورسٹی نے سنہ ۱۹۳۷ع میں ابن میمون کے مرتب کردہ مجموعے «منتهى الطلب فی أشعار العرب» پر ایک تفصیلی مضمون لکھا[4] لیکن جامع کے حالات نہ ملنے کے وہ بھی شاکی رہے[5].

ابن میمون کا نام محمد بن المبارک بن محمد بن محمد بن میمون ہے، اور جہاں بھی ان کا ذکر ملتا ہے یہی نام درج ملتا ہے اس لیے ابن میمون کی یک تصنیف کے ایک نسخے پر جو قاہرہ میں محفوظ ہے اور جس پر ان کا نام «المبارک بن میمون البغدادی» درج ہے[6] کسی طرح قابل قبول نہیں.

ان کی کنیت معلوم نہ تھی. پہلی مرتبہ اسکا علم کہ ان کی کنیت «ابو غالب» ہے «مجمل اللغة» کے نسخۂ لائیڈن سے ہوتا ہے جہاں

۱ خیرالدین زرکلی: الأعلام (۷ : ۲۴۰)، الطبعة الثانية، قاهره، ۱۹۵۴—۱۹۵۹

۲ فؤاد سید. فهرس المخطوطات المصورة (۱. ۵۳۶)، قاهره، ۱۹۵۴

۳ Brockelmann, *GAL* Supp. 1, 491

۴ S Mu'azzam Husain, An Unknown Anthology of Ancient Arabic Poetry *JRAS* (1937) pp. 433—452

۵ "Nothing can be known about the anthologist from our sources of biographical reference."

۶ «منتهى الطلب» نسخة دارالكتب المصرية

ابن‌الخشاب نے سند قراءت میں ان کا نام لکھتے ہوئے ان کی یہ کنیت درج کی ہے[1]. « سقط الزند » نسخۂ کیمبرج اور نسخۂ لالالی ترکیہ کے اسناد سماع و درس پر بھی یہی کنیت درج ہے[2]

ان کا لقب « ظہیر الدین » تھا اس بات کی اطلاع « سقط الزند » کے اُس قلمی نسخے سے ہوتی ہے جو ترکیہ میں محفوظ ہے اور جس پر ان کے شاگرد ابن الکریم البغدادی کے ہاتھ کی تحریر درج ہے[3].

ابن میمون جہاں علماء میں قدر و منزلت نظر کی سے دیکھے جاتے تھے وہاں معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی جاہ و اقتدار سے بھی مالا مال تھے . ایک سند سماع پر ان کے لیے « الرئیس الأجل » کا فقرہ استعمال ہوا ہے اور خود ان کے استاد ابن الخشاب نے انہیں « الرئیس الأجل » کے ساتھ « شرف الرؤساء » بھی لکھا ہے[4]. اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ سکون و اطمینان اور بڑی فراغت کی زندگی گزارتے تھے .

وہ غالباً بغداد کے رہنے والے تھے . یہ قیاس اس بنا پر ہے کہ انہوں نے « منتهى الطلب من أشعار العرب » کے مقدمے میں لکھا ہے کہ انہوں نے یہ کتاب « مدينة السلام » میں مرتب کی[5]. غالباً اسی مناسبت سے عبدالقادر البغدادی متوفی سنہ ۱۰۹۳ ہجری ابن میمون سے واقف ہوئے. انہوں نے اپنی کتاب « خزانة الأدب » میں متعدد مقامات پر ان کے مجموعے کا ذکر کیا ہے[6] لیکن یہ بات باعث حیرت ہے کہ خطیب بغدادی اپنی « تاریخ بغداد » میں ان کا مطلق ذکر نہیں کرتے .

---

۱ مختار الدین احمد . « جمل اللغة لابن فارس کا ایک قیمتی نسخہ » مجلۂ علوم اسلامیہ (دسمبر سنہ ۱۹۶۰ع) جلد ۱ نمبر ۲ ص ۱۱۷ — ۱۲۲

۲ S. M. Stern, Some Mss. of Abu'l 'Ala' al-Ma'arri *ORENS* (1954) Vol. VII, pp. 322—347.

۳ مصدر سابق ۴ مصدر سابق

۵ Mu'azzam Husain, An anknown Anthology of Ancient Arabıe Poetry *JRAS* (1937) p. 438

۶ عبدالقادر البغدادی : خزانة الأدب (۱:۰۱، ۳۶۶، ۴۰۵، ۴۴۸، ۴۶۳)، (۲ : ۴۷۱، ۴۶۷ ، (۳:۱۶۴)، (۴:۰۴، ۲۵۵، ۲۷۳) . مطبوعۂ مصر ۱۲۹۹

ان کے اساتذہ اور تلامذہ کے متعلق بھی کچھ زیادہ اطلاعات نہیں ملتیں۔ «منتهی الطلب» سے ان کے تین اساتذہ کا پتا چلتا ہے یہ ابن الخشاب النحوی، ابو الفضل محمد بن الناصر السلامی اور احمد بن علی بن المیمین ہیں[1]۔ مقدم الذکر کی توثیق «مجمل اللغة» لابن فارس کے نسخۂ لائیڈن سے بھی ہوتی ہے جس کے سرورق پر ابن الخشاب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر درج ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ ابن میمون نے یہ کتاب مجھ سے ٥٤٦ میں پڑھی[2]۔ ابن ابی اصیبعہ نے دو مقامات پر ان کے ایک استاد ابوالحسن علی بن أحمد بن الحسین بن محمویہ الشافعی الیزدی کا ذکر کیا ہے[3]۔ ان کا ذکر استطراداً آیا ہے اور اس سے ان کے حالات پر کچھ روشنی نہیں پڑتی ابو العلاء المعری کی «سقط الزند» کے نسخۂ کیمبرج مکتوبہ علی بن الحسین بن علی القبائی الواسطی در سنہ ٤٧٥ ھ پر متعدد سماعات درج ہیں[4]۔ ایک سندِ سماع سے معلوم ہوتا ہے کہ شریف ابوالمعمَّر المبارک بن أحمد بن عبدالعزیز بن المعمَّر الأنصاری جب «سقط الزند» پڑھا رہے تھے تو ان کے درسِ سماع میں متعدد مشاہیر علما کے ساتھ ابن میمون بھی شریک درس تھے۔ اس طرح اس سند سے ابن المعمَّر کے نام کا اضافہ ہوتا ہے اور اس بات کی اطلاع ملتی ہے کہ ابن میمون ان کے درس میں سنہ ٥٤٢ میں شریک تھے۔

ابوالمعمَّر کے حالات زندگی تاریکی میں ہیں، کتب سیر و تواریخ سے ان کے متعلق کچھ روشنی نہیں ملتی۔ لیکن اُنہیں چھٹی صدی کے بغداد کے اہم علما میں ہونا چاہیے۔ یہ خطیب تبریزی کے شاگرد تھے «مقامات حریری» نسخۂ دارالکتب المصریہ جو مصنف مقامات کے پاس ان کے لیکچر کے دوران میں رہا تھا اور جس پر ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی سند

---

١ *JRAS* (1937) p 439

٢ مجلۂ علوم اسلامیہ دسمبر ١٩٦٠ جہاں ابن الخشاب کی تحریر کا عکس شائع کیاگیاہے۔

٣ ابن ابی اصیبعہ۔ عیون الأنباء ١ : ١١٥، ١١٧۔

٤ *ORIENS* (1954) p. 328

موجود ہے اور جس کا عکس B Moritz نے اپنی کتاب *Arabic Paleography* میں دیا ہے،[1] Dr. Stern کے خیال کے مطابق اِنھی ابوالمعرّ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے[2].

« سقط الزند » کے ایک نسخے سے اگر ابن میمون کے ایک استاد کا پتا چلتا ہے تو اسی کتاب کے دوسرے نسخے[3] (نسخۂ لالالی ترکیه : 1765) سے ان کے ایک شاگرد کا نام معلوم ہوتا ہے. یه ابن الکریم الکاتب البغدادیؒ متوفی سنه ٦٣٧ ھ مؤلف « کتاب الطبیخ »[4] ہیں جنھوں نے « سقط الزند » مکمل طور پر ابن میمون سے بغداد میں سنی. ابن الکریم کی شاگردی کی توثیق ابن ابی اصیبعه کے ایک بیان سے بھی ہوتی ہے.

ابن میمون کا سال ولادت معلوم ہے اور نه ان کے سال وفات کی تعیین ہو سکی ہے. « منتهی الطلب » کا سال تالیف ٥٨٨ ھ اور ٥٨٩ ھ ہے. اس کتاب کے مقدمے میں مؤلف نے لکھا ہے که اس کی تالیف کے وقت ان کی عمر ٦٠ سال کی تھی[5]. اس کے دیباچے سے یه بھی معلوم ہوتا ہے که مؤلف نے اس انتخاب کی متعدد نظمیں اپنے استاد ابن الخشاب النحوی اور ابوالفضل محمد بن الناصر السلامی[6] سے پڑھیں.

---

۱ B. Moritz, *Arabic Paleography* pl. 165

۲ *ORIENS* p. 328

۳ O Rescher, *ZDMG* (1910) p, 519

٤ یه کتاب ڈاکٹر داؤد چلبی نے موصل سے ١٩٣٤ میں شائع کردی ہے. اس کتاب کا انگریزی ترجمه Prof A J Arberry نے *A Baghdad Cookery Book* کے نام سے سنه ١٩٣٩ میں *Islamic Culture* میں شائع کیا ہے. لیکن اس کتاب کے مرتب اور اس کے انگریزی ترجمه نگار دونوں ابن الکریم الکاتب سے قطعی طور پر ناواقف رہے. آربری لکھتے ہیں:
"The author is otherwise completely unknown"
اب اس امر میں کوئی شبهه نہیں رهتا ہے که «کتاب الطبیخ» کے مصنف ہمارے انھی ابن میمون کے شاگرد ہیں جنکا ذکر ابن ابی اصیبعه نے کیا ہے.

٥ « انه قضی عمره إلی أن بلغ الستین فی اختیارها »

٦ ڈاکٹر معظم حسین نے « السلمی » al-Sulami لکھا ہے لیکن یه « السلامی » ہے، مدینة السلام، بغداد کی طرف منسوب. ابن خلکان لکھتے ہیں : « و السلامی هذه النسبة إلی مدینة السلام بغداد ». سمعانی لکھتے ہیں : « کذا کان یکتب لنفسه السلامی ». زیادات مستغفری کا ایک نسخه کتبخانۂ ظاهریه دمشق میں محفوظ ہے اس میں ایک سماع پر السلامی کے دستخط ہیں اور اسکا عکس زرکلی نے « الأعلام » (٧ : ٣٣٦) ، میں شائع کیا ہے لیکن دستخط میں انھوں نے « محمد بن ناصر بن محمد بن علی » لکھنے پر اکتفا کیا ہے.

ابن الخشاب کا سال وفات ۵۲۹ ھجری ہے اور مؤخر الذکر کا ۵۵۰ ھجری[1].

« منتھی الطلب » میں بعض مندرج قصائد کی ابتدا میں مؤلف نے جو مختصر نوٹس لکھے ھیں ان سے بھی ان کے زمانے کے متعلق کچھ نہ کچھ قیاس ہوسکتا ہے. مثال کے طور پر کعب بن زھیر کے مشہور قصیدۂ بعتیہ کے متعلق ابن میموں لکھتے ھیں کہ میں نے یہ قصیدہ اپنے استاد احمد بن علی بن السمین سے سنہ ۵۴۳ میں پڑھا. ان امور کو پیش نظر رکھ کر ڈاکٹر معظم حسین لکھتے ہیں کہ ابن میمون کا زمانہ چھٹی صدی ھجری کا زمانہ ہے اور وہ اس صدی کے ربع اول میں پیدا ہوئے ہونگے.

سال وفات کے متعلق کسی اطلاع کی غیر موجودگی میں Brockelmann خیر الدین زرکلی، معظم حسین اور فؤاد سید کے لیے اس کے سوا چارۂ کار نہ تھا کہ وہ لکھیں کہ ابن میموں ۵۸۹ میں زندہ تھے یا یہ کہ انکا سال وفات ۵۸۹ کے بعد ہے. اس لیے کہ ان سب لوگوں کو اس بات کی اطلاع ہے کہ ابن میموں نے اپنی کتاب « منتھی الطلب » سنہ ۵۸۹ ھجری میں مکمل کی ہے.

صلاح الدین الصفدی متوفی ۷۶٤ ھجری کی تصنیف « الوافی بالوفیات » کی ایک جلد کا ایک نسخہ جرمنی میں دیکھنے کا اتفاق ہوا[2]. یہ نسخہ کسی زمانے میں کتب خانۂ شاھی برلین میں تھا، لیکن اب Marburg University Library کے اُس حصے میں محفوظ ہے جو ذخیرۂ برلین کے لیے مخصوص ہے. « الوافی » کی یہ جلد حرف « میم » سے شروع ہونے والے اشخاص کے تراجم و اشعار کے لیے مخصوص ہے، اس میں ابن میمون کا ترجمہ بھی موجود ہے. اس مصنف کی گم نامی اور اس کے حالات کی عدم دستیابی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ « الوافی » جیسے ضخیم تذکرے میں جس میں بڑے طویل ترجمے بھی درج ہیں، ابن میمون کے حالات میں صرف چند سطریں سپرد قلم کی گئی ہیں.

---

۱ قفطی : إنباه الرواة ۳ . ۲۲۲، تصحیح ابو الفضل محمد ابراھیم (قاھرہ، ۱۹۵۵ء)؛ ابن خلکان : وفیات الأعیان (۳ : ٤۲۰) تصحیح محی الدین عبدالحمید (قاھرہ، ۱۹٤۸ .

۲ ماربرگ یونیورسٹی لائبریری کے ناظم Dr. Wolfgang Voight کا ممنون ہوں جنکی توجہ و عنایت سے ذخیرۂ برلن کے مخطوطات دیکھنے کا موقع مل سکا. یہ ساری کتابیں ایک بڑے کمرے میں بند کردی گئی ہیں.

ترجمے کے اختصار کے باوجود اس سے کئی مفید اور اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں :

(۱) ابن میمون کے شعروں کا نمونہ ملتا ہے ، اس کے اشعار آج تک دیکھنے میں نہیں آئے[۱] .

(۲) اس بات کی اطلاع ملتی ہے کہ ابن الساعی کی کتاب « لطائف المعانی » میں ابن میمون کے اشعار اور غالباً حالات بھی درج ہیں .

(۳) نام کے ساتھ کنیت بھی معلوم ہوتی ہے ۔ Brockelmann کے یہاں کنیت درج نہیں[۲] .

(٤) سنین ولادت و وفات قطعی طور پر معلوم ہوتے ہیں اور اسکے مدفن کے متعلق علم حاصل ہوتا ہے .

(٥) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی وفات بھی بغداد میں ہوئی اور وہ وہیں مقابر قریش میں دفن ہوے .

---

۱ پیرس کے کتحانۂ ملی کے ایک مجموعے میں ابن میمون کے نام پر مندرجہ ذیل اشعار دیکھنے میں آئے

تبسم عن مثل نور الأقاحی	و أقصدنا بمراضِ صحاح
و مر یمیسُ کما ماس غصن	تُلاعبُ عطفیه هوج الریاح
و قصر من لیله ساعةً	فأعقب ذلک ضوء الصباح
و إنی و إن رغم العاداو	ن من خمر أجفانه غیر صاح

ان شعروں کا انتساب ابن میمون البغدادی کی طرف مشکوک ہو گیا جب میں نے یہ اشعار « إنباه الرواة » (۳ ۲۱۸) میں محمد بن میمون النحوی الأندلسی شارح مقامات حریری متوفی ٥٦٧ (حسب روایت حاجی خلیفہ) کے نام پر درج دیکھے ایک ابن میمون اور بھی ہیں جو ساتویں صدی ہجری کے مشاہیر اطبا میں تھے دیکھیے . ابن ابی اصیبعہ عیون الانباء (۲ ۱۱۷)، جرجی زیدان : تاریخ الآداب اللغة العربیة (۳ . ۱۱٦) . ایک ابن میمون ، موسی بن میمون الاسرائیلی الاندلسی ہیں یہ مصر کے مشہور یہودی عالم اور طبیب گذرے ہیں. دیکھیے ابن القفطی : تاریخ الحکماء ص ۳۷ ; ابن ابی اصیبعہ عیون الأنباء (٦ . ۱۱۷) . اس نام کے ایک اور صاحب علی بن میمون المغربی ہیں جن کا سال وفات ۹۱۷ ہجری ہے . جب تک کوئی اور اہم ماخذ ہمارے سامنے نہ ہو اور یہ فیصلہ نہ ہو جائے کہ یہ اشعار کس ابن میمون کی ملکیت ہیں ابن القفطی کی روایت کو ہم تسلیم کریں گے اور ان اشعار کا ناظم ہم ابن میمون النحوی کو سمجھیں گے اور اور ان دو شعروں کی اہمیت برقرار رہے گی جو الصفدی نے « الوافی » میں ابن میمون البغدادی کے نام درج کیے ہیں .

۲ بروکلمان کا قاعدہ ہے کہ وہ ان سارے مشہور ماخذ کا حوالہ دیتا ہے جہاں صاحب ترجمہ کا ذکر موجود ہوتا ہے . ابن میمون کے سلسلے میں کسی ایک کتاب کا بھی اندراج نہیں .

ذیل میں « الوافی بالوفیات » سے ابن میمون کا ترجمہ درج کیاجاتا ہے‡:

محمد بن المبارک بن محمد بن محمد بن میمون ابو غالب. أورد له ابن الساعی[1] فی کتاب «لطایف المعانی[2]» قوله ما یُکتب علیٰ مرآة

فیَّ یا قوم خصلتان أرانی بهما الدهرَ ذات کبرٍ و تیهِ
حاسی الشکر و المحامدَ لله و صدقی فی کلّما أحکیهِ

سُئل عن مولده فقال فی سابع عشر المحرَّم سنة ثلاث و عشرین و خمس مایة و توفی تاسع جمادی الآخرة سنة سبعٍ و تسعین و خمس مایة و دفن بمقابر قریش[3].

[۱۵ / ۹ / ۱۹۶۱]

علی گڑھ

‡ صلاح الدین الصفدی · الواق بالوفیات *fol.* 16a ذخیرة برلین F 3145

۱ ابن الساعی کا پورا نام ابوطالب تاج الدین علی بن أنجب بن الساعی البغدادی ہے. یه خلیفة عباسی مستعصم بالله (۶۲۳—۶۴۰ ھ) کے کتب خانے کے خازن تھے تفسیر و تاریخ کی متعدد کتابوں کے مصنف ہیں دیکھیے زرکلی. الأعلام (۵ : ۷۱). ان کے تصانیف کی فہرست میں « لطائف المعانی » کا ذکر نہیں ملتا اور نه کسی کتبخانے میں اس کے کسی نسخے کے وجود کی راقم کو اطلاع ہے

۲ « کشف الظنون » (۲ : ۳۰۷) طبع استانبول، (۱۳۱۱ ھ) سے معلوم ہوتا ہے که اس کتاب کا پورا نام «لطائف المعانی فی ذکر شعراء زمانی» ہے.

۳ « مقابر قریش » بغداد کی مشہور جگه ہے جہاں بہت سے مشاہیر اسلام آسوده ہیں. دیکھیے خطیب بغدادی : تاریخ بغداد (۱ : ۱۲۰) طبع مصر. ۱۹۳۱؛ یاقوت الحموی : معجم البلدان ۴ : ۵۸۷) ماده [مقابر قریش] طبع لائپزیش، ۱۸۶۹. جدید بغداد کا مشہور محله «کاظمیه» اب اسی جگه آباد ہے.

Ibn Maymun al-Baghdadi by Dr. Mukhtar ud Din Ahmad: This article furnishes some new data on the life of a less known scholar of Baghdad Muhammad al-Mubarak *b* Muhammad *b* Muhammad *b* Maymun, Abu, Ghalib, a learned man of the sixth century A. H., who compiled a bulky anthology of Arabic poetry, ***Muntaha al-Talab fi Ash'ar al-'Arab*** Its manuscripts are found in Turkey and Egypt. Ibn Maymun was an unknown figure for the students of Arabic Literature until the last few years Prof. Mu'azzam Husayn of Dacca University and Dr S. M Stern of Oxford University have provided some inportant information about him. The present writer has found some new material about Ibn Maymun in an unpublished volume of *al - wafi bi'l-wafayat* by Salah al-Din al-Safadi prserved in Marburg University Library, Germany.

Rijal-i-Nahj al-Balaghah by Mahmud Hasan Qaisar Amrohawi: Sharif al-Radi compiled *Nahj al-Balaghah* in the fourth century A. H. claiming it to be a collection of the speeches and letters of Hadrat ʻAli. This claim has been doubted on the ground that the compilation lacked *isnad* (chain of transmission). The author of the present article has tried to establish the genuineness of the claim firstly, by bringing out the inner evidence provided by the very methed of compilation, and secondly, by tracing out the chain of transmission of the contents from works compiled prior to *Nahj al-Balaghah* and then establisting the reliability and trustworthiness of the transmittors.

Tabaqat al-Shafiʻiyyat al-Wusta : by Imtiaz ʻAli Khan ʻArshi : Taj al-Din Abu Nasr ʻAbd al-Wahhab al-Subki (d 771 AH.) is the compiler of three biographies of the jurists of the Shafiʻi school. *Tabaqat al-Kubra* was published in Cairo in 1906 in six volume while the other two biographies namly *Tabaqat al - wusta* and *Tabaqat al-Sughra* are in manuscript form. This article describes an important manuscript of *Tabaqat al-Wusta* transcribed in 755 A.H , and owned by the Riza Library, Rampur. The manuscript has been revised and corrected by the author.

ʻAla'ud-Din ʻAta Malik Juvayni by Dr. Momin Mohiuddin : An attempt has been made in the present article to study the social and political character of the famous historian of the Mongols in the light of his own works, the *Tarikh-i-Jahan-gushay* and the little known *Tasliyat al-Ikhwan.*

SHORT NOTES

Brusa ke kutub khanon ke chand Farisi makhtutat by Dr. Syed Naʻimuddin: This article describes a member of important Persian manuscripts which are preserved in the various libraries of Brusa (Turkey).

Mathnawi-i-Mihr-u-Mah by Dr. Amir Hasan Abidi : This short article deals with an unknown Persian *mathnawi* entitled *Mihr-u-Mah* composed in 1180 A.H./1766-7, by a less known author Maulana Pir Muhammad Awadhi.

MAJALLA-I ‘ULŪM-I ISLĀMĪYA

Vol 2 June 1961 No. 1

SYNOPSIS OF CONTENTS

ARTICLES

Mu‘arrab lafzon men harf-i- "Qaf" ki haythiyyat by Dr. Abdussattar Siddiqi: An Urdu version of the paper entitled: "The letter ق and its importance in Persian Loan-words in Arabic" read by A. Siddiqi before the Fourth Oriental Conference 1926. Revision and translation by the author himself.

Al-Beruni se pahle ‘Ilm-ul-Muthallathat ka irtiqa by Shabbir Ahmad Khan Ghori. It is generally believed that al-Beruni was the founder of plane and spherical trignometry. The present article tries to rectify this mistake and discusses :— (i) the beginning of astronomical calculations among the Greeks which served as fundamental problems of Muslim trignometry; (ii) the development of astronomy and trignometry from the times of Al-Mansur to the end of third century A.H. (iii) the contribution of the immediate predecessors of Al-Beruni to this branch of mathematics e. g. Abu-Ja‘far al-Khazin, Koshiar, Abul-Wafa, Muhammad ibn Mahmud al - Khujandi and Abu - Nasr *b* ‘Iraq, the teacher of Al-Beruni and the discoverer of the famous "Sine Formula" of plane and spherical trignometry.

VOLUME 2 NUMBER 1

MAJALLA-I 'ULŪM-I ISLĀMĪYA

JUNE 1961

Published by
THE INSTITUTE OF ISLAMIC STUDIES
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH, INDIA

جلد ۲ نمبر ۲

مجلۂ علوم اسلامیہ

دسمبر ۱۹۶۱

ادارۂ علوم اسلامیہ

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

مجلس ادارت

مجلۂ علوم اسلامیہ سال میں دو بار شائع ہوتا ہے

ایک شمارے کی قیمت پانچ روپے

رجسٹری کے مصارف ایک روپیہ

مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ

مجلۂ علوم اسلامیہ

دسمبر ۱۹۶۱ء

فہرست مضامین

مقالات :

معلومات و مراسلات :

مصحف عثمانی کے تاریخی نسخے

ابو محفوظ الکریم معصومی

یہ خیال بہت عام ہے کہ حضرت عثمان رض نے پہلی بار قرآن کریم کو دو دفتیوں میں جمع کیا۔ لیکن اس کے خلاف شواہد کی کمی نہیں ہے۔ قرآن کے نسخوں[1] پر «مصحف» کا اطلاق عہد عثمانی سے پہلے بھی ہوتا تھا اور اس کی ترتیب کتابی شکل ہی میں ہوتی تھی۔ حضرت علی رض سے منقول ایک مستند روایت کے الفاظ ہیں : «سمعت علياً، يقول : أعظم الناس أجراً في المصاحف أبو بكر. رحمه الله علىٰ أبي بكر هو أول من جمع بين اللوحين[2]» اسی بنا پر به شکل مصحف، قرآن کا جمع کیا جانا ابو بکر صدیق رض کی اوّلیّات میں شمار ہوتا ہے[3]. بلکہ نیشاپوری نے مقدمۂ تفسیر میں صراحت کی ہے کہ حضرت ابو بکر نے صحابۂ کرام کے مشورے سے نسخۂ قرآن

---

۱ مصحف کا اطلاق بعض قدیم مصنفین قراءتوں پر بھی کرتے تھے جیسے ابو بکر بن ابی داؤد اور خود ابو داؤد. رک (=رجوع کنید) کتاب المصاحف ص ۵۰ومابعد .

۲ کتاب المصاحف ص ۵ De Goeje Fund رقم IX حافظ ابن حجر نے اس اثر کو نقل کرتے ہوئے اس کی سند کو «حسن» قرار دیا ہے لیکن متن میں انھوں نے دو مختلف سلسلوں کے الفاظ ملادیے ہیں اور «بین اللوحین» کے الفاظ حذف کردیے ہیں . رک فتح الباری (۹ : ۹) طبع مصر، ۱۳۲۵ھ. بعد کے لوگوں نے فتح الباری ہی کے الفاظ نقل کیے ہیں . سیوطی : الإتقان (۱:۹۹) مصر ۱۹۴۱؛ روح المعانی (۱:۲۲) طبع المنیریه .

۳ سیوطی: تاریخ الخلفاء ص ۵۷ طبع هند .

کا نام «مصحف» رکھا تھا[1]. حضرت عمرؓ کا یہ قول بہت مشہور ہے «لا یملین فی مصاحفنا إلا غلمان قریش و ثقیف[2]». عہد عثمانی سے پہلے معروف کاتبین وحی کے علاوہ کچھ لوگ کتابتِ مصاحف کے لیے مشہور تھے؛ جیسے نافع بن ظریب النوفلی[3] جن کے متعلق ابو المنذر ہشام بن محمد الکلبی کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کے لیے مصاحف کی کتابت کرتے تھے، یا ناجیۃ الطفاوی[4] جن کا تذکرہ اسی لحاظ سے کیا جاتا ہے کہ نقل مصاحف کا مشغلہ رکھتے تھے. سفروحضر میں بڑی تقطیع کے قرآنی نسخوں کی حفاظت اسی طور پر ہو سکتی تھی کہ صحفِ صدیقی یا صحابہ کے نسخوں کی نقل حاصل کرنے والے پوری نقل کو دو دفتیوں میں محفوظ رکھیں. عہد فاروقی میں حضرت ابو الدرداء کی رفاقت میں کئی دمشقی مدینہ پہنچے تھے[5] کہ اپنے مصحف کی تصحیح مدینہ کے قرّا صحابہ اور اصل نسخوں سے مقابلہ کے ذریعہ کریں. یہ بھی واضح رہے کہ مصحف کا لفظ اسلام سے پہلے عرب شعرا کی زبان پر مسیحی صحیفوں کے لیے رائج تھا، امرؤالقیس الکندی کا شعر ہے[6]:

أتت حججٌ بعدی علیها فأصبحت کخطِّ زبورٍ فی مصاحفِ رهبانِ

---

۱ نیشاپوری : علی هامش الطبری (۱:٤٤، نیشاپوری کے سامنے کس درجہ کی روایت تھی ہمیں معلوم نہیں ہمارے سامنے حضرت علی کا اثر بہت کافی ہے اس کے علاوہ ابوالعالیہ (م ۹۰ھ) کہے یہ الفاظ میں «انهم جمعوا القرآن فی مصحف فی خلافة ابی بکر» رک ابن ابی داؤد کتاب المصاحف ص ۹. سیوطی نے ایک عجیب و غریب روایت ابن اشتہ کی «کتاب المصاحف» سے نقل کی ہے کہ حضرت سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ عنہما نے اپنے مرتبہ نسخۂ قرآن کا نام «مصحف» رکھا تھا، اس کی غرابت سیوطی سے مخفی نہیں، تاہم انہوں نے اس کی توجیہ یوں کی ہے کہ سالم کا یہ کارنامہ ابو بکر صدیق کے حکم سے ہوا ہوگا حالانکہ سالم کی شہادت جنگ «یمامہ» میں ہوچکی تھی. آلوسی نے ٹھیک ہی لکھا ہے: «وهی عثرة منه لا یقال لصاحبها لعا» روح المعانی ۱ : ۲۲، الإتقان (۱ : ۱۰۰)

۲ کتاب المصاحف ص ۱۱، فتح الباری (۹ . ۹).

۳ ابن حجر : الإصابه (۳ : ۵۱۵، مصر ۱۹۳۹ع

٤ ایضاً ، ۳ : ۵۱۳)

۵ کتاب المصاحف ص ۱۵۵

٦ دیوان امرئ القیس (شرح الوزیر) ص۹٦ ؛ العقد الثمین ص ۱٦۰

حضرت عثمان رض کا اصل کارنامہ یہ تھا کہ اُنھوں نے «صحف صدیقی» کی اشاعت عام کردی اور تمام مصاحفِ فردیہ کو یک قلم موقوف کر دیا جن کی اشاعت کے باعث «احرف سبعہ[1]» کی یکساں قرآنیت کا عقیدہ کمزور ہو رہا تھا؛ یہ اقدام حضرت عثمان کے تنہا غور و فکر کا نتیجہ نہیں تھا[2] بلکہ مدینہ کے صحابۂ کرام جن کی تعداد بارہ ہزار کے قریب تھی[3] ان سب کا متفقہ فیصلہ یہی ہوا اور اسے بیرونی دیار و امصار کے صحابہ کی پوری تائید حاصل رہی.

مجلس صحابہ کی کارروائی کا واضح عکس علی کرّم اللہ وجھہ کی تقریر[4] میں نظر آتا ہے جسکی روایت مشہور تابعی سوید بن غفلة الجعفی[5] کی زبانی محفوظ ہے. حضرت عبد اللہ بن مسعود، جن کی مخالفت کا ذکر خاص طور پر کیا جاتا ہے، ابن الواضح یعقوبی نے ان کے متعلق ایسی روایت بھی لکھی ہے جسکی معنوی قوت ناقابل انکار ہے. خلاصہ اس کا یہ ہے کہ ایک مصحف پر لوگوں کو جمع کرنے کی تجویز خود حضرت ابن مسعود[6] نے لکھ بھیجی تھی، بعد میں جب ان کو معلوم ہوا کہ انفرادی مصاحف جلا ڈالے جائیں گے تو ان کی رائے بدل گئی. اصل یہ ہے کہ

---

۱ اس بحث کی تفصیلات فتح الباری (۹ : ۱۸)، الإتقان، روح المعانی (۱ : ۲۱) وغیرہ میں. رک عام ہیں؛ خاص طور پر موسی جاراللہ مرحوم اور عبد العظیم زرقانی کی تنقیحات قابل مطالعہ ہیں موسی جاراللہ: کتاب ترتیب السور الکریمة و تناسبها فی النزول و فی المصاحف ص ۲۶۰ - ۲۶۳؛ زرقانی: مناهل العرفان فی علوم القرآن ۱: ۱۳۰ - ۱۸۰) مصر ۱۳۷۲ ھ

۲ اس سلسلے میں جاحظ کی تحریر بھی قابل مطالعہ ہے، دیکھیے رسائل الجاحظ ص ۱۲۰ - ۱۲۲ مصر ۱۹۳۳

۳ الجعبری (۶۴۰-۷۳۲ھ): جمیلة ارباب المراصد، ورق ۱۲ ب مخطوطة ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال رقم A 126. طاہر الکروی: تاریخ القرآن و غرائب رسمه ص ۶۰

۴ پوری تقریر کتاب المصاحف میں درج ہے ص ۲۲ - ۲۳. اقتباسات کے لیے دیکھیے: فتح الباری (۹ : ۱۵)، روح المعانی (۱ : ۲۳؛ ابو عبد اللہ زنجانی: تاریخ القرآن ص ۴۶ نیز المنتقی من منهاج الإعتدال للذهبی ص ۳۹۳ حاشیہ محب الدین رقم ۲ وغیرہ.

۵ متوفی سنہ ۸۰ھ الإصابہ (۲ : ۱۱۷) رقم: ۳۷۴۰

۶ تاریخ الیعقوبی (۲ : ۲۴۷) طبع نجف سنہ ۱۳۵۸ ھ

ان کی مخالفت کی وہ نوعیت ہرگز نہ رہی ہوگی جو ظاہری روایتوں سے احذ کرلی جاتی ہے . چنانچہ ان کی مخالفانہ تقریروں میں کوئی لفظ ایسا نہیں ملتا جس سے یہ ثابت ہو کہ مصاحف عثمانیہ کی صحت و استناد پر ان کو کسی نہج سے اعتراض تھا . معوذتین و فاتحہ جن کی قرآنیت سے خود ان کو انکار نہیں تھا اور بعض دوسرے جزئیات جن میں ان کی رائے الگ تھی ، ان تمام مسائل میں ان کی کیفیت یہی رہی کہ تحقیق حق کے بعد ان کی مخالفت[١] ختم ہوگئی . ابن ابی داؤد نے جمع عثمانی پر ابن مسعود[٢] کی رضامندی کا مستقل باب باندھ کر فلفلة الجعفی[٣] کی زبانی یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ اشاعت مصاحف عثمانی کی اطلاع جب اہل کوفہ کو پہنچی تو کچھ لوگ حضرت ابن مسعود کے پاس پہنچے ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہم آپکی خدمت میں یونہی ملاقات کی غرض سے حاضر نہیں ہوئے ہیں ، بلکہ اس تازہ خبر (اشاعت مصاحف کی خبر) سے پریشان ہوکر آئے ہیں کہ آپ ہمیں مطمئن کردیں . ابن مسعود نے ان لوگوں کے جواب میں یہ فرمایا « إنّ القرآن أنزل على نبيكم من سبعة أبواب ، على سبعة أحرف [أو حرف] وإنّ الكتاب قبلكم كان ينزل [أو نزل] من باب واحد معناهما واحد[٤] » اس جواب سے ظاہر ہے کہ حضرت ابن مسعود کے نزدیک مصاحف عثمانی کی اشاعت پر لوگوں کو جو تشویش

---

١ دیکھیے فتح الباری (٨ : ٥٧١) مصر سنہ ١٣٠١ ھ اور خاص طور پر : مناهل العرفان (١ : ٢٦٨ - ٢٦٩) .

٢ كتاب المصاحف ص١٨ ، حافظ ابن حجر نے اس باب کا حوالہ دےکر لکھا ہے کہ اس کے تحت جو روایت فلفلة الجعفی کی درج ہے وہ ترجمة الباب سے مطابقت نہیں رکھتی ہے . رک فتح الباری (٩ : ٤١) عدم مطابقت کا شکوہ ہمارے خیال ناقص میں یوں پیدا ہوا کہ ابن حجر کی نظر صرف اسی مسلک پر مرکوز رہی کہ جمع عثمانی کا مقصد « حرف واحد » کو بالاتفاق اختیار کرنا تھا . جیسا کہ امام طبری اور ان کے ہم خیال محققین کی رائے ہے . دیکھیے مقدمة تفسير طبری (١ : ١٩ ، ٢١) ، فتح الباری ٩ : ٢٤ ، اگر اشتمال على الأحرف السبعة کا قول ملحوظ رکھا جائے ، جیسا کہ باقلانی اور ان کی رائے سے اتفاق رکھنے والوں کا کہنا ہے تو ترجمة الباب سے روایت کی ہم آہنگی خود بخود واضح ہوجاتی ہے .

٣ فلفلة بن عبد الله الجعفی الکوفی کے لیے دیکھیے : تہذیب التہذیب (٨ : ٣٠٢) .

٤ اس روایت کے دوسرے الفاظ و طریق کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری (٩ : ٢٤) .

لاحق ہوئی تھی، وہ بالکل بجا اور «سبعة أحرف» کی مبینہ قرآنیت سے ناواقفیت پر مبنی تھی۔ امام باقلانی اور ان کے ہم‌خیال محققین کے اس مسلک کے بموجب، کہ مصحف عثمانی «سبعةأحرف» کو محیط[1] ہے، حضرت ابن مسعود کا یہ جواب، مصحف عثمانی پر ان کے اعتماد و اطمینان کا بین ثبوت ہے۔ ابن کثیر نے یہ صراحت کی ہے کہ حضرت عثمان نے ابن مسعود سے خط و کتابت کرکے ان کو بھی متفق کر ہی لیا تھا: «فأناب وأجاب إلى المتابعة وترك المخالفة[2]»۔ ان باتوں سے غالب گمان ہوتا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے اپنا مرتبہ نسخۂ قرآن[3] بعد میں اپنی رضامندی سے حضرت عثمان رض کے سپرد فرمایا ہوگا اگرچہ ابن العربی کے الفاظ بتاتے ہیں کہ اس سلسلے میں حضرت عثمان کو اپنا اختیار خصوصی استعمال کرنا پڑا تھا، اصل الفاظ یہ ہیں «فأكرهه عثمان على رفع مصحفه و محا رسومه فلم يثبت له قراءة أبداً[4]»۔

حضرت عثمان رض نے جس طرح اشاعت مصحف صدیقی کا فیصلہ صحابہ کے مشورے سے کیا تھا، نقل نویسوں اور املا کرنے والوں کا انتخاب بھی انہی کی رائے سے کیا خصوصاً کاتبین مصحف کی سرکردگی قراءت و کتابت میں زید بن ثابت کو اور املا میں سعید بن العاص (بن سعید بن العاص) کو اسی مجمع میں تحقیق حال کے بعد بلا اختلاف[5] رائے دی گئی۔

---

۱ دیکھیے: فتح الباری ۹، ۲٤:۹؛ ابن الجزری: طیبة النشر (۱ : ۳۱)؛ الإتقان (۱: ۸۰)؛ عبدالعظیم زرقانی؛ مناهل العرفان (۱ : ۱٤٦ - ۱٦٤) اور (۱ : ۳۹۳ - ٤۹٤)؛ موسی جار الله: ترتیب السورالکریمة ص ۲٦۰ - ۲۷۳۔

۲ البداية و النهاية ۷، ۷ : ۲۱۷۔

۳ حضرت ابن مسعود کے مرتبہ مصحف کا معتبر نسخہ ہرگز موجود نہیں رہا۔ چوتھی صدی کے مشہور وراق، ابن الندیم کا بیان ہے کہ مصحف ابن مسعود کی کئی نقلیں نظر آئیں لیکن ان میں سے کوئی دو نسخے بھی یکساں نہیں ملے، اسی وراق کا بیان ہے کہ ایک نسخہ جو تقریباً دو سو سال کا ہوگا اس میں سورۂ فاتحہ بھی نوشتہ تھا۔ رک الفہرست ص ٤۰ طبع مصر سنہ ۱۳٤۸ھ

٤ العواصم و القواصم (۲ : ۱۰۸) طبع الجزائر۔

۵ حضرت علی کی تقریر بروایت سوید بن غفلہ کتاب المصاحف ص ۲۲۔

ضرورت کے مطابق کاتبین کے زمرے میں اور اشخاص بھی شامل کیے گئے امام بخاری کی روایت[1] میں ان میں سے عبداللہ بن الزبیر اور عبدالرحمان بن الحارث بن هشام المخزومی (م سنه ۴۳ھ) کے نام بھی ملتے ھیں. ویسے کاتبین کی مجموعی تعداد ۱۲ تک پہنچتی ھے[2] اور ان چار ناموں کے علاوہ حضرت اُبیؓ بن کعب، عبداللہ بن عمرو بن العاص، عبداللہ بن عباس انس بن مالک، مالک بن ابی عامر، اور افلح بن کثیر کے نام متفرق[3] روایات کے ذریعہ معلوم ہوتے ھیں.

اس فہرست کے دو ناموں میں روایتی اختلاف بھی ھے. سعید بن العاص کی جگہ ان کے چچا ابان بن سعید بن العاص کا ذکر عمارة بن غُزیة[4] کی روایت میں آتا ھے. مشہور قول کے مطابق اس وقت تک ابان بن سعید کا زندہ رہنا صحیح نہیں ھے. موسیٰ بن عقبہ اور اکثر علماء انساب نے معرکۂ اجنادین سنہ ۱۳ھ میں ابان کی شہادت بتائی ھے؛ صرف ایک مؤرخ ابوحسان الزیادی (م ۲۴۳ھ) نے ابان کی وفات سنہ ۲۷ھ میں قرار دی ھے[5].

---

۱ بخاری. الجامع الصحیح (۶ : ۲۲۶) طبع مصر ۱۳۴۵ھ.

۲ کتاب المصاحف ص ۲۵؛ فتح الباری (۹ : ۱۰) وغیرہ.

۳ کتاب المصاحف ص ۱۹ تا ۲۶؛ تفسیر طبری (۱ : ۲۱)؛ المدائنی: کتاب القنع ص ۵، ۷؛ جمیلة ارباب المراصد ورق ۱۳ ظ؛ حافظ ابن حجر نے عبد اللہ بن عمر کا ذکر نہیں کیا ھے. فتح الباری (۹ : ۱۰).

۴ م ۱۴۰ھ. تفسیر طبری میں غزیة، کی جگہ «خزیمة» ھمارے خیال میں تصحیف مطبعی ھے؛ اگرچہ ایک راوی عمارة بن خزیمہ، (م ۱۰۵ھ) بھی ہوتے ھیں عمارة بن غزیہ کی بحوالہ بالا روایت کو حافظ ابن حجر نے شاذ قرار دیتے ہوئے لکھا ھے: «تفرد بها نعیم بن حماد عن الدراوردی» الاصابہ (۱ : ۲۰ طبع کلکتہ) مگر حقیقت یہ ھے کہ نعیم بن حماد، باوجودیکہ «لین الحدیث» ھے اس روایت میں منفرد نہیں، کہ یہی روایت داوردی سے احمد بن عبدہ الضبی کی بھی ھے. ملاحظہ ہو تفسیر طبری (۱ : ۱۹ - ۲۰) لیکن فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے دوسرے انداز میں نقد کیا ھے اور خطیب بغدادی کے حوالہ سے ابان بن سعید کے ذکر کو دراوردی کے شیخ عمارة بن غزیہ کا وہم قرار دیا ھے. رک فتح الباری (۹ : ۱۰) اس روایت پر مزید بحث کے لیے ملاحظہ کیجیے فتح الباری (۹ : ۸).

۵ الاستیعاب علی هامش الاصابة (۱ : ۴۶-۴۸)، مطبوعہ مصر؛ الاصابة ۱ : ۲۰، مطبوعہ کلکتہ

اسی نوعیت کا بڑا اختلاف عبد الرحمان بن الحارث بن ہشام کے سلسلے میں پیدا ہوتا ہے۔ کاتبین مصحف کے زمرے میں عبد الرحمان بن الحارث کی شمولیت بخاری کی روایت سے ثابت ہوتی ہے۔ اسی روایت کی نقل حمیدی (م ۴۸۸ھ) کی کتاب «الجمع بین الصحیحین» میں ملتی ہے۔ لیکن حمیدی کی نقل میں عبد الرحمان بن الحارث کی جگہ عبد اللہ بن الحارث بن ہشام المخزومی کا نام[1] درج ملتا ہے۔ «صحیح بخاری» کے متداول نسخوں میں ایسا اختلاف نہیں پایا جاتا اس کے باوجود اس تغیر کو ہم حمیدی کے تسامح پر محمول نہیں کرسکتے کہ اس موقع پر ابن الصلاح نے بہت محتاط ہو کر گفتگو کی ہے؛ حالانکہ «الجمع بین الصحیحین» للحمیدی پر ابن الصلاح کی جو تعلیقات ثبت ملتی ہیں ان میں حمیدی کی مسامحات کی نشاندہی خاص طور پر کی گئی ہے۔ ابن الصلاح کے اصل الفاظ یہ ہیں:
«عبد الرحمن بن الحارث بن هشام؛ إذ هو كذالک فیما عندنا من کتاب البخاری وهو المعروف و عبد الله بن الحارث بن هشام له وجود فی ذالک العصر[2] ایضاً؛ ذکره ابن عبد البر[3] و ابن ابی حاتم، و إن فات الخطیب أبا بکر، فلم یذکره فیمن اسمه عبد الله بن الحارث، و الله اعلم».

حمیدی کے علاوہ، متأخرین میں سے الجعبری (م سنه ۷۳۲ ھ) شارح «عقیله» شاطبیه نے جہاں کاتبین مصحف عثمان کی نشاندہی مختلف روایات کی رو سے کی ہے، عبد اللہ بن الحارث بن ہشام المخزومی کا نام

---

۱ الحمیدی: کتاب الجمع بین الصحیحین الجزء الاول، ورق ۲ظ، نسخۂ مجمع ایشاوی کلکته رقم A. 185

۲ یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ انساب قریش کے دو معروف محقق مصعب الزبیری (م ۲۳۶ ہجری) اور زبیر بن بکار (م ۲۵۶ ہجری) نیز ابن قتیبہ دینوری (م ۲۷۶ ہجری) نے حارث بن ہشام مخزومی کی اولاد کے تذکرے میں عبد اللہ بن الحارث کو بالکل فراموش کر دیا ہے۔ نسب قریش: ص ۳۰۲ دار المعارف مصر ۱۹۵۳م، جمهرة نسب قریش و اخبارها للزبیر بن بکار الزبیری: ورق 130b تصویر نسخۂ بودلیانا، اکسفورڈ۔ کتاب المعارف: ص ۱۴۳ — ۱۴۴ طبع ووستنفلد، غوتنجن سنه ۱۸۵۰م

۳ ابن عبد البر القرطبی: الاستیعاب: ۳۴۴ رقم ۱۴۸۱، حیدرآباد ۱۳۳۶ھ؛ ابن ابی حاتم: کتاب الجرح والتعدیل جلد ۲ قسم ۲ ص ۳۲ رقم ۱۴۱، حیدرآباد ۱۹۵۲م؛ ابن الأثیر: اسد الغابه: ۳/ ۱۴۰؛ ابن حجر (۲: ۵۹) رقم ۶۱۷۲ مصر ۱۹۳۹م

بھی درج کیا ہے[1]. عبداللہ کی شمولیت کے بعد کاتبین مصحف کی فہرست میں صرف ایک نام کی جگہ خالی رہتی ہے۔

اشاعت مصاحف کی کاروائی از روے تحقیق سنہ ۲۵ ہجری[2] کے اواخر سے شروع ہوئی تھی اور سنہ ۳۰ ھ تک جاری رہی۔ تمام نسخے اس وقت کے مروجہ خط «الجزم» میں لکھے گئے جسے بعد میں خط کوفی کا نام دیا گیا۔ اس وقت تک خط جزم نقط و شکل سے خالی ہوا کرتا تھا اس لیے مصاحف عثمانیہ بھی اعراب اور نقطوں سے یکسر[3] معریٰ تھے اور ان کی قراءت عربوں کے روایتی سلیقہ پر چھوڑی نہیں جاسکتی تھی۔ قراءت میں ادائیگی کی وہی کیفیتیں صحیح تھی جن کا ثبوت نبی اکرم ص سے بالمشافہ سماع کے ذریعہ صحابہ کو مسلم تھا۔ لہذا ہر نسخے کے ساتھ ایک مستند قاری بھیجے گئے، مدینہ کے عوام کو صحیح قراءت سکھانے پر زید بن ثابت مامور ہوئے اسی طرح عبداللہ بن السائب (م سنہ ۷۰ ہجری تقریباً)، عامر بن عبد مقیس، ابو عبد الرحمن السلمی[4] اور مغیرہ ابن ابی شہاب (م سنہ ۹۱ ہجری) علی الترتیب، مکی، بصری، کوفی اور شامی نسخوں کیساتھ روانہ کیے گئے کہ عوام کو قراءۃ صحیح ثابتہ کی تعلیم دیں۔

مصاحف عثمان کی تعداد میں اقوال[3] بہت مختلف ہیں غالباً صحیح یہ ہے

---

۱ جمیلۃ ارباب المراصد، ورق ۱۳ ط نسخۃ جمع اساوی کلکتہ۔

۲ فتح الباری (۹ ـ ۱٤) : کتاب ترتیب السور الکریمۃ ص ۲۷۱ ـ ۲۷۲، تاریخ القرآن و غرائب رسمہ : ص ۵۱ ـ ۵۲. معرکۂ آذربیجان و ارمینیہ کے سلسلے میں دیکھیے : فتوح البلدان ص۲۲۸ طبع لیدن. طبری نے دونوں جنگوں کی تاریخ بہ روایت ابو مخنف ۲٤ ہجری بتائی ہے، دوسرے قدیم مؤرخین ۲٦ ہجری بتاتے ہیں. رک تاریخ الامم و الملوک ,۳ : ۳۰۷) مصر سنہ ۱۹۳۹ ابن الاثیر، ابوالفداء ابن خلدون وغیرہ جمع قرآن کا تذکرہ سنہ ۳۰ھ کے تحت کرتے ہیں، حافظ ابن حجر نے اس سے اختلاف کیا ہے، ابن کثیر نے اشاعت مصاحف کے تذکرہ میں تاریخ کی صراحت نہیں کی ہے. علامہ موسی جار اللہ نے اس کی تاریخ ۲۵ ہجری کے اواخر سے سنہ ۳۰ ھ تک لکھی ہے، ہمارے خیال میں جمع بین الاقوال کی مناسب شکل یہی ہے۔

۳ کتاب المصاحف، باب نقط المصاحف وغیرہ باالدانی : کتاب المحکم فی نقط المصاحف ص۱۰

٤ کتاب المصاحف ص ۳٤، الدانی : المقنع ص۱۰ ؛ العواصم و القواصم (۲ ـ ۱۹۳، ۲۰٤)؛ ابن الجزری: طیبۃ النشر (۱ : ۷) ؛ فتح الباری (۹:۱٦) ؛ الکردی : ۷۹ ؛ الزرقانی : مناھل العرفان (۱: ۳۹۵—۳۹٦).

کہ کلّ آٹھ نسخے تھے جن میں سے ایک حضرت عثمان کے پاس رہا ۔ قرّا کی ایک جماعت[۱] اسی کو « الامام » کہتی ہے ۔ کچھ لوگ « امام » کا اطلاق « مصاحف امصار » پر[۲] بھی کرتے ہیں ؛ اور ہمارے خیال میں ان تمام نسخوں میں سے ہر ایک کی اپنی جگہ جو حیثیت مسلم تھی اس کے اعتبار سے تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے ۔ بہر حال باقی سات نسخے مدینہ، مکہ، بصرہ، کوفہ، شام، یمن اور بحرین کو بھیجے گئے ۔ ابن کثیر نے بحرین کی جگہ مصر کا ذکر کیا ہے[۳] اور مصحف خاص کو شمار نہیں کیا ۔ مؤرخ یعقوبی کا بیان سب سے الگ ہے، اس نے مذکورہ بالا مقامات کے ساتھ مصر اور الجزیرہ کو شامل کرکے « مصاحف امصار » کی تعداد ۹ تک پہنچادی ہے[۴] ۔ یمن اور بحرین کے نسخوں کے علاوہ مصحف خاص اور مصاحف خمسہ عامہ کے بارے میں شک و شبہہ کی کوئی گنجایش نہیں رہتی اس لیے کہ ان چھ نسخوں کے رسم الخط کے متعلق تمام تفصیلات قرّا کی روایتوں میں متداول و معروف ہیں[۵] ۔ البتہ یمن اور بحرین کے نسخوں کی بابت محققین قراءت کا یہ اعتراف ملتا ہے کہ انکی روایتوں میں ان دو مصحفوں کا کوئی حوالہ نہیں آتا ۔[۶]

تاریخی روایات میں متعدد مصاحف کا تذکرہ ملتا ہے جن کی شہرت حضرت عثمان کے شائع کردہ مصاحف کے اصلی نسخوں کی حیثیت سے

---

۱ مثلاً ابو عبید القاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ)، ابو بکر بن ابی داؤد (م ۳۱۶ھ) دیکھیے کتاب المصاحف ص ۳۷ ؛ المقنع ص ۱۰ وغیرہ ،

۲ جیسے عاصم الجحدری، کثیر بن عبید، ابو البرہسم وغیرہ ۔ دیکھیے کتاب المصاحف ص ۴۴ ؛ المقنع ص۱۶ ؛ ابن کثیر کے الفاظ میں « ویقال لهذه المصاحف الائمة » ۔ رک البداية والنهايه (۷ : ۲۱۶) ؛ امام مالک کے ایک مقولہ میں « الامام کا لفظ اصل نسخۂ عثمانی کی نقل پر اطلاق کیا گیا ہے اصل الفاظ یہ ہیں : ولا يزال الانسان يسألني عن نقط القرآن ، فأقول له : أما الامام من المصاحف فلا أرى أن ينقط » . رک کتاب المحکم فی نقط المصاحف : ص ۱۱ تحقیق الدکتور عزة حسن ۱۹۶۰م .

۳ البداية و النهاية (۷ : ۲۱۹) .

۴ تاریخ الیعقوبی (۲ : ۱۶۷) طبع نجف

۵ کتاب المصاحف، کتاب المقنع اور دوسری تمام فنی کتابیں .

۶ ۔ فتح الباری (۹ : ۲۶) ؛ جمیلہ شرح العقیلہ ، ورق ۱۴ ب : « ولم نسمع لهما خبراً ولا علمنا من قد سماه » جعبری نے یہ الفاظ ابو علی (الاهوازی؟) کے حوالہ سے نقل کیے ہیں .

تھی . ان نسخوں کے متعلق منتشر اطلاعات کا خلاصہ ذیل کی سطروں میں پیش کیا جاتا ھے ؛ مگر اس کے ساتھ ھی یہ عرض کردینا ضروری ھے کہ کسی قدیم مصحف کو اصل نسخۂ عثمانی کی حیثیت سے مشہور کردینا جس قدر آسان ھے ، اس کی اصلیت کا ثابت کرنا اسی قدر دشوار ھے ؛ کوئی قدیم نسخہ جس کے خط کی قدامت مسلم ھو ، جس میں نقطے اور اعراب نہ لگے ھوں ، جسکی لکھائی کھال یا قرطاس[1] پر ھو ، جس کی تقطیع عہد صحابہ و تابعین کی روایتی تقطیع کے مطابق اور جس کی رسم، رسم عثمانی ھو؛ عرض اس میں تمام خصوصیتیں پائی جاتی ھوں ، پھر بھی اسے اصل نسخۂ عثمانی قرار دینے کے لیے کوئی یقینی ذریعہ ھمارے پاس نہیں ھے . اسی دشواری کی وجہ سے علامۂ سمہودی نے « مصحف مدینہ » کے سلسلہ میں بحث و تمحیص کے بعد یہ لکھا ھے : « لیس معنا فی أمر المصحف الموجود الیوم سوی مجرد احتمال» .[2] جن نسخوں کا تذکرہ ذیل میں درج کیا جارھا ھے ھمیں اعتراف کرلینا چاھیے کہ ان کے متعلق جملہ تاریخی معلومات کا استقصا کرنا ھمارے لیے ممکن نہ تھا ؛ اور معلوم نہیں کہ ان نسخوں کے علاوہ اور کتنے نسخے ھونگے جن کی بابت ھمارے پاس کوئی اطلاع نہیں .

مصحف خاص :

مصحف کا خاص نسخہ جو حضرت عثمان کے سامنے بوقت شہادت موجود تھا ، اس کا سراغ تقریباً مسلسل و مربوط اطلاعات کے ذریعہ

---

۱ قرطاس کا استعمال دور جاھلیت میں ھوا کرتا تھا اس کا ثبوت خود قرآن مجید میں ملتا ھے سورۃ الانعام رکوع ۱ ، آیۃ ۶ ؛ نیز رکوع ۱۱ ، آیۃ ۱ غالباً شام سے اس کی در آمد ھوتی تھی ، طرفۃ بن العبد کا شعر ھے :

و خد کقرطاس الشآمی و مشفر کسبت الیمانی قدہ لم یجرد

عہد عثمانی کے متعلق عام طور پر مشہور ھے کہ مصاحف کی کتابت کھال پر ھوتی تھی، لیکن تعدد نسخ کے پیش نظر ممکن ھے کہ قرطاس بھی استعمال کیا گیا ھو . خاص طور پر صحف صدیقی کے بارے میں سالم اور خارجۃ بن زید کا بیان ھے : « إن ابابکر کان جمع القرآن فی قراطیس » . رک کتاب المصاحف ص ۹ . یہی الفاظ ابن حجر نے براہ راست « مؤطا ابن وھب » کے حوالہ سے نقل کیے ھیں. رک فتح الباری (۹ : ۱۲)

۲ وفاء الوفا (۱ : ۴۸۲)

چوتھی صدی ہجری کے وسط تک ملتا ہے۔ ہمارے علم میں اس نسخے کے متعلق قدیم ترین اطلاع عمرۃ بنت قیس العدویہ[1] کی ہے جو احمد بن محمد بن حنبل کے صاحبزادے عبداللہ (م ھ) کی سند سے «کتاب الزھد» میں درج ہے[2]۔ عمرۃ العدویہ واقعۂ شہادت کے بعد ہی مدینہ پہنچی تھیں اور ان کو مصحف خاص کے دیکھنے کا موقع ملا تھا، روایت کے الفاظ یہ ہیں: «فرأینا مصحف الذی قتل وھو فی حجرہ، فکانت أول قطرۃ قطرت من دمہ علی ھذہ الآیۃ: فَسَیَکْفِیکَھُمُ اللّٰہُ وھوَ السمیعُ العلیم؛ قالت عمرۃ، فما مات منھم رجل سویا»۔

خود آل عثمان کا بیان، بظاہر روایت مذکورہ کے خلاف، حجاج بن یوسف کے ایک ملازم ثابت مولیٰ سلمۃ بن عبدالملک کی زبانی منقول ہے کہ جس وقت حجاج کی طرف سے منقوط مصاحف کی اشاعت کی گئی ایک نسخہ مدینہ کے لیے بھی ارسال کیا گیا؛ حجاج کا مصحف دیکھ کر آل عثمان کچھ بیزار ہوئے، اور ان سے کہا گیا کہ حضرت عثمان کا مصحف نکال کر دیں تو اسی کی قراءت کی جائے، مگر آل عثمان نے یہ جواب دیا کہ وہ نسخہ تو شہادت کے دن ہی تلف ہو گیا[3]۔

اس روایت کے الفاظ بتاتے ہیں کہ خود اہل مدینہ اسکے تلف ہوجانے کے قایل نہیں تھے، دوسرے واقعات و شواہد سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ طبقۂ تبع تابعین میں سے خالد بن ایاس العدوی المدنی[4] جو مسجد نبوی کے مشہور پیش امام تھے، اُنھوں نے مصحف خاص کی قراءت ایسی دقت نظر کے ساتھ کی تھی کہ آج تک مصحف

---

۱ دیکھیے تہذیب التہذیب، ۱۲ ـ ٤٤۰) رقم ۲۸٥٤؛ تقریب التہذیب ص ٦٦۲ طبع نولکشور لکھنؤ، ۱۹۳۷۔

۲ کتاب الزھد ص ۱۲۷ـ۱۲۸، ام القری سنہ ۱۳٥۷۔

۳ سمہودی: وفاء الوفا (ص ٤۸۱)۔

٤ خالد بن الیاس، او ایاس دیکھیے تہذیب التہذیب (۳ : ۸۰) رقم ؛ ۱٥۲ ؛ میزان الاعتدال (۱ : ۲٥۰۹)، رقم ۲۳٦۱ طبع مصر سنہ ۱۳۲٥ ؛ ابن ابی داؤد : «خالد بن ابی ایاس و یقال ابی ایاس» کتاب المصاحف ص ٤۲۔

خاص کی خصوصیتیں ان کے حوالے سے فن قراءت کی کتابوں[۱] میں محفوظ ہیں ؛ اس کے سوا ثابت مولی سلمه کے بیان کا ناقل محرز بن ثابت آل عثمان کے جواب پر قناعت نہیں کرتا اور اپنی تحقیق کے بموجب یہ اطلاع دیتا ہے[۲] کہ مصحف عثمان، خالد بن عمرو بن عثمان کے پاس محفوظ تھا[۳] .

اس سلسلے میں امام مالک کا قول نقل کیا جاتا ہے جس کا خلاصہ بس اتنا ہے کہ ان کو اپنے شیوخ سے اس نسخے کی بابت کسی طرح کی اطلاع نہیں پہنچی . اصل الفاظ بہ روایت[٤] شاطبی (م سنہ ۵۹۰ھ) یہ ہیں : «إن مصحف عثمان رضی الله عنه تغیب فلم نجد له خبراً بین الأشیاخ» . ان الفاظ کی حد تک یقیناً آل عثمان کے دعوی کی تصدیق نہیں ہوتی؛ لیکن ابن ابی داؤد نے بہ روایت ابن وهب جو قول نقل کیا ہے وہ مذکورہ بالا الفاظ سے بالکل مختلف نظر آتا ہے : «قال سألتُ مالکاً عن مصحف عثمان رضی الله عنه فقال لی ذهب»[٥] تاهم اس سے کوئی قطعی پہلو مصحف کے تلف ہوجانے کا نہیں نکلتا .

بہر حال اس نسخے کا وجود جن مذکورہ بالا شواهد سے ثابت ہوتاہے ان کی قوت میں شبہ نہیں؛ پھر تیسری صدی کے اوائل کے ایک مستند اور مشهور محقق ابو عبید القاسم بن سلام (سنہ ۱۵۰ھــسنہ ۲۲۳ھ) کا نسخهٔ خاص عثمانی سے شرف‌اندوز ہونا اس مسئله کو طے کر دینے کے لیے کافی

---

۱ کتاب المصاحف ص ۳۷ ؛ جمیلة ارباب المراصد ورق ۱۴ .

۲ وفاء الوفا (۱ : ۴۸۱) .

۳ دیکھیے مصعب الزبیری : کتاب نسب قریش ص۱۰۶ ؛ ابن قتیبه : کتاب المعارف ص۹۹ .

٤ وفاء الوفا (۱ : ۴۸۱) ؛ یه الفاظ شاطبی کی نظم «عقیلة أتراب القصائد» کے مندرج ذیل ابیات سے ماخوذ ہیں :

وقال مالك القرآن یکتب بالـــکتاب الأول، لا مستحدثاً سطرا

وقال مصحف عثمان تغیب لم نجد له بین أشیاخ الهدی خبرا

٥ کتاب المصاحف ص ۳۵

ہے۔ ابو عبید نے «کتاب القراءت» میں بیان کیا ہے[1] کہ حضرت عثمان کا مصحف «امام» میں نے خود دیکھا ہے، بعض امرا کے خزانے میں محفوظ تھا اور میری فرمایش پر نکالا گیا تھا؛ یہ وہی نسخہ تھا جو شہادت کے موقع پر حضرت عثمان کے سامنے تھا، اس میں کئی جگہ خلیفۂ شہید کے خون کے دھبے موجود تھے اور سب سے زیادہ نشانات سورۂ «والنجم» میں تھے[2]۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ ابو عبید نے کس امیر کے خزانے میں اس نسخۂ یگانہ کو دیکھا تھا۔ ان کے تعلقات خصوصی[3] جن امرائے دولت سے قائم تھے ان میں سے طاہر بن الحسین (م سنہ ۲۰۷ھ) اور ثابت بن نصر بن مالک الخزاعی (م سنہ ۲۰۸ھ) مشہور شخصیتیں تھیں؛ ثابت بن نصر ۱۷ سال تک «ثغور الشام» کا والی رہا۔ ابو عبید بھی کم و بیش ۱۸ سال طرسوس کے عہدۂ قضا پر مامور رہا؛ اور بہت جلد معلوم ہوگا کہ زیر بحث نسخہ تیسری صدی کے اواخر تک «جند حمص» کے ایک شہر میں کسی طرح پہنچ کر عوام و خواص کے لیے مرکز توجہ بن گیا تھا؛ لہذا ہمارا اندازہ ہے کہ یہ نسخہ کہیں شام کے علاقے میں ابو عبید کی نظر سے گذرا ہوگا۔

تیسری صدی کے اواخر میں ابن قتیبہ دینوری (م سنہ ۲۷۶ھ) کے ذریعہ اطلاع ملتی ہے کہ قرآن کریم کا وہ نسخہ جو حضرت عثمان کی

---

۱ وفاء الوفا، ۱ : ۴۸۱)؛ اصل مأخذ شاطبی کا قصیدہ ہے جس میں منقولہ بالا شعروں کے بعد یہ اشعار ہیں :

ابو عبید أتوا بعض الخزائن لی　　استخرجوه فابصرت الدما أثرا
ورده ولد النحاس معتمداً　　ماقبله. و اباه منصف النظرا
إذ لم يقل مالك لاحت مهالكه　　مالا يفوت فيرجى طال أو قصرا

۲ سورۂ والنجم کا ذکر سمہودی نے نہیں کیا ہے : جعبری کی شرح العقیلہ میں اس کی تصریح ہے «ورأیت آثار الدم فی مواضع منه و أکثر ما رأیته فی سورة والنجم». مخطوطہ : ورق ۱۰۵ الف

۳ دیکھیے : تاریخ بغداد (۱۲ : ۴۱۲) رقم ۶۸۶۸؛ زبیدی : طبقات النحویین واللغویین ص ۲۱۷ (مصر ۱۹۵۴)؛ ابن خلکان (۳ : ۲۲۵) رقم : ۵۰۷؛ انباه الرواة (۳ : ۱۳) رقم : ۵۵۵؛ معجم الادباء (۱۶ : ۲۰۵)؛ السبکی : طبقات الشافعیة (۱ : ۲۷۱)

گود میں تھا، خالد بن عثمان[1] کے پاس، پھر اس کی اولاد کے قبضے میں رھا . مگر ان لوگوں کی نسل منقطع ہوگئی اور مصحف کے بارے میں ابن قتیبہ کو مشائخ شام کی زبانی یہ اطلاع پہنچی کہ اب طرطوس میں موجود ھے[2] .

ابو عبید اور ابن قتیبہ جیسے بلند پایہ محققوں کے بعد چوتھی صدی کے دو مشہور جغرافیہ نویس اصطخری اور ابن حوقل، انطرطوس (طرطوس) کے ذکر میں خصوصیت کے ساتھ اس 'اثری مصحف' کی نشاندھی کرتے ھیں . گرچہ اس دور میں ابو جعفر النحاس (م سنہ ٣٣٨ھ) نے امام مالک کے قول سے استناد کرتے ہوئے مصحف خاص کے وجود سے انکار کر دیا تھا، مگر ان تمام شواھد کے ھوتے ہوئے امام مالک کے غیرصریح قول سے استدلال کرنا کسی طرح درست نہیں معلوم ھوتا، اور امام شاطبی نے اس بنا پر نحاس کے انکار کو غلط قرار دیا ھے .

---

١ دیکھیے سب قریش ص ١١٩ مصعب بن ثابت نے خالد بن عمر بن عثمان کا ذکر کیا ھے اس اختلاف کا اثر مس مسئلہ پر نہیں پڑتا نیز ابن قتیبہ کی تائید بلاذری سے ھوتی ھے لیکن بلاذری اور ابن قتیبہ کی یادداشتوں میں زبردست اختلاف یہ ھے کہ بلاذری کی صراحت کے مطابق خالد بن عثمان حضرت عثمان کی زندگی میں فوت ہوئے مگر مصحف خاص کے بارے میں اس کا بیان ھے کہ خالد بن عثمان کے لڑکوں کے قبضہ میں تھا . اصل الفاظ یہ ھیں» و اماخالد بن عثمان بن عفان ، فتوفی فی خلافة أبیه ، رکض دابة فاصابه قطع ، فهلک منه ، وله عقب وهو الذی یقال له الکبیر ، وکان مصحف عثمان الذی قتل و هو فی حجره عند ولده » . انساب الاشراف (٥:١١٦)

اس کے برعکس ابن قتیبہ کے الفاظ بھی اپنی جگہ صریح ھیں کہ خالد عثمان شہادت عثمان کے بعد فوت ہوئے ، ابن قتیبہ کی تائید اس سے ھوتی ھے کہ مصعب الزبیری نے حضرت عثمان کے ورثہ میں خالد کو شمار کیا ھے . سب قریش ص ١١٢

٢ یہ فقرہ کتاب المعارف میں نہیں ھے ابن قتیبہ کی دوسری کتاب سے ماخوذ ھے .

٣ طرطوس کا ذکر جعبری نے »شرح العقیلہ« میں کیا ھے (ورق ١٥ ظ) اور اس کی صحت میں شک نہیں . سمہودی کی »وفاءالوفاء« میں »طوس« ھے (١ : ٤٨٢) یہ تصحیف قلمی نسخہ یا مطبع کی ھے جو محی الدین عبدالحمید کے ایڈیشن میں بھی قائم ھے وفاالوفا (٢ : ٦٦٩) طبع مصر ١٩٥٤ م

٤ کتاب المسالک والممالک ص ٦١ ؛ ابن حوقل ص ١١٧ (١٨٧٢ م) ؛ ابوالفداء : تقویم البلدان، ص ٢٢٩ (١٨٤٠م) استرینج : بلاد فلسطین و شام، ص ٤٩٠ دکن ١٩٣٢؛ *Incyclopadie of Islam* IV.p 680

٥ سمہودی (١ : ٤٨٢) ؛ جعبری : شرح العقیلہ ورق ١٥ ظ بزشاطبی کے ابیات مذکورہ

جامع عتیق مصر کا نسخہ :

چوتھی صدی کے تقریباً نصف میں مصحف شریف کا ایک نسخہ ایک عراقی تاجر کے ذریعہ مصر پہنچا[1] . عراقی کا دعوی تھا کہ یہ نسخہ عباسی خلیفہ المقتدر (م سنہ ٣٢٠ھ) کے خزانے سے حاصل کیا گیا ہے اور یہ حضرت عثمان کا مصحف خاص ہے جس میں خون کے دھبے ہیں . یہ نسخہ عراقی تاجر کے ذریعہ مصری امیر عبداللہ بن شعیب کے قبضہ میں آیا ؛ پھر ابو بکر محمد بن عبداللہ الخازن[2] (م سنہ ٣٥٧ھ تقریباً) نے اسکی حفاظت کا اهتمام کیا اور اسے ایک منقش صندوق میں رکھ کر فسطاط کی جامع عتیق میں محفوظ کر دیا ؛ کچھ لوگ اس کے مصحف عثمانی ہونے کے منکر تھے کہ اس کی اصلیت تنہا عراقی تاجر نے بیان کی تھی ؛ لیکن مصر کے ایک مؤرخ ابن المتوج (محمد بن عبدالوهاب م ٧٣٠ھ) نے اس انکار کو قبیلۂ « تجیب » اور اس کے حلیفوں کے تعصب کا نتیجہ قرار دیا ہے . مصحف کے سرورق پر جو وقفیہ درج کیا گیا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عراقی تاجر مسعود بن سعد نے خود ہی نسخے کو وقف کیا تھا اور جامع عتیق میں یہ مصحف یکم ذوالقعدہ سنہ ٣٤٧ھ کو رکھا گیا تھا ، لیکن پوری تحریر میں نسخے کی تاریخی اهمیت پر کوئی روشنی ڈالی نہیں گئی ہے ، علامہ مقریزی (م ٨٤٥ھ) کے حوالے سے پورا وقفیہ درج ذیل ہے :

« بسم الله الرحمن الرحيم ، الحمد لله رب العالمين ، هذا المصحف الجامع لكتاب الله جلّ ثناؤه ، و تقدّست أسماؤه ، حمله المبارك مسعود بن سعد [بن سعيد][3] الهيتي ، لجماعة المسلمين القرّاء للقرآن التالين له ، المتقرّبين إلى الله جلّ ذكره بقراءته ، والمتعلمين له ، ليكون محفوظاً أبداً ما بقي ورقه ، ولم يذهب رسمه[4] ، ابتغاء

١ المقریزی: الخطط (٤ : ١٩)، طبع مصر ١٣٢٦ ہجری ؛ الخطط التوبقیہ (٤ : ٧)
٢ الخطط ٤ : ١١) .
٣ یہ اضافہ ایک قلمی نسخے سے کیا گیا ہے (نسخۂ جمع اسیاوی کلکتہ fol. 160 رقم A 1285) مقابلہ کیجیے مطبوعہ سے (٤ : ١٩)، مطبعة النيل القاهرة
٤ مطبوعہ : « اسمہ »

> ثواب الله عزّوجل، ورجاء غفرانه، وجعله عدة[1] ليوم فقره وفاقته و حاجته إليه؛ اناله الله ذلك برأفته، وجعل ثوابه بينه و بين جماعة من نظر فيه [و تبصر فى ورقه، و قصد بايداعه[2]] فسطاط مصر، فى المسجد الجامع جامع المسلمين العتيق، ليحفظ حفظ مثله مع سائر مصاحف المسلمين؛ فرحم الله من حفظه، و من قرأ فيه، و من عمل[3] به؛ و كان ذلك فى يوم الثلاثاء مستهل ذى القعدة سنة سبع وأربعين و ثلثمائة. و صلى الله علىٰ محمد سيد المرسلين؛ و علىٰ آله وسلم تسليماً كثيراً، و حسبنا الله و نعم الوكيل».

جامع عتیق کے قدیم نسخۂ «مصحف اسماء»[4] کے اوراق کثرت استعمال سے کمرور ہو رہے تھے، اس تازہ وارد نسخے کے بعد دونوں کی قراءت باری باری ہونے لگی، لیکن خلیفہ العزیز باللہ الفاطمی (م سنہ ۳۸۲) کے زمانے میں ۵ محرم ۳۷۸ ھ سے اس کی قراءت بند کردی گئی؛ ابن المتوج کی مندرجہ بالا رائے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ نسخہ آٹھویں صدی ھجری کے اوائل تک غالباً الجامع العتیق ھی میں موجود رہا؛ بلکہ مقریزی کے سابق کلام سے واضح ھوتا ھے کہ خود اس نے اس مصحف کو دیکھا تھا۔

مدرسۂ فاضلیہ کا نسخہ:

چھٹی صدی ھجری میں مصحف کا ایک بیش قیمت نسخہ القاضی الفاضل عبدالرحیم بیسانی (م ۵۹۶ ھ) کو دستیاب ہوا؛[5] اس کا خط قدیم کوفی تھا؛ القاضی الفاضل نے اس نسخے کو مصحف عثمانی ھونے کی بنا پر تیس پینتیس ھزار دینار میں حاصل کیا تھا؛ مدرسہ فاضلیہ جسے ۵۸۰ ھجری میں قاضی موصوف نے قایم کیا اور جس کے کتب خانے کو

---

۱ مخطوطہ: «عمدة»

۲ دونوں فقرے اصل نسخے میں مٹے ھوئے تھے جیسا کہ ناقل کی تصریح ھے۔

۳ مطبوعہ: «ضن به».

٤ اس نسخے کی کہانی دلچسپ ھے عبد العزیز بن مروان (م ۸٦ھ) نے اس کی کتابت کروائی تھی: تفصیل کے لیے دیکھیے المقریزی: الخطط (٤: ۱۷-۱۹)

٥ المقریزی: الخطط (٤: ۱۹۷)؛ الخطط التوفیقیہ (٦: ۱۲)

اپنا قیمتی ذخیرۂ کتب بخش دیا تھا، اسی میں مصحف کا یہ قدیم نسخہ بڑے اہتمام سے محفوظ تھا؛ مقریزی کے عہد تک تقریباً کل نادر و منتخب کتابیں ختم ہوچکی تھیں، البتہ یہ مصحف اس وقت تک موجود تھا، اور لوگوں میں اس کی شہرت مصحف عثمانی ہونے کی تھی؛ علامۂ ابن الجزری[1] (م ٨٣٣ هجری) اور آخر میں علامۂ سمہودی (م ٩١١ هجری) نے مصر میں جس مصحف عثمانی کو دیکھا تھا[2]، ہمارے لیے تعین کرنا مشکل ہے کہ وہ جامع عتیق کا نسخہ تھا، یا مدرسۂ فاضلیہ کا.

اندلس اور بلاد مغرب کا نسخہ:

قرطبہ کی جامع مسجد میں ایک مصحف چھٹی صدی کے وسط تک موجود تھا جس کے متعلق مشہور تھا کہ حضرت عثمان کے دست مبارک کا نوشتہ ہے. اس کی دلچسپ تفصیل «نفح الطیب» میں درج ہے. معلوم نہیں کس زمانے میں یہ نسخہ اندلس پہنچا؛ البتہ ابن خلدون رقمطراز ہیں کہ یہ مصحف بنوامیۂ اندلس کے خزانے میں تھا؛ اور مقری کا بیان ہے[3] کہ اس کی جگہ جامع اعظم قرطبہ میں منبر کے پاس مقرر تھی، اس کی جلد نہایت مرصع و زرنگار تھی، غلاف دیبا کا تھا اور رحل عود کی جس میں سنہری کیلیں تھیں.

ابن خلدون نے اس کی پوری سرگذشت مختصر پیرائے میں یوں[4] لکھی ہے کہ یہ مصحف قرطبہ کے اموی خزانے سے ملوک الطوائف کے پاس پہنچا، پھر قبیلۂ لمتونہ کے رؤسا اس پر قابض ہوئے اور ان سے موحدین کے خزانے میں منتقل ہوا. صفر ٦٤٦ هجری میں السعید علی بن المامون جب تلمسان کے قریب ناگہانی طور پر قتل کردیا گیا، اور بنو عبدالواد اس کے خزائن پر ٹوٹ پڑے، تو السعید علی کے خزانۂ خاص کے ساتھ یہ مصحف بھی یغمراسن ابن زیان کے قبضے میں آگیا. ٧٣٧ هجری میں

---

١ عبدالعظیم زرقانی: مناهل العرفان (٣٩٨:١)
٢ وفاء الوفا (٤٨٣:١)
٣ المقری: نفح الطیب (١: ٩٥٦) مصر ١٣٠٢ هجری
٤ ابن خلدون: کتاب العبر (٧: ٨٣)

جب ابوالحسن المرینی کا قبضہ تلمسان پر قائم ہوا تو آل زیان کے خزانہ کے ضمن میں یہ مصحف بنومرین کو دستیاب ہوا اور ہنوز انہیں کے خزانے کی زینت ہے ۔

ابن خلدون سے بالکل مختلف انداز میں ہمیں خطیب ابن مرزوق[1] (م ۷۸۱ھ) کا یہ بیان ملتا ہے کہ ۱۱ شوال سنہ ۵۵۲ھ کو ابن بشکوال (م ۵۷۸ھ) نے اہل قرطبہ سے چھپاکر اس مصحف کو موحد سلطان عبدالمؤمن بن علی کے پاس پہنچایا تھا ۔ ہمارے نزدیک اس قصے میں ابن‌شکوال کا تذکرہ محل نظر ہے ۔ اس لیے کہ مصحف کی منتقلی کے بارے میں جو تفصیل وزیر ابو بکر محمد بن عبدالملک بن طفیل کی زبانی منقول ہے اس میں نہ تو ابن شکوال پر الزام ہے اور نہ مصحف کو قرطبہ کے لوگوں سے چھپا کر منتقل کرنے کا ذکر ۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرطبہ کے دو معزز امیر ابو سعید اور ابو یعقوب کے ہمراہ اہل قرطبہ نے اپنی رضامندی سے اس مصحف کو سلطان عبدالمؤمن کے پاس بھیجا تھا ۔ سلطان نے اسکے لیے بڑا اہتمام کیا ۔ دور دراز شہروں سے جوہری، نقاش، حکاک اور دوسرے ماہرین صنعت طلب کیے گئے اور مصحف شریف کی آرایش و ترصیع سے لےکر جلد، غلاف، رحل اور صندوق تک کے بنوانے میں ایسا اہتمام کیا گیا جسکی تفصیل پڑھ کر حیرت ہوتی ہے ۔ ابن رشید الفہری (م ۷۲۱ھ) نے ان تمام تفصیلات کو مستقل رسالے کی شکل میں قلمبند کر دیا تھا ۔ پورا رسالہ مقری کی «نفح‌الطیب» میں درج ہے[2] ۔

سلطان عبدالمؤمن اور بعد کے موحد سلاطین برابر مصر میں بھی اسکو ساتھ رکھتے تھے، مشہور مؤرخ عبدالواحد مراکشی بھی اسکی شہادت دیتا ہے کہ یہ مصحف موحد سلاطین کے ہمراہ سفر میں ایک سرخ ناقہ‌پر تابوت کے اندر ہوتا تھا، اسکی آرایش میں بے انتہا دولت صرف کی گئی تھی،

---

۱ نفح الطیب (۱ : ۲۸۳)؛ خطیب ابن مرزوق کا بیان مقری نے «کتاب المسند الصحیح الحسن فی مآثر مولانا ابی الحسن» سے نقل کیا ہے، اس کتاب کے نسخوں کے لیے دیکھیے Brockelmann, *GAL* II, 239, Suppl. II, 335–336

۲ نفح الطیب (۱: ۲۸۳-۲۸۸) .

موحدین کے خزانے کا بے نظیر یاقوت « الحافر » جسکی قیمت کا اندازہ لگانے سے اس زمانے کے جوھری قاصر تھے ، اسی مصحف میں جڑا ھوا تھا[1] .

سلطان ابوالحسن مرینی تک پہنچنے کی جو کیفیت ابن خلدون کی تحریر سے ظاھر ھے ، اس کی تصدیق ابن مرزوق کے بیان سے ھوتی ھے اور ایک نئی بات یہ معلوم ھوتی ھے کہ جنگ طریف[2] میں یہ مصحف ابوالحسن مرینی کے قبضے سے نکل کر پرتگالیوں کے قبضے میں چلا گیا تھا لیکن ابوالحسن کو اس کے حصول کی فکر رھی ، بالآخر سلطان کی تدبیر یوں کارگر ھوئی کہ سنہ ۷۴۵ھ میں اُزمورہ[3] کے ایک تاجر کے ذریعہ یہ متبرک نسخہ دوبارہ ابوالحسن مرینی کو حاصل ھوگیا .

خطیب ابن مرزوق نے بلاد مشرق کی سیاحت میں دمشق ، مکہ اور مدینہ کے عثمانی مصاحف کی زیارت کی تھی ، لہذا ان کو اندلسی مصحف کے پرکھنے کا خاصہ موقع ملا ، مگر افسوس یہ ھے کہ اُنھوں نے ان نسخوں سے مغربی نسخے کا موازنہ کرنے پر بھی کوئی مفصل تبصرہ نہیں کیا . ان کی صراحت اسی قدر ملتی ھے کہ مدنی اور مغربی نسخوں میں خطی مماثلت ھے ، اس کے بعد اُنھوں نے اس عامیانہ خیال کی تردید کی ھے کہ یہ نسخہ حضرت عثمان رض کا خود نوشت ھے . یہ خیال اندلس اور مغرب کی طرح مشرقی عوام میں بھی پھیلا ھوا تھا ، چنانچہ ابن کثیر کو یہ صراحت کرنی پڑی[4] : « ولیست کله بخط عثمان بل ولا واحد منها » .

ابن فضل اللہ العمری[5] نے مسجد قرطبہ کے ذکر میں ایک مصحف کا تذکرہ کیا ھے ، جو قطعاً مذکورہ بالا نسخہ کے علاوہ تھا اس میں چار ورق حضرت عثمان کے خود نوشت مصحف کے تھے ، یہ اوراق خون آلودہ تھے .

---

۱ عبدالواحد المراکشی : المعجب ص ۱۸۲ طبع ایدن سنہ ۱۸۸۱ء ، مجموعۂ اماری ص ۳۲۱ سنہ ۱۸۵۷ء

۲ ابن خلدون : کتاب العبر ۷ : ۲۶۱ .

۳ نفح الطیب میں « ازمور » ھے : تصحیح یاقوت سے کی گئی ھے دیکھیے معجم البلدان (۱ : ۲۳۳) طبع وستنفیلڈ .

٤ البدایة و النهایة (۷ : ۲۱٦)

٥ مسالک الأبصار (۱ : ۲۱٤) قاھرہ ، ۱۹۲٤

جامع اموی (دمشق) کے نسخے:

شام میں دو نسخوں کا پتا چلتا ھے اور دونوں جامع بنی امیہ دمشق میں مختلف زمانوں میں محفوظ تھے ان میں قدیم تر نسخے کا سراغ ۵۰۷ ھ سے ملتا ھے. ابن تغری بردی نے امیر مودود فرمان روای موصل کے واقعۂ قتل کی تفصیل بتاتے ہوئے لکھا ھے کہ امیر مودود بزمانۂ قیام دمشق ھر جمعہ کو مصحف عثمانی کی زیارت سے برکت اندوز ھوا کرتے تھے. بالآخر موقعہ سے فائدہ اٹھاکر ایک باطنی نے انھیں قتل کردیا.[1]

ایک دوسرے قدیم نسخے کی اطلاع مشہور سیاح ابن جبیر اندلسی (م ٦١٤) کی زبانی ملتی ھے[1]، کہ «مقصورۂ حدیثہ» مشرقی رکن میں اندرون محراب ایک بڑا مخزن ھے جس میں ایک مصحف حضرت عثمان کے عہد کا محفوظ ھے. یہ وھی نسخہ ھے جسے حضرت عثمان نے بلاد شام کے لیے ارسال فرمایا تھا؛ روزانہ بعد نماز خزانہ کھلتا ھے اور مصحف کی نمایش ھوتی ھے.

پھر ساتویں صدی کے وسط میں ایک مغربی فاضل ابوالقاسم تجیبی کی شہادت[3] ملتی ھے کہ انھوں نے ٦٥٧ ھجری میں جامع اموی کے مقصورہ میں اس کو محفوظ پایا تھا؛ اسی نسخہ کی بابت ابن مرزوق اور ابن بطوطہ آٹھویں صدی کے اوائل میں اپنا اپنا مشاھدہ[4] بیان کرتے ھیں. ابن مرزوق نے ۷۳۵ ھجری میں اسے دیکھا تھا؛ ابن بطوطہ کی درج کردہ تفصیل سے معلوم ھوتا ھے کہ اس کی نمایش صرف جمعہ کے دن ھوتی تھی اور نماز جمعہ کے بعد خزانہ کھلتا تھا.

ابن فضل اللہ العمری[5] (م۷٤۹ ھ) نے اسی نسخے کی نشاندھی کی ھے لیکن سب سے الگ ھوکر اس کو حضرت عثمان کا نوشتہ قرار دیا ھے.

---

۱ ابن جبیر. کتاب الرحلۃ ص ٢٦٨ طبع لندن. سنہ ۱۹۰۷ع

۲ اصل الفاظ یہ ھیں: «وتفتح الخزانۃ کل یوم اثر الصلاۃ» ابن جبیر ص ٢٦٨ یوم کے بعد ایک لفظ ساقط ھے. «کل یوم جمعۃ» ھونا چاھیے دیکھیے ابن بطوطہ: تحفۃ النظار (١ . ٥٤)

۳ نفح الطیب (١ : ٢٨٣)

٤ نفح الطیب (١ : ٢٨٣)؛ ابن بطوطہ؛ تحفۃ النظار (١ : ٥٤) مصر سنہ ۱۹۲۸ع

٥ مسالک الأبصار (١ : ١٩٥) طبع دارالکتب قاھرہ

علامہ شبلی اسی مصحف کے سلسلے میں « تہذیب الاخلاق »[1] کے ایک مضمون میں رقمطراز ہیں کہ یہ مصحف میرے سفر قسطنطنیہ کے زمانہ تک دمشق میں موجود تھا، کئی برس ہوئے جب سلطان عبد الحمید خاں کے زمانے میں جامع مسجد جل گئی تو یہ مصحف بھی جل گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ سلطان عبدالحمید خاں کے عہد تک یہ نسخہ باقی نہیں رہا تھا، زیادہ سے زیادہ تیمور کے حملہ تک اس کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ تیمور کی موجودگی میں (۸۰۳ ھ) جامع اموی میں چوتھی بار ایسی آگ لگی تھی کہ اس کی لپٹ میں جامع مسجد کے قرب و جوار کی عمارتیں آگئیں، اس میں تمام مصاحف اور قیمتی ذخیرے[2] جل گئے تھے، خاص طور پر اس مصحف کے بارے میں کسی قسم کی صراحت نہیں ملتی تا ہم اس کے بچ رہنے کا احتمال بہت ضعیف ہے۔ علامہ ابن الجزری نے اس مصحف کو دیکھا تھا[3] مگر ہمارا خیال یہ ہے کہ انھوں نے اس واقعہ سے پہلے دیکھا ہوگا۔

۱۳۱۰ ھ میں بہ عہد سلطان عبدالحمید خاں[4] پھر آگ لگی اور ایک قدیم مصحف بخط کوفی جل گیا۔ لوگ اس کو مصحف عثمان کہتے تھے۔ علامہ کردعلی کا بیان ہے کہ یہ مصحف بصری کی کسی پرانی مسجد سے لاکر رکھا گیا تھا، کب اور کس زمانے میں یہ نسخہ بصری سے یہاں منتقل کیا گیا اس پر کردعلی مرحوم نے روشنی نہیں ڈالی ہے، بہر حال یہ دوسرا نسخہ ہے جو جامع بنی امیہ کے خزانے میں محفوظ تھا۔

ہمیں نسخۂ بصری کے بارہ میں ابن فضل اللہ العمری کے یہاں « مبرک الناقہ » کے ذکر میں یہ یادداشت ملتی ہے[5]: « و فی ھذا الموضع

---

۱ بابت صفر ۱۳۲۹ھ؛ صحف سماویہ ص ۱۳۷ (سنہ ۱۹۱۹ع)

۲ کردعلی: خطط الشام (۵:۲۷۹)، دیکھیے یزدی: ظفرنامہ (۲: ۳۳۹)، کلکتہ. ۱۸۸۸ع مصاحف اور کتابوں کے جلنے کا ذکر یزدی نہیں کرتا۔

۳ زرقانی: مناهل العرفان (۱ : ۲۹۸)

٤ شیخ ابن بدران (م ١٣٤٦ھ) نے آتش زدگی کا واقعہ ۱۳۱۱ھ میں لکھا ہے دیکھیے ابن عساکر؛ تہذیب تاریخ دمشق (۱ : ۲۰٤ - ۲۰۵) حاشیہ رقم ۱

٥ مسالک الأبصار (ص ۲۱٦ - ۲۱۷)

مصحف شریف عثمانی و علیه أثرالدم » . غالباً اسی نسخے کا تذکرہ علامہ کردعلی نے کیا ہے۔

مکۂ معظمہ کا نسخہ :

مکۂ معظمہ کے مصحف عثمانی کا قدیم تذکرہ ہمارے علم میں ابن جبیر کی « کتاب الرحلہ »[1] میں دو موقعوں پر آتا ہے۔ پہلی بار « قبۂ زمزم » کے قریب « قبة الشراب » اور « قبة الیہودیہ »[2] کے تعارف میں یہ بیان ملتا ہے کہ دونوں قبے بیت اللہ کے جملہ اوقاف کے مخزن تھے، اور خاص طور پر « قبة الشراب » جسکو حضرت عباس کی نسبت سے القبة العباسیہ » بھی کہتے تھے قرآن کریم کے نسخوں اور کتابوں کا مخزن تھا، یہیں ایک بڑے تابوت کے اندر بڑی تقطیع کا ایک قدیم مصحف خلفاے اربعہ میں سے کسی ایک کے زمانے کا محفوظ تھا، جس کی کتابت حضرت زیدبن ثابت نے نبی اکرم کی وفات سے ۱۸ سال بعد (سنہ ۲۹ھ) میں کی تھی۔ اس کے بہت سے اوراق ضایع ہو چکے تھے اس کی دونوں دفتیاں لکڑی کی تھیں۔ ابن جبیر نے اس سخے کو بڑی عقیدتمندی کے ساتھ دیکھا تھا، اور « قبۂ عباسیہ » کے متولی سے ان کو معلوم ہوا تھا کہ قحط و گرانی کے زمانے میں اہل مکہ اس سخۂ شریفہ کو باہر نکالتے ہیں اور بیت اللہ کی چوکھٹ اور مقام ابراهیم[3] کے درمیان رکھ کر دعا کرتے ہیں جس کا اثر

---

۱ کتاب الرحلہ ص ۱۰۴ : ۱۶۰

۲ ابن جبیر سے پیشتر حرم شریف کا تفصیلی جائزہ جن لوگوں کے یہاں ملتا ہے ان کی تحریروں میں قبةالشراب (القبة العباسیہ اور قبة الیہودیہ کے نام نہیں ملتے، ناصر خسرو کے یہاں سقایةالحاج اور حزانةالزیت کا تذکرہ ملتا ہے۔ ناصر خسرو۔ سفرنامہ ص ۹۹ (تحقیق محمد دبیرسیاقی تہران) ابن جبیر نے سقایة الحاج کو قبة الشراب اور حزانة الزیت کو قبة الیہودیہ کا نام دیا ہے، ابن بطوطہ کے عہد تک یہی دونوں نام مشہور تھے؛ یاقوت کی معجم البلدان میں ان میں سے کسی ایک کا بھی اندراج نہیں ہے، ابن ظہیرةالمخزومی نے بظاہرالفاسی کے حوالہ سے قبةالشراب کا ذکر قبةالیہودیہ کے نام سے اور قبةالیہودیہ کا ذکر سقایة العباس کے نام سے کیا ہے، جو ناصر خسرو، ابن جبیر اور ابن بطوطہ کی دی ہو تفصیلات کے خلاف ہے، دیکھیے الجامع اللطیف ص ۲۱۵ (مصر ۱۹۲۸ء) .

۳ ابن جبیر کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ وقتی طور پر مقام ابراہیم کو مقررہ جگہ سے باب الکعبہ کے قریب اٹھا لاتے تھے .

بہت جلد نمایاں ہو جاتا ہے ، ابن جبیر نے پھر خود ہی اس قسم کے ایک اجتماع کا نظارہ کیا ، چنانچہ دوسرے موقع پر رقم طراز ہیں کہ ۲۲ شوال سنہ ۵۷۹ھ مطابق ٦ ماہ فروری (سنہ ۱۱۸۳ء) کو اہل مکہ کا اجتماع نمار استسقاء کے لیے ہوا . نماز سے پہلے قاضی مکہ نے خزانے سے مصحف عثمانی کو نکالا اور مقام ابراہیم کے آگے اس طور پر کھول کر رکھدیا کہ اس کی ایک دفتی مقام مطہر پر اور دوسری دفتی بیت اللہ کی چوکھٹ پر جا پڑی .

یہ بیان پہلی یادداشت سے قدرے مختلف ہے . یہاں مصحف کی نسبت حضرت عثمان کی طرف بصراحت کی گئی ہے ، پہلی یاد داشت میں بھی نسخے کی جو تاریخ[1] غالباً متولی قصبۂ عباسیہ سے سن کر لکھی گئی ہے وہ عہد عثمانی کو متعین کردیتی ہے . لیکن اس کے ساتھ ہی « مصحف أحد الخلفاء الأربعة » کے الفاظ بہت عجب ہیں ، بہر حال یہ ساری باتیں عام شہرت کی بنا پر بیان کی گئی ہیں ، تاہم نسخے کی قدامت میں خود ابن جبیر کو شک نہیں تھا جیسا کہ ان کی پیش کردہ تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے .

ابن جبیر کے بعد ابوالقاسم تجیبی کی شہادت ہے کہ سنہ ٦۵۷ھ میں اُنھوں نے « قبةالیهودیة » جس کو « قبةالشراب » بھی کہتے تھے[2] ، اسکی زیارت کی تھی ، پھر سنہ ۷۳۵ھ میں ابن مرزوق[3] نے اس نسخۂ شریفہ کو دیکھا

---

۱ ابن جبیر کے الفاظ سے یہ پتا نہیں چلتا کہ سال کتابت مصحف کے اندر کہیں ثبت تھا یا قبة العباسیه کے متولی کی زبانی معلوم ہوا تھا ؛ عہد عثمانی یا اس کے بعد کچھ مدت تک ہمارا خیال ہے کہ قرآنی نسخوں کے اول یا آخر میں کوئی ایسی تحریر لکھی نہیں جاتی تھی لیکن عہد اموی کے اواخر تک اس قسم کی تحریر کا رواج ہوچکا تھا ، ابو عمروالدانی (م ٤٤٤ھ) کی نظر سے ایک ایسا مصحف گذرا تھا جس کی کتابت ہشام بن عبدالملک کے اوائل خلافت میں مغیرة بن مینا نے کی تھی ، نسخہ کے آخر میں بطور ترقیمہ یہ الفاظ تھے : « کتبه مغیرة بن مینا فی رجب سنة مائة و عشر » دیکھیے المحکم فی نقط المصاحف ص ۸۷ دمشق ۱۹٦۰ء)

۲ نفح الطیب ص ۲۸۲ قبة التراب (بالتاء المثناة الفوقانية) تصحیف مطبعی ہے ؛ یہ بھی ملحوظ رہے کہ تجیبی نے قبة الشراب اور قبة الیہودیه کو ایک قرار دیا ہے ، اس لیے کہ دونوں متصل تھے اور اوقاف حرم کے مخزن کا کام دیتے تھے ورنہ صحیح یہ ہے کہ قبة الیہودیه کے بجاے قبة العباسیه اور قبة الشراب کو ایک قرار دینا تھا .

۳ نفح الطیب (۱ : ۲۸۳) .

تها اور مشہور سیاح ابن بطوطه بهی اس کا ذکر تفصیل[1] کے ساتھ کرتا ھے . ابن بطوطه کا بیان تقریباً لفظ به لفظ ابن جبیر سے ماخوذ معلوم ھوتا ھے البته اس کی عبارت میں نه حضرت عثمان کا نام آتا ھے اور نه « أحدالخلفاء الأربعة » کے الفاظ ملتے ھیں. غالباً یہی نسخه علامۂ سمہودی (م سنه ٩١١ھ) کے بعد تک مکۂ معظمه میں موجود تها[2] .

مسجد نبوی کا نسخه :

مدینۂ منوره کے قدیم مؤرخین کی جو یادداشتیں مسجد نبوی کے مصاحف کے بارے میں علامۂ سمہودی کے سامنے تهیں، ان میں حضرت عثمان کے مصاحف میں سے کسی نسخے کا تذکره نہیں تها . اندلسی سیاح ابن جبیر ھی کو یه اولیت حاصل ھے که سنه ٥٨٠ھ میں زیارت مدینه سے مشرف ھوکر جو روئداد اُنهوں نے قلمبند کی اس میں حجرۂ مبارکه اور مقام النبی کے درمیان مصحف عثمانی کی جگه معین کرکے بتاتی ھے[3] اور اس بات کی صراحت کی ھے که یه نسخه ان مصاحف میں سے ایک ھے جو حضرت عثمان کے زمانے میں مدینه سے باھر بهیجے گئے تهے . مشہور مؤرخ ابن النجار[4] بغدادی (م ٦٤٣ھ) کی تاریخ مدینه میں موقع و محل کے اعتبار سے گویا اسی مصحف کا ذکر ملتا ھے لیکن ابن النجار نے اس کو عہد عثمانی سے منسوب نہیں کیا . ابن النجار کے ذریعه یه نئی اطلاع ملتی ھے که قرآن کریم کا یه نسخه مسجد نبوی کے لیے مصر سے بهیجا گیا تها .

ابن جبیر کے بعد خطیب ابن مرزوق[5] نے اس نسخے کو مصحف عثمانی قرار دیا ھے . اُنهوں نے سنه ٧٣٥ھ میں اسے دیکها تها، سر ورق پر به قول خطیب مذکور عہد عثمانی کے مرتبین و کاتبین مصحف کے نام ان الفاظ میں درج تهے : « هذا ما أجمع علیه جماعة من أصحاب رسول الله صلی الله

---

١ تحفة النظار (١: ٨٤) اس نسخے کی زیارت ابن بطوطه نے غالباً ٧٢٧ ہجری میں کی ہوگی.

٢ وفاء الوفا (١ : ٤٨٢) .

٣ کتاب الرحله ص ١٩٣ ؛ وفاالوفا (١ : ٤٨٢)

٤ وفاء الوفا (١ : ٤٨١)

٥ نفح الطیب (١: ٢٨٣)

عليه وسلم منهم زيد بن ثابت و عبد الله بن الزبير و سعيد بن العاصیؓ » . اور یہ تحریر بھی ثبت تھی : « قال النخعی لعله الكوفی أوالبصری » . کاتبین مصحف کے نام یقیناً بعد میں کسی نے لکھے ہوں گے اس لیے کہ عہد صحابہ میں بین الدفتین اس قسم کی تحریروں کے لیے کوئی گنجایش نکل نہیں سکتی تھی اس تحریر سے نسخے کی تاریخی اہمیت مشکوک ہو جاتی ہے ۔ دوسری تحریر سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کسی شخص کو اس نسخے کی تحقیق کا داعیہ پیدا ہوا ہوگا ۔

خطیب ابن مرزوق کے ایک معاصر[1] محمد بن احمد المطری (م سنہ ٧٤١ھ) نے اپنی تاریخ مدینہ میں اس کا ذکر مصحف عثمانی کی حیثیت سے کیا ہے ۔ سمہودی کے عہد تک عام طور پر مشہور تھا کہ یہی نسخہ حضرت عثمانؓ کا مصحف خاص ہے ۔ اس کا ثبوت اسی قدر تھا کہ آیت « فسیکفیکہم اللہ » پر خون کے نشانات تھے ۔ علامۂ سمہودی[2] (م ٩١١ھ) اس کو مصحف خاص قرار نہیں دیتے کہ اس خصوصیت کے حامل مکۂ معظمہ اور قاہرہ میں بھی قرآن پاک کے دو قدیم نسخے ان کی نظر سے گذرے تھے ان کی رائے میں مصحف خاص سے مشابہت پیدا کرنے کے لیے بعد میں ان نسخوں کے اندر آیت مذکورہ « خلوق » کے ذریعہ رنگ دی گئی ہوگی ۔ ان مصاحف کے بارے میں وہ زیادہ سے زیادہ یہ تسلیم کرنے کو آمادہ نظر آتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے ارسال کردہ ہونگے ۔ ان نسخوں کے علاوہ مزید تین نسخے ہمارے علم میں عہد عثمانی سے منسوب تھے ان کا تذکرہ مختصر طور پر ذیل میں کیا جاتا ہے :

سنہ ٦٥٣ ہجری میں خلیفۂ مستعصم باللہ (م ٦٥٦ھ) کی ایک بیگم کے حکم سے مدرسۂ بشیریہ[3] کی عمارت تکمیل کو پہنچی اور اس کا افتتاح خود خلیفہ نے شہزادوں اور اعیان دولت کی جلو میں کیا تھا ؛ خلیفہ کی طرف سے نادر و نایاب نسخے ٣٦ صندوقوں میں بھر کر اس مدرسے کے

---

١ وفاء الوفا (١ . ٤٨٢) ٢ ایضاً (١ : ٤٨٢-٤٨٣)

٣ تحفة الأصحاب ورق ٣٠٨ ظ (مخطوطة جمع اسیاوی کلکتہ رقم : ٤٨٩ عربی) ، یہ عبارت ذہبی کی تاریخ الإسلام سے ماخوذ ہے ۔

کتب خانے کے لیے عطا ہوئے۔ ان میں ابن مقلہ اور ابن البواب کے نوشتہ دفاتر اور قرآن کریم کے دو نادر نسخے بھی تھے؛ ایک نسخے کی یہ خصوصیت بتائی گئی ہے کہ خود حضرت عثمان رض کے دست مبارک کا نوشتہ تھا۔

رمضان سنہ ٦٦١ ہجری میں الملک الظاہر بیبرس[1] نے ملک برکہ خان تاتاری، فرمانروائے قبچاق کو ہدایا و تحایف بھیجے تھے؛ ان کی فہرست میں ابن واصل مصنف «مفرج الکروب فی أخبار بنی ایوب» نے ایک مصحف کا تذکرہ کیا ہے جو حضرت عثمان رض کا نوشتہ تھا۔

آٹھویں صدی کے سیاح[2] ابن بطوطہ (م سنہ ۷۷۹ ھ) نے بصرہ کی سیاحت میں مسجد امیرالمؤمنین علی رض کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اس خزانے میں حضرت عثمان رض کا مصحف خاص موجود تھا جس کے اوراق خون آلودہ تھے۔

اس عہد کے محققین میں سے استاذ طاہر الکردی نے حجاز و مصر کے کتب خانوں میں مصحف عثمانی کی جستجو کی تھی لیکن ان کو کامیابی نہیں ہوئی۔ مصحف مدینہ جس کا وجود دسویں صدی کے اوائل تک بہ شہادت سمہودی ثابت ہوتی ہے اس کے بارے میں بھی طاہر الکردی نے تحقیق کرنی چاہی مگر ان کو اس سے زیادہ معلوم نہ ہو سکا کہ سنہ ١٣٣٤ھ میں جب ترک حرمین سے بے دخل ہوئے تو غالباً یہ نسخہ استنبول کو منتقل ہوگیا[3]۔

علامۂ کرد علی نے جامع ایا صوفیا استنبول[4] کے ایک مصحف کی بابت اپنے دوست شیخ مسعود الکواکبی کا بیان نقل کیا ہے کہ اسکے سرورق پر «حررہ عثمان بن عفان» کے الفاظ مکتوب تھے اور اسکی زیارت کا موقعہ انکو کئی بار ملا تھا؛ لیکن استنبول کے علمی نوادر و مخطوطات

---

۱ سخاوی: السلوک فی معرفۃ دول الملوک قسم ثانی (۱ : ٤۹۷) تحقیق: مصطفی زیادہ طبع قاہرہ، سنہ ۱۹۳٦ء

۲ تحفۃ النظار (۱ : ۱۱٦) طبع مصر

۳ تاریخ القرآن و غرائب رسمہ ص ۱۱۱–۱۱۲ مصر سنہ ۱۹۵۳

٤ کرد علی: خطط الشام (۷ : ۱۸۹).

کی نمایش جو ستمبر ۱۹۵۱ء میں مؤتمر مستشرقین کے انعقاد کے موقع پر ہوئی تھی اسکی جس قدر تفصیلات[1] ہماری نظر سے گذری ہیں ان میں کسی ایسے مصحف کا تذکرہ نہیں ملتا جو خاص طور پر حضرت عثمان رض کے عہد سے منسوب کیا گیا ہو ۔

استاذ طاہر الکردی نے مصحف مدینہ کے سلسلے میں مصری ہفتہ وار[2] «الدنیا و کل شیء» کے حوالہ سے یہ اطلاع نقل کی ہے کہ یہ مصحف ترکوں کے ذریعہ جرمن شہنشاہ غلیوم ثانی کو ملا تھا؛ اُس کی واپسی کے لیے حکومت المانیہ ایک معاہدے کے تحت آمادہ تھی اور چھ ماہ کے اندر حکومت حجاز کو لوٹا دینے کا ارادہ رکھتی تھی؛ کردی نے اس خبر کو غیر مصدقہ قرار دیا ہے ۔

ایک مصری فاضل شیخ عبدالعظیم زرقانی[3] کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے کئی قدیم نسخے مصری دارالآثار اور کتب خانوں کی زینت ہیں اور حضرت عثمان رض سے منسوب کیے جاتے ہیں ۔ زرقانی ان نسخوں کا انتساب عہد عثمانی سے صحیح نہیں سمجھتے ۔ اس لیے کہ یہ تمام نسخے نقش و نگار اور زرکشی کے کام سے آراستہ ہیں ۔ البتہ مسجد حسینی کے ایک قدیم مصحف سے انہوں نے بحث کرنے کی ضرورت سمجھی کہ بعض خطی شواہد کی بنا پر یہ نسخہ، مصحف مدنی اور مصحف شامی سے مطابقت رکھتا ہے ۔ ان کا اندازہ ہے کہ یہ نسخہ، اُن دو عثمانی نسخوں میں سے کسی ایک کی نقل ہوسکتا ہے ۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے کسی زمانے میں دارالمصنفین اعظم گڑھ کو یہ اطلاع دی تھی کہ مصحف عثمانی کا عکس زار روس نے شایع کیا تھا؛ اسی سلسلے میں چند ماہ پیشتر ان کا ایک مکتوب[4] « معارف » اعظم گڑھ میں شائع ہوا جس میں ڈرہم یونیورسٹی کے نسخے کی نشاندہی کی گئی ہے۔

---

۱ رسالۂ «معارف» (اعظم گڑھ) (۶۹ : ۲۱۶—۲۲۸)، (۷۰ . ۱۶۵—۱۸۴)

۲ مؤرخہ ۲۸ جمادی الثانیہ سنہ ۱۳۵۷ مطابق ۲۴ اگست سنہ ۱۹۳۸ء

۳ مناہل العرفان (۱ : ۳۹۸)۔

۴ رسالۂ «معارف» (اعظم گڑھ) (۸۶ : ۴۴۹—۴۵۰)۔

ایک روسی عکس کا تعارف قاضی اطہر مبارک پوری کے مضمون سے حاصل[1] ہوتا ہے۔ یہ صرف سورۂ «یسین» کا عکس ہے جسکی اشاعت فوٹو بلاک کے ذریعہ سنہ ۱۹۰۵ء میں ایک روسی عالم عبد اللہ الیاس بورغانی قریمی نے کی تھی؛ انکی نظر سے یہ مصحف پٹرس برگ کے شاہی کتب خانے میں سنہ ۱۸۸۹ء میں گذرا تھا؛ دوبارہ سنہ ۱۹۰۵ء میں انہوں نے سورۂ «یسین» کا فوٹو لیا، اور اس کی اشاعت بڑے اہتمام سے کی؛ اصل نسخہ بہ قول بورغانی خط کوفی میں چمڑے پر لکھا ہوا ہے اور اُس کے صفحات کو کنارے کی طرف ٹیڑھا کرکے دیکھا جائے تو حروف شیشے کی طرح چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں نیز آیت شریفہ «فسیکفیکهم اللہ» پر خون کے دھبے موجود ہیں۔ مضمون نگار نے جملہ تفصیلات کے بعد لکھا ہے ہوسکتا ہے کہ یہ مکمل نسخہ بعد میں ڈرھم یونیورسٹی میں منتقل ہوگیا ہو لیکن اگر یہ مکمل نسخہ روس میں ہوتا تو کمیونسٹ حکومت ضرور اس کا پروپگنڈا کرتی۔

مگر واقعہ یہ ہے کہ مملکت روس کے قبضے میں اس مصحف کا وجود ۱۹۵۹ع تک روسی اطلاعات[2] کے ذریعہ ثابت ہوتا ہے اور اس کی تاریخ کے بارے میں بعض ایسی تفصیلات ملتی ہیں جن کا ذکر شیخ عبداللہ بورغانی قریمی کی تحریر میں نہیں ہے۔ روسی اطلاعات کا خلاصہ یہ ہے کہ مصحفِ عثمانی تیمور کے کتب خانے میں تھا جو ۱۳۹۳ع میں دارالامارۃ سمرقند میں قائم کیا گیا تھا۔ پھر معلوم نہیں کن حالات کے تحت کتب خانے سے نکل کر سمرقند کی مسجد خواجہ احرار میں آگیا اور صدیوں تک اس مسجد میں ایک مرمریں ستون سے زنجیروں کے ذریعہ معلق رہا۔ ۱۸۶۸ع میں روسی شہنشاہیت بخارا پر قابض ہوئی، اور غالباً روسی استیلاء کے بعد ھی ترکستان کے روسی گورنر جنرل (وان کاف مان) نے اس کو سو روبل میں خرید کیا اور پٹرس برگ کے شاہی کتب خانے کو بطور تحفہ دیدیا۔

---

۱ ایضاً جنوری سنہ ۱۹٦۱۔

۲ رسالہ «سوویت دیس» (٦ : ۲) بابت جنوری، ۱۹۵۹ع

۱۹۱۷ع میں روسی انقلاب کے بعد انقلابی دستے کے مسلمان سپاہیوں نے اس کو اپنے قبضے میں کرلینا چاہا مگر عارضی حکومت کی فوج نے ان کو اس سے باز رکھا۔ بالآخر پتروگراو صوبائی مسلم کانگریس نے اس کی واپسی کا مطالبہ کیا اور مجلس وزراء کے حکمنامہ مورخہ ۹ دسمبر ۱۹۱۷ع کے مطابق یہ تاریخی مصحف روسی پارلیمان کے مسلم نمائندوں کے جلسہ میں اوفا پہنچا پھر اسے تاشقند لایا گیا جو اس وقت ازبکستانی جمہوریہ کا پایہ تخت ہے۔ روسی نشریہ میں خون کے نشانات کا ذکر کیا گیا ہے اور اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ روسی مستشرقین نے اس کی قدامت تسلیم کی ہے۔

ان اطلاعات کی روشنی میں یقین کرنا پڑتا ہے کہ روسی نسخہ ڈرہم یونیورسٹی کو منتقل نہیں ہوا اور دونوں نسخے جداگانہ ہیں۔

[۱۳/۷/۱۹۶۱ع]

رجال نهج البلاغه

(۴)

محمود حسن قیصر امروهوی

الإمام علي بن الحسین علیه السلام

سلسلهٔ ائمه اثنا عشر کی چوتھے فرد ھیں، سواد اعظم میں آپ کا شمار اجلهٔ تابعین میں ھے. آپ کے مناقب سے تمام کتب سیر و رجال بھری ہوئی ھیں. امام زھری کا قول ھے کہ علی بن الحسین سے افضل ھم نے کسی کو نہیں پایا»[1].

دمیری نے لکھا ھے: آپ حدیث بیان کرنے میں نہایت معتمد اور صادق الروایة ھیں. آپ نے رسول الله سے بکثرت احادیث کی روایت کی ھے، اهل بیت میں ان کا مثل و نظیر کوئی نہیں تھا[2]. سنه ۹۵ ھ میں آپ کی وفات ھوئی.

امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیه السلام کے بیشتر اقوال آپ کی روایت سے ملتے ھیں، ان میں چند وہ اقتباسات بھی ھیں جو «نہج البلاغه» میں ملتے ھیں ملاحظه ھوں:

۱ «ألا و انّ الدنیا قدولت حذاء ... ألا و إن الآخرة قد أقبلت ولکل منهما بنون فکونوا من أبناء الآخرة ولا تکونو أبناء الدنیا[3]»

یه کلام محمد بن یعقوب الکلینی متوفی ۳۲۸ ھ نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ آپ سے روایت کیا ھے[4]:

عنه عن علی بن الحکم عن عمر بن أبان عن أبی حمزة عن أبی جعفر قال قال علی بن الحسین ... ».

---

۱ وفیات الأعیان ۱ : ۴۵۶

۲ حیاة الحیوان ۱ : ۱۲۱

۳ نہج ۱ : ۸۵

۴ اصول کافی ص ۱۵۶

۲ «اما إنه سيظهر عليكم بعدی رجل رحب البلعوم مندحق البطن یأکل مایجد و یطلب ما لایجد فاقتلوه و لن تقتلوه ألا وإنه سیأ مرکم بسبی والبراءة منی اما السب فسبونی فانه لی ذکاة ولکم نجاة و اما البراءة فلاتبرأوا منی فإنی ولدت علی الفطرة و سبقت الی الایمان والهجرة»[1].

اس کلام کا آخری حصہ شیخ الطائفہ نے حسب ذیل اسناد کیے ساتھ آپ سے روایت کیا ہے[2]:

«وبالاسناد قال حدثنا ابو بکر محمد بن عمر الجعابی قال حدثنا أبو العباس أحمد بن محمد قال حدثنا یحیی بن ذکریا بن شیبان قال حدثنا بکیر بن سلم قال حدثنی محمد بن میمون قال حدثنی جعفر بن محمد عن أبیه عن جده علیهم السلام قال قال أمیر المؤمنین: ستدعون إلی سبی فسبونی و تدعون الی البرآءة منی...».

۳ «نهج» کا ایک مشہور خطبہ ہے جو اس طرح شروع ہوتا ہے۔
«الحمد لله الذی علا بحوله ودنا بطوله[3]»

اس خطبے کے حسب ذیل اقتباسات:

۱ أوصیکم عباد الله بتقوی الله الذی ضرب لکم الأمثال ووقت لکم الآجال

۲ فإن الدنیا رنق مشربها ردغ مشرعها یونق منظرها ویوبق مخبرها غرور حائل وظل زائل و سناد مائل

۳ جعل لکم اسماعا لتعی ما عناها و ابصاراً لتجلوا عن عشاها و أشلاء جامعة لاعضائها ملائمة لاحنائها فی ترکیب صورها و مدد عمرها

حافظ ابو نعیم اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ نے آپ کی روایت سے ایک طویل خطبے کے ضمن میں اس طرح نقل کیے ہیں:

«حدثنا أبی ثنا إبراهیم بن محمد بن الحسن قال: کتب إلیّ أحمد

---

۱ نہج ۱: ۶۶
۲ شیخ الطائفہ: امالی ص ۱۳
۳ نہج ۱: ۸۲—۸۵

بن هشام الدمشقی : ثنا أبو صفوان القاسم بن یزید بن عوانة عن ابن حرث عن ابن عجلان عن جعفر بن محمد عن أبیه عن جدہ :
انّ علیاً شیع جنازة فلما وضعت فی لحدها عجّ أهلها وبکوا فقال ما تبکون أما والله لو عاینوا ما عاین میتهم، لاذهلتهم معاینتهم عن میتهم و انّ له فیهم لعودة ثم عودة حتی لا یبقیٰ منهم أحد ثم قام فقال: أوصیکم عباد الله بتقوی الله الذی ضرب لکم الأمثال و وقّت لکم الآجال و جعل لکم اسماعاً تعی ما عناها و ابصاراً لتجلوا عن غشاها و أفئدة تفهم ما دهاها فی ترکیب صورها و مدد عمرها ... فانّ الدنیا لا یدوم نعیمها و لا تؤمن فجائعها غرور حائل و شبح زائل و سناد مائل ...»[1].

٤ إنّ الله تعالیٰ أنزل کتاباً هادیاً بین فیه الخیر و الشر فخذوا نهج الخیر تهتدوا واصدفوا عن سمت الشر تقصدوا..»[2].

یہ پورا خطبہ آخر تک ابو جعفر محمد بن جریر الطبری نے حسب ذیل اسناد اور شان نزول کے ساتھ آپ سے روایت کیا ہے[3]:

«فأول خطبة خطبها علی رض حین استخلف فیما کتب به الیّ السری عن سلیمان بن أبی المغیرة عن علی بن الحسین، حمد الله و اثنیٰ علیه فقال : إنّ الله عزوجل انزل کتاباً هادیاً بین فیه الخیر و الشرّ فخذوا بالخیر و دعوا الشرّ...»

٥ «قرنت الهیبة بالخیبة»[4] ٦ «الحکمة ضالة المؤمن»[5]

مذکورہ بالا دونوں ارشادات علوی ابن شیخ الطائفہ نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ امام زین العابدین سے روایت کیے ہیں[6]:

و عنه قال أخبرنا جماعة عن أبی المفضل قال حدثنا ابو أحمد عبید الله بن الحسین بن ابراهیم العلوی النصیبی ببغداد قال حدثنی محمد بن علی بن موسی الرضا عن أبیه موسی بن جعفر عن أبیه

---

١ حلیة الاولیا ١ : ٧٨ ٢ نہج ١ : ١٧٧ ٣ تاریخ طبری ٥ : ١٥٧
٤ نہج ٢ : ٧٨ ٥ ایضاً ٢ : ٨٤ ٦ شیخ الطائفہ : امالی ٤١

جعفر بن محمد عن جده قال قال أمير المؤمنين : الهيبة خيبة ... و الحكمة ضالة المؤمن فأطلبوها و لو عندالمشرک».

۷ـ« خذ الحكمة انى كانت فانها الحكمة تكون فى صدر المنافق فتلجلج فى صدره حتى تخرج فتسكن الى صواحبها فى صدرالمؤمن[1]».

یہ کلام بھی ابن شیخ الطائفہ نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ امام زین‌العابدین علیہ السلام سے روایت کیا ہے[2] :

و عنه قال أخبرنا جماعة عن أبى المفضل قال حدثنا أبو عبدالله جعفر بن محمد العلوى الحسنى قال حدثنا أحمد بن عبدالمنعم بن النصر الصيداوى قال حدثنا حماد بن عثمان عن حمران بن أعين قال سمعت على بن الحسينرض يقول لا تحقر اللؤلو النفيسة ان تجتليها من الكبار الخسيسة فانّ أبى حدثنى قال : سمعت أميرالمؤمنين عليه السلام يقول : « انّ الكلمة من الحكمة . . . » .

۸ـ« إنّ قوماً عبدوا اللهرغبة فتلک عبادة التجار و انّ قوماً عبدوا الله رهبة فتلک عبادة العبيد و انّ قوماً عبدوا الله شكراً فتلک عبادة الأحرار »[3].

یہ قول حافظ ابو نعیم اصفہانی نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ، خود امام زین العابدین علیہ السلام کے قول کی حیثیت سے روایت کیا ہے[4] :

« حدثنا ابوالحسين محمد بن محمد بن عبد الله قال ثنا أبو بكر الأنبارى قال ثنا احمد بن‌الصلت قال ثنا قاسم بن ابراهيم العلوى قال حدثنى ابى عن جعفر بن محمد عن ابيه قال قال على بن الحسين . . . ان قوماً عبدوا الله . . . » .

۹ـ «احبب حبيبک هونا ما عسىٰ ان يكون بغيضک يوما ما وأبغض بغيضک هونا ما عسىٰ ان يكون حبيبک يوما ما»[5].

یہ قول ابن شیخ الطائفہ نے اپنی « امالی » میں قدرے لفظی تغیر کے ساتھ حسب ذیل طریقے پر آپ سے روایت کیا ہے[6] :

---

۱ نہج ۲ : ۸۴

۲ ابن شیخ الطائفہ : امالی ص ۱۴

۳ نہج ۲ : ۱۰۴

۴ حلیة الاولیا ۳ : ۱۳۴

۵ نہج ۲ : ۱۰۸

۶ ابن شیخ الطائفہ : امالی ص ۷۹

«عن زید بن علی عن ابیه قال قال علیؑ لا یکن حبک کلفا ولا بغضک تلفا احبب حبیبک هونا ما وابغض بغیضک هونا ما».

۱۰ـــ«ما مزح امرء مزحة الا مجّ من عقله مجة[1]».

یہ قول حافظ ابونعیم اصبہانی نے خود امام زین العابدین علیہ السلام کے قول کی حیثیت سے نقل کیا ہے[2].

«حدثنا احمد بن جعفر قال ثنا عبداللہ بن احمد قال حدثنی ابو معمر قال ثنا جریر عن فضیل بن غزوان قال قال لی علی بن الحسین : من ضحک ضحکة مجّ مجة من العلم».

عبیداللہ بن عدی بن الخیار

رسول اللہ ص کے عہد مبارک میں پیدا ہوئے . مدینہ میں حضرت علی بن ابی طالب کے گھر کے قریب آپ کا مکان تھا ، اُنھوں نے حضرت عمر اور حضرت عثمان سے احادیث کی روایت کی ہے . ولید بن عبدالملک کے عہد میں وفات پائی[3] .

امیرالمؤمنین کا کلام جو آپ نے اشعث بن قیس کے اعتراض کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے ، ان سے مروی ہے جسکی ابتدا اس طرح ہے :

«ما یدریک ما علی مما لی علیک لعنة اللہ و لعنة اللاعنین[4]».

یہ کلام علامہ ابوالفرج اصفہانی نے حسب ذیل طریقے پر ان سے روایت کیا ہے[5] :

حدثنا احمد بن عبیداللہ بن عمار و احمد بن عبدالعزیز الجوہری قالا حدثنا عمر بن شبة ، قال حدثنا محمد بن ابی رجاء قال حدثنا ابراهیم بن سعد قال قال عبداللہ بن عدی بن الخیار . . . شهدت الحکمین ثم أتیت الکوفة وکانت لی الیٰ علیؑ حاجة فدخلت علیه فلما رآنی قال مرحبابک یابن ام قال أزائراً جئتنا أم لحاجة فقلت کل جاء بی جئت لحاجة و احببت ان اجدد بک عهدا

۱ نہج ۲ : ۱۲۸
۲ حلیة الاولیا ۳ : ۱۳۴
۳ الاستیعاب ۲ : ۴۰۹
۴ نہج ۱ : ۳۷
۵ الاغانی ۱۸ : ۱۵۹

وسألته عن حديث فحدثني على أن لا أحدث به حديثا . فبينا أنا يوماً بالمسجد فی الکوفة إذا علی صلوات الله علیه متنكب قرنا له فجعل يقول : الصلوة جامعة وجلس على المنبر ... فقال له الاشعث بن قيس هذه والله عليک لا لک دعها تترحل » .

قيس بن ابی حازم الأحمسی البجلی

کوفه کے جلیل القدر تابعین میں هیں، انہوں نے جاهلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے تھے. ایک مرتبه آپ آنحضرت ص کی بیعت کرنے کی غرض سے گھر سے روانه هوئے تھے لیکن ابھی راستے هی میں تھے که آنحضرت کا انتقال هوگیا اور وه شرف زیارت سے محروم رهے. آپ کے والد أبو حازم مسلمه طور پر صحابی رسول تھے. آپ نے کثیر التعداد صحابهٔ رسول سے احادیث کی روایت کی هے اور ان سے تابعین کی ایک جماعت نے . ابن فراش کا قول هے که تابعین میں بجز قیس کے کوئی ایسا نہیں هے جس نے دس صحابهٔ رسول سے حدیث کی روایت کی هو . أبو داؤد سجستانی کا قول هے که قیس بن ابی حازم اسناد کے لحاظ سے اجود الناس هیں[1]. ان کا انتقال سنه ۹۷ ھ میں هوا[2].

« نهج » کا حسب ذیل کلام ان سے مروی هے :

« لا يقلّ عمل مع التقوى و كيف يقلّ ما يتقبل »[3].

حافظ أبو نعیم نے یه کلام اپنی اسناد کے ساتھ حسب ذیل طریقے پر روایت کیا هے[4] :

« حدثنا علی بن محمد بن اسمعیل الطوسی و ابراهیم بن اسحق قالا : ثنا أبو بكر بن خزيمة ثنا علی بن حجر ثنا يوسف بن زياد عن يوسف بن ابی المتند عن إسمعيل بن أبی خالد عن قيس بن ابی حازم قال قال علی علیه السلام « كونوا لقبول العمل اشد اهتماماً منکم بالعمل فانه لن يقل عمل مع التقوى و كيف يقل عمل يتقبل » .

---

۱ تهذیب ص ۵۱۰

۲ شذرات الذهب ۱ : ۱۱۲

۳ نهج ۲ : ۸۶

٤ حلیة الاولیا ۱ : ۷۵

خلاس بن عمرو الهجری

امیرالمؤمنین علیه السلام کے مخصوص صحابی اور سواد اعظم کے مشہور راوی حدیث ہیں، مؤلف «تہذیب الأسماء» نے ان کو تابعینِ اہل بصرہ میں لکھا ہے . انہوں نے عمار بن یسار، عبداللہ بن عباس، ام المؤمنین حضرت عائشہ سے احادیث کو سنا ہے نیز حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے . اصحاب رجال کا ان کے بارے میں کہنا ہے کہ حضرت علی سے ان کی روایت کتاباً ہے نہ کہ سماعاً[۱] اسکی تائید ابن سعد کی روایت سے بھی ہوتی ہے چنانچہ ان کے ذکر میں وہ لکھتا ہے[۲]: «روی عن علی و عمار بن یاسر وکان قدیما کثیر الحدیث کانت له صحیفة یحدث عنها» . ان کی وفات سنہ ۱۰۰ ہجری سے کچھ قبل ہوئی .

امیرالمؤمنین کا کلام جس میں آپ نے ایمان کی تعریف بیان کی ہے اور اس طرح شروع ہوتا ہے : «الایمان علی اربع دعائم[۳]» دیگر اصحاب کے علاوہ ان سے بھی مروی ہے چنانچہ حافظ أبو نعیم اصفہانی نے یہ کلام حسب ذیل اسناد کے ساتھ خلاس بن عمرو سے روایت کیا ہے[٤]:

حدثنا احمد بن السندی ثنا الحسن بن علویة القطان، ثنا اسمعیل بن عیسیٰ العطار، ثنا اسحق بن بشر، اخبرنا بمقاتل عن قتادة، عن خلاس بن عمرو قال: کنا جلوساً عند علی بنِ أبی طالب إذ أتاه رجل من خزاعة فقال یا امیرالمؤمنین هل سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم ینعت الإسلام قال نعم سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم : بنی الإسلام علی أربعة أركان ، علی الصبر و الیقین و الجهاد و العدل و للصبر أربع شعب ، الشوق و الشفقة، و الزهادة و الترقب فمن اشتاق إلی الجنة سلا عنِ الشهوات» .

یہ پورا کلام نقل کرنے کے بعد مؤلف لکھتے ہیں :

«ورواه الأصبغ بن نباته عن علی مرفوعاً فقال: الإیمان، رواه

---

۱ تہذیب الاسماء ص ۲۲۰؛
۲ ابن سعد : طبقات ۷ : ۱۲۸
۳ نہج ۲/ : ۷۸
٤ حلیة الاولیا ۱ : ۷٥

الحارث عن علی مرفوعاً مختصراً، رواه قبیصة بن جابر عن علی من قوله. رواه العلاء بن عبدالرحمن عن علی رض من قوله».

ابو الطفیل عامر بن واثلة الکنانی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس صحابی تھے۔ آنحضرت کے انتقال کے وقت آپ کی عمر آٹھ سال کی تھی، ارباب سیر نے ان کی ولادت متفقہ طور پر عام أحد میں لکھی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اصحاب رسول میں سب سے آخر میں ان کا انتقال ہوا ہے اور تقریباً چارسو احادیث ان سے مروی ہیں۔ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے خواص اصحاب اور محبین میں تھے اور تمام مشاہد جنگ جمل و صفین وغیرہ میں آپ کے ہمراہ رہے تھے۔ ثقہ اور مامون تھے، ان کا انتقال سنہ ۱۰۰ ھجری میں ہوا ہے[1]۔

«نہج» کے حسب ذیل کلمات ان سے مروی ہیں:

۱—أیها الناس إن اخوف ما أخاف علیکم اثنان[2]...».

یہ کلام شیخ أبو جعفر طوسی نے اپنی «امالی» میں حسب ذیل اسناد کے ساتھ أبوالطفیل سے روایت کیا ہے[3]:

« و عنه، قال حدثنی الشیخ المفید ابو علی الحسن بن محمد الطوسی رحمه قال حدثنا الشیخ السعید الوالد رحمه قال اخبرنا الشیخ السعید (ابوعبدالله) محمد بن محمد (بن النعمان) قال اخبرنی ابو بکر محمد بن عمر الجعابی قال حدثنا (محمد) بن الولید قال حدثنا عنبر بن محمد، قال حدثنا شعبة عن سلمة بن کهیل عن أبی الطفیل عامر بن واثلة الکنانی رحمه قال سمعت امیر المؤمنین یقول: ان اخوف ما ...»

۲—«أیها الناس! الزهادة قصر الامل و الشکر عند النعم و الورع عندالمحارم».[4]

یہ کلام شیخ صدوق متوفی ۳۸۱ ھ نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ أبو الطفیل سے روایت کیا ہے[5]:

---

۱ الاستیعاب ۲: ۴۰۲

۲ نہج ۱: ۸۰

۳ طوسی: امالی ص ۷۳

۴ نہج ۱: ۸۰

۵ معانی الاخبار ص ۹۲

«حدثنا محمد بن الحسن ، قال حدثنا محمد بن الحسن الصفار ، عن احمد بن أبی عبدالله ، عن أبیه ، عن محمد بن سنان ، عن مالک بن عطیة الاحمسی ، عن معروف بن خرّبوذ ، عن أبی الطفیل ، قال سمعت امیرالمؤمنین صلوة الله علیه یقول : الزهد فی الدنیا قصر الامل و شکر کل نعمة والورع عما حرّم الله علیک».

۳ــ«لوضربت خیشوم المؤمن بسیفی هذا علی ان یبغضنی ما ابغضنی[1]» .

یه کلام ابن ابی الحدید نے اپنی شرح میں حسب ذیل اسناد کے ساتھ ابو الطفیل کی روایت سے نقل کیا ہے[2]:

«و روی عبدالکریم بن هلال ، عن اسلم المکی عن أبی الطفیل : قال سمعت علیاً وهو یقول : لو ضربت خیاشیم المؤمن بالسیف ما ابغضنی و لو نثرت علی المنافق ذهبا و فضةً ما احبنی» .

نعمان بن سعد

کوفه کے جلیل القدر تابعین میں تھے ، انہوں نے براه راست حضرت علی ، اشعث بن قیس ، مغیرة بن شعبه ، زید بن ارقم سے احادیث کی روایت کی ہے اور ان سے ان کے بھانجے ابو شیبه عبدالرحمن بن اسحاق کوفی نے . ابن حبان نے ان کو ثقه کہا ہے[3].

امیرالمؤمنین علیه‌السلام کے متعدد کلام ان سے مروی ہیں ، «نہج» کا ایک مشہور خطبه جو نوف بکالی سے مروی ہے اس طرح شروع ہوتا ہے :

«الحمدلله الذی الیه مصائر الخلق و عواقب الأمر»

اس خطبے کا حسب ذیل اقتباس :

«الذی کلم موسی تکلیما وأراه من آیاته عظما بلا جوارح ولا أدوات ولا نطق ولا لهوات بل ان کنت صادقا ایها المتکلف لوصف ربک فصف جبرائیل ومیکائیل وجنود الملائکة المقربین فی حجرات القدس مرجحنین[4]».

حافظ ابو نعیم اصفہانی نے ایک طویل خطبے کے ضمن میں نعمان بن سعد سے اس طرح روایت کیا ہے :

---

۱ نہج ۲ : ۸۲
۲ شرح ابن ابی الحدید ۴ : ۱۹۹
۳ تہذیب التہذیب ۱۰ : ۴۵۳
٤ نہج ۱ : ۱۹۱

«حدثنا أبو بکر احمد بن محمد بن الحاوث، ثنا الفضل بن الحباب الجمحی، ثنا مسدد ثنا عبدالوارث بن سعید، عن محمد بن اسحق عن النعمان بن سعد قال: کنت بالکوفة فی دارالامارة دار علی بن أبی طالب إذ دخل علینا نوف بن عبد الله، فقال یا أمیر المؤمنین بالباب اربعون رجلا من الیهود، فقال علی رض علیّ بهم فلما وقفوا بین یدیه قالوا له یا علی صف لنا ربک هذا الذی فی السماء کیف هو و کیف کان و متیٰ کان و علی أی شیء هو، فاستویٰ علی رض جالساً و قال . . .».

اس مقام پر مؤلف «حلیة الأولیا» نے معرفت باری پر امیرالمؤمنین کا ایک طویل خطبه نقل کیا ہے، اس خطبے میں «نہج» کا مذکورہ بالا اقتباس اس طرح آیا ہے:

« سبحانه کلم موسیٰ تکلیما بلا جوارح ولا ادوات ولا شفة ولا لهوات ... فان کنت صادقاً ایها المتکلف لوصف الرحمن بخلاف التنزیل والبرهان فصف لی جبرائیل و میکائیل و إسرافیل».

دوسرا کلام جو نعمان بن سعد سے مروی ہے، حسب ذیل ہے:

«نحن النمرقة الوسطیٰ یرجع الیهم الغالی و یلحق بهم التالی[1] . . .»

یه کلام ابن قتیبه دینوری نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ نعمان بن سعد سے روایت کیا ہے[2]:

«و روی أبو معاویة عن عبدالرحمن بن إسحق، عن النعمان بن سعد عن علی علیه السلام: خیر هذه الأمة النمط الأوسط یرجع الیهم الغالی و یلحق بهم التالی».

اسمعیل بن الرجاء الزبیدی

ابن سعد نے تابعین کے طبقهٔ اولیٰ میں ان کا ذکر کیا ہے اور اعمش کی زبانی روایت کی ہے که اسمعیل بن الرجا کا یه معمول تھا که وہ بچوں کو جمع کر کے ان سے احادیث بیان کیا کرتے تھے تاکه ان کو بھول نه جائیں.

---

۱ نہج ۲ : ۸۸

۲ عیون الاخبار ۱ : ۳۲٦

«نہج» کے حسب ذیل کلام ان سے مروی ہیں:

۱۔ ألا و انّ الشیطان قد زمرحزبہ . . . و من العجب بعثھم الیّ ان ابرز للطعّان و ان اصبر للجلاد و ھبلتھم الھبول لقد کنت وما اھدد بالحرب ولاارھب بالضرب وانی لعلی یقین من ربی و غیر شبھۃ من دینی[1]».

۲۔ امیرالمؤمنین کا وہ خطبہ جو آپ نے جنگ کے دوران میں اپنے اصحاب سے خطاب فرمایا ہے، اس کا حسب ذیل آخری ٹکڑا:

«انّ الموت طالب حثیث لا یفوتہ المقیم ولا یعجزہ الھارب انّ اکرم الموت القتل، والذی نفس ابن أبی طالب بیدہ لألف ضربۃ بالسیف اھون علیّ من میتۃ علی الفراش»[2].

۳۔ امیرالمؤمنیں کا کلام طلحہ بن عبداللہ سے طلب خون عثمان رض کے بارے میں[3]:

«قد کنت وما اھدد بالحرب ولا ارھب بالضرب واناعلی ما قد وعدنی ربی من النصر واللہ ما استعجل متجرّداً للطلب بدم عثمان».

مذکورہ بالا تینوں کلام شیخ ابو جعفر طوسی نے حسب ذیل اسناد اور شان نزول کے ساتھ اسمعیل بن الرجاء کی روایت سے نقل کیے ہیں[4]:

«و بالاسناد قال اخبرنا ابوعلی الحسن بن محمد بن الحسن بن علی الطوسی رضی اللہ عنہ قال أخبرنا الشیخ السعید الوالد ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی رحمہ، قال أخبرنا محمد بن محمد، قال اخبرنی ابوالحسن علی بن محمد الکاتب قال حدثنا الحسن بن علی بن عبدالکریم الزعفرانی، قال حدثنا ابراھیم بن محمد الثقفی قال حدثنا عبیداللہ بن اسحاق الضبی عن حمزۃ بن نصر عن اسمعیل بن الرجاء الزبیدی قال لما رجعت رسل امیرالمؤمنین من عند طلحۃ والزبیر وعائشہ یؤذنونہ بالحرب قام فحمداللہ واثنیٰ علیہ وصلی علی محمد وآلہ ثم قال . . .».

---

۱ نہج ۱ : ۳۹

۲ نہج ۱ : ۱۳۸

۳ نہج ۱ : ۱۸۲

٤ طوسی: امالی ص ۱۰٦

اس مقام پر مؤلف نے ایک طویل خطبه نقل کیا ھے جس میں مذکورہ بالا تینوں کلام قدرے اختلاف لفظی کے ساتھ درج ھیں ۔

خالد بن طلیق الخزاعی

ابن حبان نے ثقات محدثین میں ان کا ذکر کیا ھے[۱] ۔ ابن ندیم نے ان کی مصنفات میں حسب ذیل کتابوں کا ذکر کیا ھے « کتاب المآثر » ، « کتاب المتزوجات » ، « کتاب المنافرات » ، « کتاب البرهان » .[۲]

« نہج » کے حسب ذیل کلام ان سے مروی ھیں :

۱ « ذمتی بما اقول رهینة و انا به زعیم[۳] »

۲ « لا یهلک علی التقوی سنیخ اصل ولایضمأ علیها زرع قوم[۴] »

۳ « العالم من عرف قدره وکفی بالمرء جهلا أن لا یعرف قدره[۵] »

٤ « انّ أبغض الخلائق الی الله رجلان[٦] » .

یہ چاروں کلام شیخ ابوجعفر طوسی نے ایک ھی روایت کے تحت حسب ذیل اسناد کے ساتھ خالد بن طلیق سے روایت کیے ھیں[۷] :

وبالاسناد قال أخبرنا أبوالحسن علی بن خالد المراغی قال حدثنا احمد بن الصلت قال حدثنا حاجب بن الولید قال حدثنا الوصاف بن صالح قال حدثنا ابواسحق عن خالد بن طلیق قال سمعت امیرالمؤمنین علیه السلام یقول : « ذمتی بما اقول رهینة و انا به زعیم » .

عبایة بن ربعی الأسدی الکوفی

کوفه کے تابعین میں شمار ھے ، انھوں نے صحابهٔ رسول میں حضرت علی ، ابو ایوب ، عبدالله بن عباس وغیرہ سے احادیث کی روایت کی ھے . ان کے شاگردوں میں خیثمة بن عبدالرحمان ، سلمة بن کہیل ، اعمش اور موسی بن طریف کے نام قابل ذکر ھیں .[۸] ابن سعد نے لکھا ھے که عبایه

---

۱ لسان المیزان ۲ : ۳۷۹

۲ ابن ندیم : فہرست ص ۱۳۹

۳ نہج ۱ : ۳٦

٤ ایضاً ۱ : ۳٤

۵ ایضاً ۱ : ۱۱۸

٦ ایضاً ۱ : ۳٤

۷ طوسی : امالی ص ۱٤۷

۸ کتاب الجرح والتعدیل ۳ ، ۲ : ۲۹

بن ربعی نے حضرت عمر اور حضرت علی سے احادیث کی روایت کی ہے لیکن قلیل الحدیث تھے[1].

امیرالمؤمنین کا مشہور قول: «سلونی قبل أن تفقدونی»[2] ان سے مروی ہے جسکو شیخ ابو جعفر طوسی نے اپنی «امالی» میں حسب ذیل اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے[3]:

«وعنه عن شیخه رض قال حدثنا محمد بن محمد قال حدثنا ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین بن موسی بن بابویه القمی قال حدثنی أبی قال حدثنا محمد بن یحیی العطار، قال حدثنا احمد بن ابی عبدالله البرقی عن أبیه عن خلف بن حماد الازدی عن ابی الحسن العبدی عن الأعمش عن عبایة بن ربعی قال: کان امیرالمؤمنین علیه السلام کثیراً ما یقول: سلونی قبل أن تفقدونی..».

ابن ابی الحدید اس قول کے بارے میں لکھتے ہیں:

وخامسها قوله «سلونی قبل أن تفقدونی» اجمع الناس کلهم علی انه لم یقل أحد من الصحابة ولا أحد من العلماء سلونی غیر علی بن ابی طالب. ذکر ذلک ابن عبدالبر المحدث فی کتاب الإستیعاب».

الشعبی، عامر بن شرحبیل

کوفه کے اجلهٔ تابعین میں هیں، اُنهوں نے پانچ سو اصحاب رسول کا ادراک کیا هے. امام زهری کا قول هے که علما چار هیں: سعید بن المسیب مدینه میں، شعبی کوفه میں، حسن بصری بصره میں اور مکحول شام میں[4].

«نهج» کے حسب ذیل تین کلام ان سے مروی هیں:

۱ـ «لم تکن بیعتکم ایای فلتة ولیس أمری و أمرکم واحد انی أریدکم لله و انتم تریدوننی لانفسکم»[5].

یه کلام شیخ مفید متوفی ۴۱۳ھ نے قدرے اضافه کے ساتھ شعبی سے اس طرح روایت کیا هے[6]:

---

۱ ابن سعد: طبقات ٦: ٨٧

۲ نهج ۱: ۲۰۳

۳ طوسی: امالی ص ۲۷

٤ وفیات الاعیان ۱: ٤٢٦

٥ نهج ۱: ١٤٧

٦ الارشاد ص ١٤٢

« ماروا‌ه‌الشعبی قال لما اعتزل سعد و من سمیناهم امیرالمؤمنین و وقفوا عن بیعته حمد الله واثنیٰ علیه ثم قال أیها الناس انکم بایعتمونی علی ما بویع علیه من کان قبلی وانما الخیار للناس قبل ان یبایعوا فاذا بایعوا فلا خیار لهم وانّ علی الامام الاستقامة وعلی الرعیة التسلیم وهذه بیعة عامة من رغب عنها رغب عن دین الإسلام واتبع غیر سبیل اهله ولم تکن بیعتکم ایای فلتة ».

۲ـــ«اَللّهم انی استعدیک علی قریش و من أعانهم فانهم قد قطعوا رحمی ».

أبن ابی‌الحدید لکھتے ھیں کہ یہ پورا کلام شعبی نے شریح بن ھانی سے روایت کیا ھے[۲].

۳ـــامیرالمؤمنین کا خط عبداللہ بن عباس کے نام جسکی ابتدا اس طرح ھے :

« اما بعد ، فانی کنت اشرکتک فی امانتی و جعلتک شعاری و بطانتی » .[۳]

یہ پورا خط ابو عمر محمد بن عمر بن عبدالعزیز الکشی (متوفی سنہ ٤٥٠ ھ) نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ شعبی سے روایت کیا ھے[٤]:

قال الکشی : قال شیخ من اهل الیمانی یذکر عن معلی بن هلال عن الشعبی ، قال : لما احتمل عبدالله بن عباس مال البصرة و ذهب به الی الحجاز کتب الیه علی بن ابی طالب علیه السلام :

من عبد الله علی بن ابی طالب الی عبدالله بن عباس أما بعد ، فانی کنت أشرکتک فی امانتی و لم یکن أحد من أهل بیتی فی نفسی اوثق منک لمواساتی و موازرتی و أداء الامانة الیّ ».[٥]

۴ـــ« أوصیکم بخمس لو ضربتم الیها آباط الإبل لکانت لذلک اهلا ».[٥]

یہ کلام سبط أبن جوزی متوفی ٥٩٧ ھ نے شعبی کے حوالہ سے اس طرح نقل کیا ھے[٦] :

عن الشعبی أن علیا قال « یا أیها الناس خذوا عنی هولاء الکلمات فلو رکبتم المطی حتی تنضوها » .

---

۱ نہج ۱ : ۲٤٠
۲ شرح ابن ابی الحدید ۱ : ۲٠۳
۳ نہج ۲ : ۳٥
٤ رجال کشی ص ٤۱
٥ نہج ۲ : ۸٥
٦ صفة الصفوة ۱ : ۱۲٦

ابو حمزة السعدی

ان کا کوئی تذکرہ کسی رجال کی کتاب میں مجھ کو نہیں ملا، البتہ « نہج » کے حسب ذیل کلام ان کی روایت سے ملتے ہیں، نیز شیخ الطائفہ نے جتنے واسطوں سے ان سے یہ کلام روایت کیے ہیں اس سے ان کا زمانہ پہلی صدی کا آخر یا دوسری صدی کی ابتدا متعین ہوتا ہے.

١ـــ « لا فقر کالجہل »[1].

٢ـــ « لا وحدة أوحش من العجب ... ولا قرین کحسن الخلق ... و لا ورع کالوقوف عندالشبهة ... ولا علم کالتفکر »[2].

٣ـــ « ألا و ان من البلاء الفاقة و أشد من الفاقة مرض البدن و أشد من مرض البدن مرض القلب ألا و انّ من النعم سعة المال و أفضل من سعة المال صحة البدن و أفضل من صحة البدن تقوی القلوب[3] ».

٤ـــ « للمؤمن ثلاث ساعات فساعة یناجی فیها ربه و ساعة یخلی بین نفسه و بین لذتها فیما یحل و یجمل. و لیس للعاقل ان یکون شاخصاً الا فی ثلاث مرمة لمعاش او خطوة فی معاد او لذة فی غیر محرم[4] ».

مذکور بالا چاروں کلام شیخ ابو جعفر طوسی نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ ابو حمزة السعدی سے روایت کیے ہیں[5]:

« و بالاسناد قال اخبرنا محمد بن محمد، قال أخبرنا ابوالطیب الحسین بن محمد التمار قال حدثنا محمد بن القسم الأنباری، قال حدثنا احمد بن عبید قال حدثنا عبدالرحیم بن قیس الهلالی، قال حدثنا العسری عن ابی‌حمزة السعدی عن ابیه، قال اوصیٰ امیرالمؤمنین علی بن ابی طالب الی الحسن بن علی علیهما السلام فقال فیما اوصیٰ به الیه یا بُنیّ: لا فقر أشد من الجهل ... ».

عبدالله بن عمرو بن هند الجملی

ابن ابی حاتم رازی نے « کتاب الجرح و التعدیل » میں ان کا ذکر کیا

---

١ نہج ١ : ٨٢
٢ ایضاً ٢ : ٨٩
٣ ایضاً ٢ : ١٢٣
٤ ایضاً ٢ : ١٢٣
٥ طوسی : امالی ص ٩٠ ـ ٩١

ہے اور لکھا ہے کہ اُنہوں نے حضرت علی سے احادیث کی روایت کی ہے اور ان سے عوف بن جمیلہ اعرابی نے[۱].

«نہج» کے حسب ذیل دو کلام ان سے مروی ہیں :

۱ــ «فو الذی فلق الحبة و برأ النسمة ما أسلموا و لكن استسلموا و اسرو الكفر فلما وجدوا أعواناً عليه اظهروه»[۲].

یہ کلام نصر بن مزاحم متوفی ۲۱۲ ھ نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ عبداللہ بن عمرو بن ہند الجملی سے روایت کیا ہے :

و روی نصر عن ابی عبدالرحمن المسعودی عن یونس بن الأرقم عن عوف عن عبد الله بن عمرو بن هند الجملی عن أبيه قال لما نظر علی الی رایات معاویة و اهل الشام قال : و الذی فلق الحبة[۳]... » .

۲ــ إنّ الايمان يبدوُ لمظة فی القلب كلما ازداد الايمان ازدادت اللمظة[۴]» .

یہ قول ابو عبید القاسم بن سلام متوفی ۲۲٤ ھ نے اپنی کتاب «غریب‌الحدیث» میں عوف بن ابی جمیلہ کے واسطہ سے عبد اللہ بن عمرو بن ہند الجملی سے روایت کیا ہے[۵].

عمارة بن ربیعة الجرمی

ابن سعد نے تابعین میں ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ انھوں نے علی بن ابی طالب سے احادیث کی روایت کی ہے[٦].

«نہج» کا حسب ذیل کلام ان سے مروی ہے :

«انا لم نحكم الرجال و انما حكمنا القرآن و هذا القرآن انما هو خط مستور بين الدفتين[۷]» .

یہ کلام مشہور مؤرخ طبری نے اپنی تاریخ میں حسب ذیل طریقہ سے عمارہ سے روایت کیا ہے[۸] :

«قال أبو مخنف فی حديثه عن أبی جناب عن عمارة بن ربيعة قال ... انا لسنا حكمنا الرجال و انما حكمنا القرآن» .

---

۱ کتاب الجرح والتعدیل ۳ : ۲ /۱۱۸ ۲ نہج ۲ : ۹

۳ شرح ابن ابی‌الحدید ۱ :۱۸۹ ٤ نہج ۲ : ۱۲۸

۵ ابو عبید : غریب الحدیث ورق ۲۰۰ ب (قلمی کتابخانۂ رام پور)

٦ کتاب الجرح والتعدیل ۳ :۱ / ۳٦۵

۷ نہج ۱ : ۱۳۹ ۸ طبری : تاریخ ٦ : ۳۷

ابو المغیرہ علی بن ربیعة الوالبی

کوفہ کے ثقات تابعین میں تھے ، انھوں نے امیرالمؤمنین علی بن ابی طالب ، مغیرة بن شعبہ ، سلمان ، عبداللہ ابن عمر ، اسماء بن الحکم الفرازی ، سمرة بن جندب اور سلیمان بن سمرہ وغیرہ سے احادیث کی روایت کی ھے ، ان کے شاگردوں میں حکم بن عتیبہ ، ابو اسحق السبیعی ، منہال بن عمرو ، محمد بن قیس الاسدی ، سلمة بن کہیل ، عاصم بن بہدلہ وغیرہ کے نام خاص طور سے مشہور ھیں. ابن المغیرہ اور نسائی نے ان کو ثقہ کہا ھے اور ابو حاتم نے صالح الحدیث . ابن سعد کا قول ھے کہ ابو المغیرہ ثقہ اور معروف تھے ، عجلی نے کوفہ کے ثقات تابعین میں ان کا شمار کیا ھے[1] .

« نہج » کا حسب ذیل کلام ان سے مروی ھے :

«انّ اللہ افترض علیکم الفرائض فلا تضیعوها و حد لکم حدوداً فلا تعتدوها[2]» .

شیخ ابو جعفر طوسی نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ یہ کلام بحیثیت قول رسول ان سے روایت کیا ھے[3] .

« أخبرنا جماعة عن أبی المفضل ، قال حدثنی عبداللہ بن جعفربن محمد بن اعین لبزاز سنة ست و ثلثمائة قال أخبرنا زکریا بن یحیی بن صبیح الواسطی فی کتابه إلینا ، قال حدثنا خلف بن خلیفة ، عن سعید بن عبید الطائی عن علی بن ربیعة الوالبی عن علی بن ابی طالب صلوة اللہ علیه قال ، قال رسول اللہ صلی اللہ علیه و آله ...» .

سعید بن عمیر الحارثی الانصاری

اکابر تابعین میں شمار ھے ، انھوں نے حضرت ابو سعید خدری سے احادیث کی روایت کی ھے اور ان سے عبد الحمید بن جعفر اور عمر بن عبیداللہ نے .[4]

« نہج » کا حسب ذیل خطبہ ان سے مروی ھے :

---

١ تہذیب التہذیب ٧ : ٣٢٠   ٢ نہج ٢ : ٨٧

٣ شیخ الطائفہ . امالی ص ٣٢٥

٤ ابن ابی حاتم رازی : کتاب الجرح والتعدیل ٣ : ٥٢

« اللهم داحی المدحواوت و داعم المسموکات و جابل القلوب علی فطرتها شقیها و سعیدها... »[1].

یه خطبه ابن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ نے مناقب میں حسن بن عرفه کی سند سے سعید بن عمیر سے روایت کیا ہے[2].

محمد بن سوقه

ابن سعد نے « طبقات » میں ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے که محمد بن سوقه اپنے وقت کے متبحر علماء میں تھے ، چنانچه سفیان بن عیینه جیسے محدث ان کی طرف رجوع کیا کرتے تھے.[3]

« نہج » کے حسب ذیل دو کلام ان سے مروی ہیں :

۱ــ« الإیمان علی أربع دعائم»[4] ۲ــ« احبب حبیبک هوناً ما عسیٰ أن یکون بغیضک یوماً ما... »[5].

یه دونوں کلام ایک ہی روایت کے سلسلے میں ابو اسماعیل قالی نے حسب ذیل طریقے پر محمد بن سوقه سے روایت کیے ہیں[6]:

« وحدثنا أبو بکر قال حدثنا أبو جعفر محمد بن عثمان ، قال حدثنا منجانب بن الحارث ، قال أخبرنا بشر بن عمارة عن محمد بن سوقة قال أتی علیاً رجل فقال یا امیر المؤمنین ما الإیمان أو قال کیف الإیمان فقال : الإیمان علی أربع دعائم ... ».

اس کے بعد راوی کا بیان ہے که یه سن کر لوگ کھڑے ہوگئے اور امیر المؤمنین کے سر کو بوسه دیا ، اس پر آپ نے فرمایا :

« احبب حبیبک هوناً ما عسی أن یکون بغیضک یوماً ما ... ».

امام ابو جعفر محمد الباقر

سلسلهٔ ائمه اثنا عشری کے پانچویں امام ہیں ، سواد اعظم میں آپ کا شمار اجلهٔ علماء میں ہے ، ابن خلکان آپ کے تذکرے میں لکھتے ہیں[7] :

---

۱ نہج ۱ : ۷۴
۲ بحار الانوار ۱۷ : ۸۱
۳ ابن سعد : طبقات ۶ : ۲۲۷
٤ نہج ۲ : ۷۸
۵ نہج ۲ : ۱۰۸
۶ امالی قالی ص ۸۳
۷ شذرات الذهب ۱ : ۱٤۹ ؛ وفیات الاعیان ۱ : ٦٤۲

« كان عالماً سيداً كبيراً و إنما قيل له الباقر لانه تبقر فى العلوم
أى توسع و التبقر التوسع و فيه يقول الشاعر :

يا باقر العلم لأهل التقىٰ و خير من لبى على الأجبل

روى عن ابى سعيد الخدرى و جابر و كان من فقهاء المدينة ، قال عبدالله بن عطاء ما رأيت العلماء عند أحد أصغر منهم علماً عنده وله كلام نافع فى الحكم والمواعظ » .

کلام امیر المؤمنین کے اهم راویوں میں هیں . « نهج » کے حسب ذیل خطبے اور کلام آپ سے مروی هیں :

۱ــ « انما بدء وقوع الفتن أهواء تتبع و أحكام تبتدع[۱] . . . » .

یه خطبه محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۸ ھ نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ آپ سے روایت کیا ھے :[۲]

محمد عن ابن فضال جميعاً عن عاصم بن حميد عن محمد بن مسلم عن ابى جعفر قال : خطب اميرالمؤمنين الناس فقال : يا أيها الناس إنما بدء وقوع الفتن أهواء تتبع و أحكام تبتدع .

۲ــ « لقد رأيت اصحاب محمد صلى الله عليه و آله فما أرى أحداً منكم يشبههم[۳] » .

یه کلام شیخ ابو جعفر طوسی نے اپنی « امالی » اور محمد بن یعقوب کلینی نے « اصول کافی » میں حسب ذیل اسناد کے ساتھ امام محمد باقر سے روایت کیا ھے[٤] :

و عنه قال حدثنا الشيخ المفيد ابو على الحسن بن محمد الطوسى قال حدثنا الشيخ الوالد رحمه الله قال أخبرنا محمد بن محمد قال أخبرنا ابوالقاسم جعفر بن محمد بن قولويه القمى رحمه الله قال حدثنى ابى قال حدثنا سعد بن عبدالله عن احمد بن محمد بن عيسى عن الحسن بن محبوب عن عبدالله بن سنان عن معروف بن خرّبوذ عن أبى جعفر محمد بن على الباقر عليه السلام .

---

۱ نهج ۱ : ٦٢
۲ اصول الكافى ص ۱۳
۳ نهج ۱ : ۱۱۳
٤ طوسى : امالى ص ٦٢ ؛ اصول كافى ص ۲۱۰

٣ـــ« إنّ أفضل ما توسل به المتوسلون إلى الله سبحانه الإيمان به و برسوله و الجهاد فى سبيله[1] » .

یہ پورا خطبہ شیخ أبو جعفر طوسی نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ آپ سے روایت کیا ہے[2] :

و بالإسناد قال أخبرنا محمد بن محمد قال أخبرنى أبوالحسن أحمد بن محمد بن الحسن عن أبيه عن محمد بن الحسن الصفار عن أحمد بن محمد بن عيسى عن الحسن بن محبوب عن على بن أبى حمزة الثمالى عن أبى جعفر محمد بن على بن الحسين عليهم السلام قال قال اميرالمؤمنين : إنّ أفضل ما يتوسل .

٤ـــ«ألا و انّ الظلم ثلاثة فظلم لا يغفر و ظلم لا يترک و ظلم مغفور لايطلب[3] » .

یہ کلام شیخ صدوق متوفی سنہ ٣٨١ھ نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ آپ سے روایت کیا ہے[4] :

حدثنا أبى قال حدثنا سعد بن عبدالله قال حدثنا أحمد بن أبى عبدالله البرقى عن أبيه عن هارون بن الجهم عن المفضل بن صالح عن سعد بن طريف عن أبى جعفر الباقر .

٥ـــ« أما بعد فقد جعل الله لى عليكم حقاً بولاية أمركم و لكم علىّ من الحق مثل الذى لى عليكم[5] » .

« نہج » کا یہ ایک طویل خطبہ ہے جو محمد بن یعقوب الکلینی متوفی ٣٢٨ھ نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ آپ سے روایت کیا ہے[6] :

عن على بن الحسين المؤدب عن أحمد بن محمد بن خالد و أحمد بن محمد عن على بن الحسن التيمى جميعاً عن اسمعيل بن مهران قال حدثنى عبدالله بن الحارث عن جابر عن أبى جعفر عليه‌السلام قال خطب اميرالمؤمنين عليه‌السلام بصفين فحمد الله و اثنىٰ عليه

١ نہج ١ : ١٨٦
٢ طوسی : امالی ص ١٣٥
٣ نہج ١ : ٢٩٦
٤ امالی مجلس ٤٤
٥ نہج ١ : ٢٣٨
٦ فروغ کافی کتاب الروضہ ٣ : ١٦٣

وصلی علی محمد النبی صلی الله علیه وآله ثم قال أما بعد ، فقد جعل الله تعالیٰ لی علیکم حقاً » .

٦ــ « الإیمان علیٰ أربع دعائم ، الصبر والیقین والعدل والجهاد[1] » .

یہ کلام بھی محمد بن یعقوب کلینی نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کیا ہے[2] :

علی بن ابراهیم عن أبیه و محمد بن یحیی عن أحمد بن محمد بن عیسی و عدة من أصحابنا عن أحمد بن محمد بن خالد جمیعاً عن الحسن بن محبوب عن یعقوب السراج عن جابر عن أبی جعفر قال سئل امیرالمؤمنین عن الإیمان فقال : إنّ الله عزّ و جلّ جعل الإیمان علی أربع دعائم .

٧ــ « من الوالد الفان المقرّ للزمان[3] » .

یہ پوری وصیت محمد بن یعقوب کلینی نے « کتاب الرسائل » میں اپنے اسناد کے ساتھ امام محمد باقر سے روایت کی ہے . علامہ مجلسی اس وصیت کے اسناد کے بارے میں لکھتے ہیں[4] :

و قد روی الشیخ المتفق علی ثقته و امانته محمد بن یعقوب الکلینی تغمده الله جلّ جلاله برحمته رسالة مولانا امیرالمؤمنین علیه السلام إلی جدک الحسن ولده سلام الله جلّ جلاله علیه و روی رسالة أُخریٰ مختصره عن مولانا علی علیه‌السلام إلی ولده محمد بن الحنفیة رضوان الله جلّ جلاله علیه و ذکر الرسالتین فی کتاب الرسائل و وجدنا نسخة عتیقة یوشک أن یکون کتابتهما فی زمن حیاة محمد بن یعقوب فذکر محمد بن یعقوب الکلینی فی کتاب الرسائل باسناده إلی جعفر بن عنبسة عن عباد بن زیاد الأسدی عن عمرو بن أبی المقدام عن أبی جعفر علیه السلام قال لما أقبل امیر المؤمنین من صفین کتب إلی ابنه الحسن ــ علیه و علی جده و أبیه و أمه و أخیه الصلوة والسلام ــ بسم الله الرحمن الرحیم ، من الوالد الفان ... »

---

١ نہج ٢ : ٧٨
٢ اصول کافی ص ١٦٧
٣ نہج ٢ : ٨١
٤ بحارالانوار ١٧ : ٥٧

٨ــ « إنّ الفقيه كل الفقيه من لم يقنط الناس من رحمة الله »[1] .

یہ کلام شیخ صدوق متوفی ۳۸۱ ھ نے حسب ذیل سلسلۂ سند کے ساتھ امام محمد باقر علیہ السلام سے اس طرح روایت کیا ہے[2] :

قال حدثنا محمد بن أبی القاسم عن محمد بن خالد عن بعض رجاله عن دلوٗد الرقی عن أبی حمزة الثمالی عن أبی جعفر قال قال امیرالمؤمنین ألا أخبرکم بالفقیه حقاً قالوا بلیٰ یا امیرالمؤمنین قال من لم یقنط الناس من رحمة الله ... الخ

٩ــ « کان فی الأرض امانان من عذاب الله و قد رفع أحدهما فدونکم الآخر فتمسکوا به أما الامان الذی رفع فهو رسول الله صلی الله علیه و آله وأما الامان الباقی فالإستغفار قال الله تعالی « وما کان الله لیعذبهم و أنت فیهم وما کان الله معذبهم وهم یستغفرون »[3].

اس کلام کی ابتدا میں جامع نے لکھا ہے : و حکی عنه أبو جعفر محمد بن علی الباقر علیهما السلام أنه قال : کان فی الأرض امانان ...

١٠ــ « أوصیکم بخمسٍ لو ضربتم إلیها آباط الإبل لکانت لذلک أهلا »[4] .

یہ کلام ابو جعفر البرقی متوفی ۲۷٤ھ نے حسب ذیل سلسلۂ سند کے ساتھ آپ سے روایت کیا ہے[5] :

عنه عن جعفر بن محمد عن ابن القداح عن أبی عبدالله عن أبیه قال قال امیرالمؤمنین لأصحابه ألا أخبرکم بخمسٍ ...

١١ــ « لا یقل عمل مع التقویٰ و کیف یقل ما یتقبل »[6] .

یہ کلام محمد بن یعقوب کلینی نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ آپ سے روایت کیا ہے[7] :

محمد بن یحیی عن أحمد بن محمد عن محمد بن سنان عن فضیل بن عثمان عن أبی عبیدة عن أبی جعفر قال کان امیرالمومنین ؑ یقول : لا یقل عمل مع التقویٰ .

---

١ نہج ١ : ٨٥ — ٢ معانی الاخبار ص ٨٤
٣ نہج ٢ : ٨٥ — ٤ نہج ٢ : ٨٥
٥ البرقی : کتاب المحاسن والآداب ورق ٤٠ ب (قلمی کتابخانۂ رامپور)
٦ نہج ٢ : ٨٦ — ٧ اصول کافی ١٧٣

١٢ـــ« نحن النمرقة الوسطىٰ بها يلحق التالى و إليها يرجع الغالى»[١].
يه كلام بهى مؤلف مذكور نے قدرے لفظى اختلاف كے ساتھ امام محمد باقر عليه السلام سے روايت كيا ہے ؛ اسناد حسب ذيل ہيں[٢] :
حميد بن زياد ، عن الحسن بن محمد بن سماعة عن بعض أصحابه عن أبان عن خالد عن أبى حعفر قال : يامعشر الشيعة شيعة آل محمد كونوا النمرقة الوسطىٰ يرجع إليكم الغالى و يلحق بكم التالى.
١٣ـــ« لأنسبنّ الإسلام نسبة لم ينسبها أحد قبلى الإسلام هو التسليم والتسليم هو اليقين »[٣] .
يه پورا كلام شيخ صدوق نے اپنى دونوں كتابوں ، « امالى » اور « معانى الأخبار» ميں حسب ذيل اسناد كے ساتھ آپ سے روايت كيا ہے[٤] :
حدثنا محمد بن على ماجيلويه عن عمه محمد بن أبى القاسم عن أحمد بن محمد بن خالد عن أبيه عن أحمد بن محمد بن يحيىٰ عن غياث بن ابراهيم عن الصادق جعفر بن محمد عن أبيه عن آبائه قال قال اميرالمؤمنين لأسبنّ الإسلام نسبة .
١٤ـــ« ولولا كراهية الغدر لكنت أدهى الناس »[٥] .
١٥ـــ« سل عن الرفيق قبل الطريق و عن الجار قبل الدار »[٦] .
١٦ـــ« لا مال أعود من العقل ... ولا وحدة أوحش من العجب ... ولا عقل كالتدبير ولا ميراث كالأدب ولا ورع كالوقوف عندالشبهة ولا علم كالتفكر ... ولا مظاهرة أوثق من المشاورة »[٧] .
١٧ـــ« مع كل جرعة شرق و فى كل اكلة غصص و لا ينال العبد نعمة إلا بفراق أُخرىٰ »[٨] .
١٨ـــ« و قد خاطر من استغنىٰ برأيه »[٩] .
١٩ـــ« أشرف الغنىٰ ترک المنىٰ »[١٠] .

---

١ نہج ٢ · ٨٨
٢ اصول كافى ١٧٣
٣ نہج ٢ : ٩٠
٤ شيخ صدوق : امالى مجلس٦ ؛ معانى الاخبار ص٧٠
٥ نہج ١ : ٢٢٩
٦ ايضاً ٢ : ٣٠
٧ ايضاً ٢ . ٨٩
٨ ايضاً ٢ : ٩٨
٩ ايضاً ٢ : ١٠٠
١٠ ايضاً ٢ : ١٠٠

۲۰ـــ« والمودة قرابة مستفادة »[۱] .

۲۱ـــ« من نال استطال »[۲] .

۲۲ـــ« فی تقلب الأحوال علم جواهر الرجال »[۳] .

۲۳ـــ« من استقبل وجوه الآراء عرف مواقع الخطاء »[۴] .

۲۴ـــ« منّ کساه الحیاء ثوبه لم یر الناس عیبه »[۵] .

۲۵ـــ« من نظر فی عیب نفسه اشتغل عن عیب غیره و من رضی برزق الله لم یحزن علیٰ ما فاته و من سلّ سیف البغی قتل به »[۶].

۲۶ـــ« لا شرف أعلیٰ من الإسلام ولاکرم أعز من التقوی ولا معقل أحسن من الورع ولا شفیع أنجح من التوبة و لا کنز أغنیٰ من القناعة ولا مال أذهب للفاقة من الرضا بالقوت و من اقتصر علی بلغة الکفاف فقد انتظم الراحة و تبوأ خفض الدعة مفتاح النصب و مطیة التعب والحرص والکبر والحسد دواع إلی التقحم فی الذنوب و الشر جامع لمساوی العیوب »[۷] .

۲۷ـــ« وکل نعیم دون الجنة محقور و کل بلاء دون النار عافیة »[۸] .

۲۸ـــ« المنیة ولا الدنیة ... و الدهر یومان یوم لک و یوم علیک فإذا کان لک فلا تبطر و إذا کان علیک فاصبر »[۹] .

مذکورہ بالا تمام اقوال و ارشادات محمد بن یعقوب کلینی نے امیرالمؤمنین کے ایک طویل خطبے کے ضمن میں امام محمد باقر علیہ السلام سے حسب ذیل طریقے پر روایت کیے ہیں[۱۰] :

خطبة لأمیرالمؤمنین وهی خطبة الوسیلة ، محمد بن علی بن معمر عن محمد بن علی بن عکایة التمیمی عن الحسین بن النظر الفهری عن أبی عمرو الأوزاعی عن عمرو بن شمر عن جابر بن یزید قال دخلت علیٰ أبی جعفر فقلت یابن رسول اللهؐ قد ارمضنی اختلاف الشیعة فی

---

۱ نہج ۲ : ۱۰۰
۲ ایضاً
۳ ایضاً
۴ ایضاً
۵ ایضاً ۲ : ۱۰۱
۶ ۲ : ۱۱۷
۷ ایضاً ۲ : ۱۲۰
۸ ایضاً ۲ : ۱۲۳
۹ ایضاً ۲ : ۱۲۳
۱۰ فروع کافی کتاب الروضہ ۲ : ۱۰

مذاهبها فقال : یا جابر الم أفقک علی معنی اختلافهم من أین اختلفوا و من أیّ جهةٍ تفرّقوا قلت بلیٰ یا بن رسول اللهؐ قال فلا تختلف إذا اختلفوا یا جابر انّ الجاحد لصاحب الزّمان کالجاحد لرسول الله صلی الله علیه و آله فی أیامه یا جابر اسمع و قلت إذا شئت قال اسمع و ع و بلغ حیث انتهت بک راحلتک انّ امیر المؤمنین خطب الناس بالمدینة بعد سبعة أیام من وفاة رسول اللهؐ و ذلک حین فرغ من جمع القرآن و تالیفهِ فقال : الحمد لله الذی منع الأوهام أن تنال و جوده ۰

اس مقام پر مؤلف نے امیرالمؤمنین کا یہ پورا خطبہ نقل کیا ہے جس میں متفرق طور پر «نہج» کے مذکورہ بالا تمام اقوال آگئے ہیں .

وہب بن منبہ

ابو عبدالله الیمانی الأخباری صاحب القصص ، دوسری صدی ہجری کا متبحر عالم اور محدث تھا ، یاقوت حموی اس کے تذکرہ میں لکھتا ہے[١] :

کان من خیار التابعین ثقةً صدوقاً کثیر النقل من الکتب القدیمة المعروفة بالاسرائیلیات قال ابن قتیبة : کان وهب بن منبه یقول : قرأت من کتب الله تعالیٰ اثنین و سبعین کتاباً صنف کتاب القدر ثم ندم علیٰ تصنیفه . . و لوهبٍ ایضاً کتاب الملوک المتوجه من حمیر و أخبارهم وغیر ذلک .

« شذرات » میں ہے : وہب نے صحابۂ رسول میں سے حضرت ابن عباس اور ابو ہریرہ سے احادیث کی روایت کی ہے ، عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے عہدۂ قضا پر مامور تھے[٢] .

« نہج » کے حسب ذیل کلمات ان سے مروی ہیں :

١ــ « ولا فقر کالجهل ، ولامیراث کالأدب ، ولا ظهیر کالمشاورة »[٣] .

٢ــ « لامال أعود من العقل ، ولا وحدة أوحش من العجب ... ولا قرین کحسن الخلق ولامیراث کالأدب ولاقائد کالتوفیق ولاتجارة کالعمل الصالح ... ولا مظاهرة أوثق من مشاورة »[٤] .

---

١ معجم الادباء ١٩ : ٢٥٩
٢ شذرات الذهب ١ : ١٥٠
٣ نہج ٢ : ٨٢
٤ ایضاً ٢ : ٨٩

یہ تمام کلمات شیخ أبو جعفر طوسی نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ وهب بن منبه کی کسی کتاب سے روایت کیے ہیں[1] .

و بالأسناد قال أخبرنا محمد بن محمد قال أخبرني أبوالقاسم إسمعيل بن محمد الكاتب قال أخبرني عبدالصمد بن على قال أخبرنا محمد بن هارون بن عيسى قال أخبرني أبو طلحة الخزاعي قال حدثنا عمر بن العباد قال حدثنا أبو تراب قال قرأت في كتاب الوهب بن منبه فإذا مكتوب في صدر الكتاب ، هذا ما وضعت الحكماء في كتبها .

اس کے بعد مذکورہ بالا تمام اقوال قدرے تغیر الفاظ کے ساتھ نقل ہیں .

٣ـ « (وقال ع) إنّ أولياء الله هم الذين نظروا إلى باطن الدنيا إذا نظر الناس إلى ظاهرها واشتغلوا بآجلها إذا اشتغل الناس بعاجلها فأماتوا منها ماخشوا أن يميتهم وتركوا منها ما علموا أنه سيتركهم و رأوا استكثار غيرهم منها استقلالاً »[2] .

یہ کلام حافظ ابونعیم اصفہانی نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ وہب بن منبہ سے بطور قول حضرت عیسیٰ روایت کیا ہے[3] .

حدثنا أبو بكر أحمد بن جعفر بن مالك ، حدثنا عبدالله بن أحمد بن حنبل حدثني أبي ، حدثني غوث بن جابر قال سمعت محمد بن داؤد يحدث عن أبيه عن وهب بن منبه قال قال الحواريون يا عيسىٰ من أولياء الله الذين لاخوف عليهم ولاهم يحزنون ، قال عيسىٰ : الذين نظروا إلى باطن الدنيا حين نظر الناس إلى ظاهرها .

عبدالله بن شريک العامری

امام زین‌العابدین اور امام محمد باقر علیہما السلام کے ذی اختصاص اصحاب اور تلامذہ میں تھے ، صاحب « منہج المقال » نے ان کو امام محمد باقر اور امام زین‌العابدین کے حواریین میں لکھا ہے[4] .

---

١ ابو جعفر طوسی : امالی ص ١١٤ ٢ نہج ٢ : ١٣٧

٣ حلیۃ الاولیا ١ : ١٠ ٤ منہج المقال ورق ٢٠٠ ب (مخطوطہ رامپور)

«نہج» کا حسب ذیل کلام ان سے مروی ہے:

«إنی أکره أن تکونوا سبابین و لکنکم لو وصفتم أعمالهم و ذکرتم حالهم کان أصوب فی القول وأبلغ فی العذر»[١].

یہ کلام نصر بن مزاحم کوفی متوفی ٢١٢ھ نے عبداللہ بن شریک سے حسب ذیل طریقہ پر نقل کیا ہے[٢]:

و رویٰ نصر عن عبدالله بن شریک قال خرج حجر بن علی و عمرو بن الحمق یظهران البراءة من أهل الشام فأرسل علی الیهما ان کفا عما یبلغنی عنکما، فأتیاه فقالا یا أمیرالمؤمنین! ألسنا محقین! قال بلیٰ! قالا أو لیسوا مبطلین قال بلیٰ قالا فلم منعتنا عن شتمهم قال کرهت لکم أن تکونوا لعانین شتامین تشتمون و تبرءون لکن لو وصفتم مساوی أعمالهم فقلتم من سیرتهم کذا و کذا کان أصوب فی القول و أبلغ فی العذر.

عکرمة بن خالد المخزومی

اجلۂ تابعین اور راویانِ حدیث میں ہیں، اُنھوں نے اپنے والد نیز حضرت أبوهریره، عبدالله بن عباس، ابن عمرو، أبو الطفیل، مالک بن اوس بن الحدثان، سعید بن جبیر، جعفر بن المطلب وغیر هم سے احادیث کی روایت کی ہے نیز ان سے ایوب، ابن جریح، عبدالله بن طاؤس، عبد الله بن عطاء مکی، حنظله بن أبی سفیان، عباد بن منصور، قتاده، ابن اسحق، عطاء بن عجلان اور دیگر تابعین نے احادیث کی ہے. ابو زرعه، نسائی اور ابن حبان نے ان کا شمار ثقات میں کیا ہے، بخاری نے بھی ان کی توثیق کی ہے[٣].

«نہج» کا ایک مشہور کلام «أوصیکم بخمس.[٤]» دیگر رواة کے علاوہ آپ سے بھی مروی ہے چنانچہ حافظ ابونعیم اصفہانی نے ان ھی کی سند سے اپنی کتاب «حلیة الأولیا» میں نقل کیا ہے، اسناد حسب ذیل ہیں[٥].

---

١ نہج ١. ٢٣١

٢ تهذیب التهذیب: ٧: ٢٥٩

٥ حلیة الاولیا ١: ٧٥

٦ بحارالانوار ٨: ٤٧٥

٤ نہج ٢: ٨٥

حدثنا سلیمان بن أحمد ، ثنا إسحق بن ابراهیم ، أخبرنا عبدالرزاق، أخبرنا معمر، عن ابن طاؤس عکرمة بن خالد قال قال علی بن ابی طالب.
وثنا عبدالله بن محمد ، قال ثنا عبدالله بن محمد بن سوار ، ثنا عون بن سلام ثنا عیسیٰ بن مسلم الطهوی ، عن ثابت بن أبی صفیة (ابوحمزة الثمالی) عن أبی الرغل ، قال قال علی بن أبی طالب:
« إحفظوا عنی خمساً فلو رکبتم الإبل فی طلبهن لانضیتموهن قبل أن تدرکوهن لایرجو عبد إلا ربه ولا یخاف إلا ذنبه ولا یستحیی عالم إذا سئل عما لا یعلم أن یقول الله أعلم ، و الصبر من الایمان بمنزلة الجسد ولا إیمان لمن لا صبر له .

عاصم بن بهدله

مولی بنی جذیمه بن ملک ، کنیت أبوبکر بن أبی النجود ہے ۔ کوفیین کے طبقۂ ثالثه میں یحیی بن وثاب کے بعد اُن کا شمار ہوتا ہے ۔ عاصم نے ابوعبدالرحمن السلمی اور زر بن حبیش سے پڑھا ہے[1] .

آپ سے امیرالمؤمنین کا وہ مشہور خط مروی ہے جو آپ نے قاضی شریح کو لکھا ہے جس کی ابتدا اس طرح ہے[2] :

« یا شریح اما أنه سیأتیک من لاینظر فی کتابک و لا یسئلک عن بینتک حتی یخرجک منها شاخصاً . . » .

یہ پورا خط شیخ صدوق نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ عاصم سے روایت کیا ہے[3] :

عن صالح بن عیسی العجلی عن محمد بن محمد بن علی عن محمد بن الفرج عن عبدالله بن محمد العجلی عن عبدالعظیم الحسنی عن أبان مولی زید بن علی عن عاصم بن بهدلة قال قال لی شریح القاضی اشتریت داراً بثمانین دیناراً و کتبت کتاباً و اشهدت عدولاً فبلغ ذلک امیرالمؤمنین علی بن أبی طالب علیه السلام فبعث إلیّ مولاه قنبراً فأتیته فلما ان دخلت . . .

---

۱ ابن ندیم : فہرست ص ۴۳ — ۲ نہج ۲ : ۳
۳ شیخ صدوق : امالی مجلس ۵۱

ابوشبل العلاء بن عبدالرحمن

دوسری صدی کے راویان اخبار میں ھیں ، انھوں نے اپنے والد عبدالرحمن ، یعقوب مدنی اور انس نیز ایک جماعت سے احادیث کی روایت کی ھے . أبو حاتم کا قول ھے کہ ابوشبل کے مرویات میں کوئی چیز منکر نہیں پائی جاتی[1] . ذہبی ان کے تذکرے میں لکھتے ھیں[2] :

صدوق مشہور ، یروی عن أبیه و عن أنس و عنه مالک و الناس ، قال أحمد ثقة لم أسمع من یذکره بسوءٍ و قال النسائی وغیره لیس به بأس .

امیر المؤمنین کا کلام « بنی الإسلام علی أربعة أرکان »[3] دیگر تابعین کے علاوہ آپ سے بھی مروی ھے جیسا کہ خلاس بن عمرو الهجری کے ذکر میں گذر چکا ھے .

عمرو بن قیس السکونی الکندی

سواد اعظم کے مشہور راویان حدیث میں ھیں ، اُنہوں نے عبداللہ بن عمرو العاص اور کبار صحابہ سے احادیث کو سنا ھے اسمعیل بن عیاش کا قول ھے کہ عمرو بن قیس نے ٧٠ صحابۂ رسول کا اِدراک کیا ھے[4] . أبو حاتم اور ابن عقدہ نے ان کو ثقہ کہا ھے[5] . آپ سے روایت کرنے والوں میں عمرو بن امیة الترخمی کا نام ملتا ھے[6] . عمرو بن قیس، عبدالملک بن مروان کے امراے دولت اور اهل حمص کے سردار اور رؤساے قبیلہ میں تھے ، ١٤٠ ھ میں ان کی وفات ھوئی[7] .

دوسری صدی کے راویان خطب کی فہرست میں ان کا نام بھی ھے چنانچہ « نہج » کے حسب ذیل تین کلام آپ کی روایت سے ملتے ھیں .

١ ــ « أوصیکم بخمسٍ لوضرتبم إلیها آباط الإبل لکانت لذلک أهلا »[8] .

یہ کلام ابن قتیبہ دینوری متوفی ٢٧٦ ھ نے حسب ذیل سند کے

١ شذرات الذهب ١ : ٢٠٧ — ٢ میزان الاعتدال ٢ : ١٩١
٣ نہج ٢ · ٨٧ — ٤ شذرات الذهب ١ : ٢٠٩
٥ لسان المیزان ٤ : ٣٧٤ — ٦ تہذیب التهذیب ٨ : ٩٢
٧ شذرات ١ : ٢٠٩ — ٨ نہج ٢ : ٨٥

ساتھ روایت کیا ھے جس میں عمرو بن قیس کا نام راوی دوم کی حیثیت سے ھے[1].

وروی أبو خالد بن الأحمر عن عمرو بن قیس عن أبی اسحق قال قال علی علیه السلام : لو رحلتم المطیء فیهنّ لا تصیبوهنّ قبل أن تحرکوهنّ .

۲ — « (ورءی علیه إزار خلق مرقوع فقیل له فی ذلک فقال) یخشع له القلوبَ وَ تذل به النفس »[۲] .

یه کلام حافظ أبو نعیم اصفهانی نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ عمرو بن قیس سے روایت کیا ھے[۳]:

حدثنا أحمد بن جعفر بن حمدان ، ثنا عبد الله بن أحمد بن حنبل، حدثنی أبو عبدالله السلمی ، ثنا ابراهیم بن عیینة ، عن سفیان الثوری عن عمرو بن قیس قال قیل لعلی یا أمیر المؤمنین لم ترقع قمیصک ؟ قال : یخشع القلب و یقتدی به المؤمن .

۳ —« أما بعد فانّ الجهاد باب من أبواب الجنة فتحه الله بخاصة أولیائه وهو لباس التقوی و درع الله الحصینة و جنة الوثیقه »[٤] .

یه پورا خطبه أبوالفرج اصفهانی نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ عمرو بن قیس سے روایت کیا ھے[٥] :

فحدثنی العباس بن علی بن العباس النسأی ، قال حدثنا محمد بن حسان الأزرق ، قال حدثنا شبابة بن سوار قال حدثنا قیس بن الربیع عن عمرو بن قیس عن أبی صادقة قال : أغارت خیل لمعاویة علی الأنبار فقتلوا عاملاً لعلی رض یقال له حسان بن حسان و قتلوا رجالاً کثیراً و نساء فبلغ ذلک علی بن ابی طالب فخرج حتیٰ أتی المنبر فرقبه فحمد الله واثنیٰ علیه و صلی علی النبی ثم قال : إنّ الجهاد باب من أبواب الجنة .

---

۱ عیون الاخبار ۲ : ۱۱۹
۲ نہج ۲ : ۸۷
۳ حلیة الأولیا ۱ : ۸۳
٤ نہج ۱ : ٤٤
٥ الأغانی ۱۵ : ٤۳

عبدالله بن الحسن بن الحسن

آپ نے اپنی والدۂ ماجدہ فاطمہ بنت الحسین نیز أبوبکر بن حزم، اعرج، عکرمہ، ابراهیم بن محمد بن طلحہ وغیرہ سے احادیث کی روایت کی ہے. اُن کے تلامذہ میں لیث بن أبی سلیم، سفیان ثوری، عبدالرحمان بن أبی الموالی، ابن علیہ کے نام قابل ذکر ہیں. أبو محمد کا قول ہے: عبدالله بن حسن نے اپنے باپ اور دادا سے روایت حدیث کی ہے. مغیرہ جب بھی کوئی حدیث عبدالله سے بیان کرتے تھے تو کہا کرتے تھے یہ روایت سچی ہے[1]. ان کی وفات ۱٤۸ھ سے قبل امام جعفر صادقؑ کی زندگی میں ہوئی تھی[2].

آپ سے امیرالمؤمنین کا وہ مشہور عہد مروی ہے جو حضرت نے محمد بن أبی بکر کو مصر کا والی بناتے وقت تحریر فرمایا ہے جو اس طرح شروع ہوتا ہے[3]: «فاخفض لهم جناحك وألن جانبك».

یہ پورا عہد ایک طویل صورت میں ابراهیم بن محمد الثقفی متوفی ۲۸۳ھ نے «کتاب الغارات» میں حسب ذیل اسناد کے ساتھ عبدالله بن حسن بن حسن سے روایت کیا ہے[4]:

قال ابراهیم و حدثنی یحیٰ بن صالح، عن مالک بن خالد الأسدی عن الحسن بن ابراهیم عن عبدالله بن الحسن بن الحسن ...

عبدالله بن عوف بن الأحمر

امیرالمؤمنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے اصحاب میں شمار ہے، عبدالله المرزبانی متوفی ۳۸٤ھ نے لکھا ہے کہ عبدالله بن عوف، امیرالمؤمنین کے ہمراہ جنگ صفین میں موجود تھے. اسی کے ساتھ ان کا ایک مرثیہ امام حسین کی موت پر نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ مرثیہ بنی امیہ کے زمانۂ حکومت تک پوشیدہ رہا، اسکے بعد اس کی اشاعت ہوئی[5].

---

۱ ابن ابی حاتم رازی: کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ قسم ۲

۲ رجال کشی ص ۱۳۹ — ۳ نہج ۲ : ۱٦

٤ شرح ابن ابی الحدید ۱ . ۲۸۹ — ٥ المرزبانی: معجم الشعراء ص ٤۷

« نہج » کا حسب ذیل کلام اُن سے مروی ہے[1] .

«أ تزعم انک تہدی إلی الساعة التی من سار فیہا صرف عنہ السوء»

یہ کلام شیخ صدوق متوفی ۳۸۱ھ نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ عبداللہ بن عوف سے روایت کیا ہے[2] :

حدثنا محمد بن علی ماجیلویہ قال حدثنی عمی محمد بن أبی القاسم عن محمد بن علی القرشی عن نصر بن مزاحم عن عمر بن سعد عن یوسف بن زید عن عبداللہ بن عوف بن الأحمر ، قال لما أراد امیر المؤمنین المسیر إلی النہروان أتاہ منجم فقال لہ یا أمیرالمؤمنین لا تسر فی ہذہ الساعة و سر فی ثلاث ساعات یمضین من النہار فقال امیر المؤمنین لم ذاک قال لأنک إن سرت فی ہذہ الساعة أصابک و أصاب اصحابک أذی و ضر شدید و إن سرت فی الساعة التی أمرتک ظفرت و ظہرت و أصبت کلما طلبت ، فقال لہ امیرالمؤمنین . » .

امام جعفر بن محمد الصادق

سلسلۂ ائمۂ اثنا عشری کے چھٹے فرد ہیں. سواد اعظم میں آپ کا شمار کبار تابعین میں ہے ، ابن خلکان آپ کے تذکرے میں لکھتے ہیں[3]:

کان من سادات أهل البیت و لقب بالصادق لصدقہ فی مقالتہ و فضلہ ، أشہر من أن یذکر و لہ کلام فی صنعة الکیمیاء والزجر و الفال و کان تلمیذہ أبو موسیٰ جابر بن حیان الصوفی الطرطوسی قد ألف کتاباً یشتمل علی ألف ورقة تتضمن رسائل جعفر الصادق وهی خمسمائة رسالة .

راویان کلام امیرالمؤمنین علیہ السلام میں آپ کا درجہ سب سے زیادہ بلند ہے ، چنانچہ « نہج » کے متعدد خطبے اور کلام آپ کی روایت سے مختلف کتابوں میں ملتے ہیں ملاحظ ہوں[4] :

۱ــ « ذمتی بما أقول رهینة و أنا بہ زعیم انّ من صرحت لہ العبر عما بین یدیہ من المثلات حجزتہ التقوی عن تقحم الشبہات. . . »

---

۱ نہج ۱ : ۷۹ — ۲ شیخ صدوق : امالی مجلس ٦٤

۳ ابن خلکان : وفیات الأعیان ۱ : ۱٤٦ — ٤ نہج ۱ : ۳۲

یہ پورا خطبہ ابتدا اور درمیان میں قدرے اضافے کے ساتھ محمد بن یعقوب کلینی نے اپنی مشہور کتاب «فروع کافی» میں حسب ذیل اسناد کے ساتھ آپ سے روایت کیا ہے[1]:

« علی بن ابراهیم ، عن أبیه عن ابن محبوب عن علی بن ریاب و یعقوب السراج عن أبی عبد الله علیه السلام ، انّ امیر المؤمنین لما بویع بعد قتل عثمان صعد المنبر فقال . . . »

٢ــ « إنّ أبغض الخلائق إلی الله رجلان رجل وکله الله إلی نفسه فهو جائر عن قصدالسبیل مشغوف بکلام بدعة »[2].

یہ خطبہ بھی مؤلف مذکور نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ آپ سے روایت کیا ہے[3]:

محمد بن یحیی ، عن بعض أصحابه و علی بن ابراهیم ، عن هارون بن مسلم ، عن مسعدة بن صدقة عن أبی عبدالله و علی بن ابراهیم عن أبیه عن ابن محبوب رفعه عن امیرالمؤمنین انه قال : انّ من أبغض الخلائق إلی الله . . . »

٣ــ «أما بعد : فانّ الله لم یقصم جباری دهر قط إلا بعد تمهیل ورخاء و لم یجبر عظم أحد من الأمم بعد ازل وبلاء »[4].

یہ خطبہ شیخ مفید نے مرفوعاً[5] اور کلینی نے اپنی پوری اسناد کے ساتھ امام جعفر صادق سے حسب ذیل طریقے پر روایت کیا ہے[6]:

أحمد بن محمد الکوفی عن جعفر بن عبدالله المحمدی و عن أبی روح فرج بن قرة عن جعفر بن عبدالله عن مسعدة بن صدقة عن أبی عبدالله قال : خطب امیرالمؤمنین بالمدینة أما بعد فانّ الله تعالیٰ لم یقصم جباری دهر قط » .

« کافی » کے دیکھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک طویل خطبہ ہے جس کا صرف ابتدائی حصہ جامع « نہج البلاغہ » نے اپنے انتخاب میں لیا ہے .

٤ــ « أرسله علی حین فترة من الرسل و طول هجعة من الأمم »[7].

---

١ فروع کافی کتاب الروضه ٣ : ٣٢
٢ نہج ١ : ٣٤
٣ اصول کافی ص ١٣
٤ نہج ١ : ٩٥
٥ شیخ مفید : الإرشاد ص ١٦٨
٦ فروغ کافی کتاب الروضة ٣ : ٣٠
٧ نہج ١ : ٩٦

یہ خطبہ محمد بن یعقوب الکلینی نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ آپ سے روایت کیا ہے[1] :

محمد بن یحییٰ عن بعض أصحابه عن هارون بن مسلم عن مسعدة بن صدقة عن أبی عبدالله قال، قال امیر المؤمنین علیه السلام : أیها الناس إنّ الله تبارک و تعالیٰ أرسل الیکم الرسول و أنزل إلیه الکتاب بالحق و انتم أمیون عن الکتاب و من أنزله و عن رسول و من أرسله، علیٰ حین فترة الرسل و طول هجعة من الأمم . . .»

۵ــخطبة الاشباح، جس کا آغاز اس طرح ہے :

«الحمد لله الذی لا یفره المنع و الجمود ولا یکدیه الاعطاء و الجود»[2].

«نہج» کا یہ ایک طویل خطبہ ہے جس کی ابتدا میں جامع نے لکھا ہے کہ یہ خطبہ امیر المؤمنین کے جلائل خطب میں ہے جو آپ نے ایک سائل کے اِس سوال پر ارشاد فرمایا تھا، اے امیرالمؤمنین! آپ الله کی صفت اس طرح بیان فرمائیں جس سے میں اس کو گویا ظاہر بظاہر دیکھ لوں، امیرالمؤمنین یہ سن کر غضبب ناک ہوئے اور یہ خطبہ ارشاد فرمایا، چنانچہ تاریخ و ادب کی متعدد کتابوں میں یہ خطبہ اسی شان نزول کے ساتھ ملتا ہے . شیخ صدوق متوفی ۳۸۱ ھ نے اس کو حسب ذیل اسناد کے ساتھ امام جعفر صادق سے روایت کیا ہے[3] :

حدثنا علی بن أحمد بن عمران الدقاق رح قال حدثنا محمد بن أبی عبدالله الکوفی، قال حدثنا محمد بن اسمعیل البر مکی قال حدثنی علی بن العباس، قال حدثنی اسمعیل بن مهران الکوفی، عن اسمعیل بن اسحق الجهنی عن فرح بن فروة عن مسعدة بن صدقة، قال سمعت ابا عبدالله علیه السلام یقول: بینا امیرالمؤمنین یخطب علی المنبر بالکوفة إذ قام إلیهِ رجل، فقال یا امیرالمؤمنین صف لنا ربک تبارک و تعالیٰ لنزداد لهحباً و بهِ معرفة، فغضب

---

۱ اصول کافی ص ۱۵
۲ نہج : ۱ : ۹۸
۳ کتاب التوحید ص ۳٦

امیرالمؤمنین علیه السلام و نادیٰ «الصلوة جامعة» فاجتمع الناس حتی غصّ المسجد بأمله ثم قام فتغیر اللون فقال: الحمد لله الذی لا یفره المنع ولا یکدیه الاعطاء . . »

٦ــ«وذٰلک زمن لا ینجو فیه إلا کل مؤمن نوّمة إن شهد لم یعرف و إن غاب لم یفتقد»[۱].

یه کلام قدرے لفظی اختلاف کے ساتھ محمد بن یعقوب کاینی نے حسب ذیل إسناد کے ساتھ آپ سے روایت کیا ہے[۲]:

«علی بن ابراهیم، عن محمد بن عیسیٰ عن یونس، عن أبی الحسن الاصبهانی، عن أبی عبد الله قال قال امیرالمؤمنین: طوبیٰ لکل عبد نوّمة لا یؤبه له یعرف الناس ولا یعرفه الناس، یعرفه الله منه برضوان ... »

٧ــامیرالمؤمنین کا کلام رویت باری میں جو ذعلب یمانی سے واقع ہوا تھا:

لا تدرکه العیون بمشاهدة العیان و لکن تدرکه القلوب بحقایق الایمان . . . »[۳].

یه کلام محمد بن یعقوب کاینی نے مرفوعاً اور شیخ صدوق نے اپنی پوری اسناد کے ساتھ آپ سے روایت کیا ہے[٤]:

ابی رح قال حدثنا سعد بن عبد الله، قال حدثنا أحمد بن محمد بن عیسیٰ، عن احمد بن محمد بن أبی نصر عن أبی الحسن الموصلی عن أبی عبد الله قال: جاء حبر إلیٰ امیر المؤمنین علیه السلام فقال، یا امیرالمؤمنین هل رأیت ربک حین عبدته فقال ویلک ماکنت أعبد ربّاً لم أره، قال و کیف رأیته قال: ویلک لا تدرکه العیون فی مشاهدة الأبصار و لکن رأیته القلوب بحقائق الإیمان . . .

٨ ـ إنّ أمرنا صعب مستصعب لا یحمله إلا عبد مؤمن امتحن الله قلبه للإیمان»[٥].

---

۱ نہج ۱ : ۱۱۸ ۲ اصول کافی ص ۲۰۸ ۳ نہج ۱ : ۱۸۸
٤ اصول کافی ص ۳۲ ؛ کتاب التوحید ص ۹۷ ٥ نہج ۱ : ۲۰۳

یہ کلام شیخ صدوق نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ امام جعفر صادق سے روایت کیا ہے[۱]:

حدثنا علی بن الحسین بن شقیر بن یعقوب بن الحرث بن ابراهیم الهمدانی فی منزله بالکوفة، قال حدثنا أبو عبد الله جعفر بن حمد بن یوسف الأزدی، قال حدثنا علی بن برزج الخیاط، قال حدثنا عمرو بن الیسع عن شعیب الحداد، قال سمعت الصادق جعفر بن محمد علیه السلام یقول: انّ حدیثنا صعب مستصعب لا یحتمله إلا ملک مقرب أو نبی مرسل أو عبد امتحن الله قلبه للإیمان او مدینة حصینة.

ابن ابی الحدید، امیرالمؤمنین کے اس قول کے بارے میں لکھتا ہے[۲]:

وهذه الکلمة قد قالها مراراً و وقعت له فی بعض الکتب علی خطبه

۹ــ امیرالمؤمنین کا کلام صفات متقین میں جو ہمام کی استدعا پر آپ نے ارشاد فرمایا تھا اور جو اس طرح شروع ہوتا ہے:

أما بعد، فانّ الله سبحانه، خلق الخلق حین خلقهم غنیاً عن طاعتهم[۳]»

۱۰ــ« المؤمن بشره فی وجهه و حزنه فی قلبه[٤] ...».

یہ دونوں کلام ایک ہی روایت کے سلسلے میں محمد بن یعقوب کلینی نے قدرے تغیّر اور اضافات کے ساتھ حسب ذیل طریقے پر آپ سے روایت کیے ہیں[۵]:

محمد بن جعفر، عن محمد بن اسمعیل، عن عبدالله بن داهر عن الحسن بن یحیی، عن قثم أبی قتادة الحرانی، عن أبی عبدالله قال، قام رجل یقال له همام و کان عابداً ناسکاً مجتهداً إلیٰ امیرالمؤمنین وهو یخطب، فقال یا امیرالمؤمنین صف لنا صفة المؤمن کأننا ننظر الیه فقال یا همام ...»

اس مقام پر مؤلف نے ایک طویل خطبہ نقل کیا ہے جس میں «نہج» کے مذکورہ دونوں کلام قدرے لفظی فرق کے ساتھ نقل ہیں.

۱ شیخ صدوق: امالی مجلس ۱ ۲ ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغۃ ۲: ۱۱۶
۳ نہج ۱: ۲۱۹ ٤ نہج ۲: ۱۱۵ ۵ اصول کافی ص ۲۰۸

لا یقل عمل مع التقوىٰ وکیف یقل ما یتقبل »[1].

۱۱ـــ « یہ کلام شیخ ابو جعفر طوسی نے امام جعفر صادق علیہ‌السلام کی روایت سے نقل کیا ہے[2] :

۱۲ـــ « مثل الدنیا کمثل الحیة لین مسہا والسم الناقع فی جوفہا »[3].

یہ کلام محمد بن یعقوب کلینی نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ آپ سے روایت کیا ہے[4] :

علی بن ابراهیم ، عن أبیه ، عن عبدالله بن المغیرة ، عن غیاث بن ابراهیم ، عن أبی عبدالله قال انّ فی کتاب علی: انما مثل الدنیا کمثل الحیة ما ألین مسہا و فی جوفہا السم الناقع .

۱۳ـــ « کم من مستدرج بالإحسان إلیه و مغرور بالستر علیه و مفتون بحسن القول فیه و ما ابتلی الله أحداً بمثل الاملاء له »[5]

یہ خطبہ بھی شیخ أبو جعفر طوسی نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ آپ سے روایت کیا ہے[6] :

الحسین بن عبدالله عن أبی هارون موسی التلعکبری ، قال حدثنا أبو العباس بن عقدة ، قال حدثنا الحسن بن علی بن ابراهیم العلوی قال حدثنا الحسین س علی الحراء وهو ابن بنت ألیاس ، قال حدثنا ثعلبة بن میمون عن أبی عبدالله قال ، کان امیرالمؤمنین یقول : کم من مستدرح بالاحسان إلیه » .

۱٤ـــ « طوبىٰ لمن دل فی نفسه وطاب کسبه و صلحت سریرته وحسنت خلیقته وانفق الفضل من ماله و امسک الفضل من لسانه و عزل عن الناس شره و وسعته السنة ولم یسب الی البدعة »[7].

یہ کلام محمد بن یعقوب کلینی نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ آپ سے روایت کیا ہے[8]:

عدة من أصحابنا عن أحمد بن محمد بن خالد ، عن اسمعیل بن

---

۱ نہج ۲ : ۸٦

۲ امالی ص ۳۸

۳ نہج ۲ . ۸۹

٤ اصول کافی ص ۱۸۷

٥ نہج ۲ . ۸۹

٦ امالی ص ۲۸۳

۷ نہج ۲ : ۹۰

۸ اصول کافی ص۱۸۷

مهران عن منذر بن جيفر عن آدم أبی الحسن اللؤلوی عن أبی عبدالله ... »

١٥ــ« يا أهل الديار الموحشة والمحال المقفرة والقبور المظلمة ، يا أهل التربة ، يا أهل الغربة[١] » .

یہ کلام شیخ ابو جعفر طوسی نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ آپ سے روایت کیا ہے[٢] :

و عنه عن شيخه ، قال حدثنا أبو عبدالله محمد بن محمد ، قال حدثنا أبوالطيب الحسين بن علی التمار ، قال حدثنا علی بن ماهان ، قال حدثنا عمی ، قال حدثنا صهيب عن ابن عباد بن صهيب عن جعفر بن محمد ، قال مر امیرالمؤمنين بالمقبرة ويروی بالمقابر فسلم ثم قال : السلام عليكم يا أهل المقبرة ... »

١٦ــ« الصلوٰة قربان كل تقی ، و الحج جهاد كل ضعيف و لكل شیء زكاة و زكاة البدن الصيام »[٣] .

١٧ــ« استنزلوا الرزق بالصدقة »[٤] .

١٨ــ«تنزل المعونة علی قدر المؤونة»[٥] .

١٩ــ« ما عال من اقتصد[٦] » .

٢٠ــ« قلة العيال أحد اليسارين»[٧] .

٢١ــ« ينزل الصبر علی قدر المصيبة و من ضرب يده علی فخذه عند مصيبته حبط عمله»[٨] .

٢٢ــ« سوسوا إيمانكم بالصدقة و حصنوا أموالكم بالزكاة»[٩] .

٢٣ــ« الداعی بلا عمل كا لرامی بلا وتر»[١٠] .

مذکورہ بالا تمام کلمات حافظ ابو نعیم اصفہانی نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السلام کے قول کی حیثیت سے روایت کیے ہیں[١١] :

و حدثنا سليمان بن احمد ، ثنا أحمد زيد بن الجريش ، ثنا عباس

---

١ نہج ٢ : ٩١ ٢ امالی ص ٣٥ ٣ نہج ٢ : ٩٢ ٤ ایضاً
٥ ایضاً ٦ نہج ٢ : ٩٣ ٧ ایضاً ٨ ایضاً
٩ ایضاً ١٠ نہج ٢ : ١١٦ ١١ حلیة الاولیا ٣ : ١٩٤

بن الفرج الرباشی ، ثنا الأصمعی قال قال جعفر بن محمد
الصلوٰة قربان کل تقی والحج جهاد کل ضعیف .

۲۴ــ« من وضع نفسه مواضع التهمة فلا یلومنّ من أساء به الظن»[1] .

۲۵ــ« من کتم سرّه کانت الخیرة بیده»[2] .

یه دونوں کلام محمد بن یعقوب کلینی نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ آپ سے روایت کیے ھیں[3] :

علی بن ابراهیم عن أبیه ، عن النوفلی ، عن السکونی عن أبی عبدالله ... قال قال أمیرالمؤمنین من عرض نفسه للتهمة فلا یلومنّ من أساء به الظنّ و من کتم سرّه کانت الخیرة فی یده .

۲۶ــ« من سلّ سیف البغی قتل به ... و من دخل مداخل السوء اتهم»[4] .

یه کلام بھی حافظ ابو نعیم اصفهانی نے اپنی اسناد کے ساتھ حسب ذیل طریقے پر آپ سے روایت کیا ھے[5] :

«حدثنا أحمد بن محمد بن مقسم ، حدثنی أبو الحسین علی بن الحسن الکاتب، حدثنی أبی، حدثنی الهیثم، حدثنی بعض أصحاب جعفر بن محمد الصادق قال دخلت علی جعفر و موسیٰ بین یدیه و هو یوصیه بهذه الوصیة ، فکان مما حفظت منها أن قال یا بُنیّ اقبل وصیتی » .

اس مقام پر مؤلف نے ایک طویل وصیت نقل کی ھے جس کے ضمن میں « نہج » کے مذکورہ بالا اقوال بھی مندرج ھیں .

۲۷ــ« لا تظنن بکلمةٍ خرجت من أحدٍ سوء وأنت تجد لها فی الخیر محتملاً »[6]

یه کلام محمد بن یعقوب کلینی نے حسب ذیل طریقے پر آپ سے روایت کیا ھے[7] :

عنه عن أبیه عمن حدثه عن الحسین بن المختار عن أبی عبد الله قال قال أمیر المؤمنین فی کلامه له : ضع أمر أخیک علی أحسنه حتی یأتیک ما یغلبک منه ولا تظنن بکلمة خرجت من أخیک سوءً وأنت تجد لها فی الخیر محتملاً .

---

۱ نہج ۲ : ۱۶۹ ۲ ایضاً ۳ فروع کافی کتاب الروضه ۳ : ۷۴ ۴ نہج ۲: ۱۱۷
۵ حلیة الاولیا ۶ نہج ۲ : ۱۱۸ ۷ اصول کافی ص ۳۶۲

۲۸ــ« الإیمان أن تؤثر الصدق حیث یضرک علی الکذب حیث ینفعک و أن لا یکون فی حدیثک فضل عن عملک و أن تتقی الله فی حدیث غیرک»[۱].

یہ کلام احمد بن محمد بن خالد البرقی متوفی ۲۷٤ ھ نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کیا ہے[۲]:

و عنه عن أحمد عن علی بن حسان عمن حدثه عن زرارة عن أبی عبدالله، قال: انّ من حقیقة الإیمان أن تؤثروا الحق و ان ضرک علی الباطل و ان نفعک و ان لایجوز منطقک علمک».

۲۹ــ« الحمد لله الدال علی وجوده بخلقه و بمحدث خلقه علی ازلیته[۳] ... ».

اس خطبے کا پہلا پیراگراف محمد بن یعقوب کلینی نے قدرے لفظی اختلاف کے ساتھ آپ سے روایت کیا ہے، اسناد حسب ذیل ہیں[٤]:

علی بن محمد عن سہل بن زیاد عن شباب الصیرفی و اسمه محمد بن الولید، عن علی بن سیف بن عمیرة قال حدثنی اسمعیل بن قتیبة قال دخلت أنا و عیسی شلقان علی أبی عبد الله فابتدأنا فقال عجباً لأقوام یدعون علی امیرالمؤمنین مالم یتکلم به قط خطب امیرالمؤمنین بالکوفة فقال ... »

جابر الأسدی

امام جعفر صادق کے اصحاب میں شمار ہے، انہوں نے براہ راست آپ سے حدیث کی روایت کی ہے. علی بن حکم نے ان کو صدوق اور اور متشدد فی الروایت کہا ہے. مؤلف «لسان المیزان» لکھتے ہیں: جابر نے اپنی احادیث کو ایک کتاب کی صورت میں جمع کیا تھا اور اسی سے وہ بیان کیا کرتے تھے[٥].

« نہج » کا حسب ذیل ایک خطبہ اور ایک کلام ان سے مروی ہے:

۱ــ« الحمد لله الذی شرع الإسلام فسہل شرائعه لمن ورده و أعز أرکانه علی من غالبه فجعله أمناً لمن علقه و سلماً لمن دخله»[٦].

۱ نہج ۲: ۱۲۹ ۲ کتاب المحاسن ورق ۷۸ الف رقلمی کتابخانۂ رام پور)

۳ نہج ۱:۱۵۷ ٤ اصول کافی ص۳۲ ٥ لسان المیزان ۲، ۸۷ ٦ نہج ۱: ۱۲۱

۲ــ« الإيمان على أربع دعائم »[1].

یه دونوں کلام شیخ الطائفه نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ جابر سے روایت کیے[2]:

و عنه عن شيخه قال محمد بن محمد بن النعمان، قال أخبرنا أبو عبد الله محمد بن عمران المرزبانی قال حدثنی أحمد بن سليمان الطوسی عن الزبير بن بكار، قال حدثنی عبد الله بن وهب عن السدی عن عبدالحسين عن جابر الأسدی قال قام رجل إلى علی بن أبی طالب عليه السلام فسأله عن الايمان فقال: الحمد لله الذی شرع الإسلام ... الإيمان على أربع دعائم ... ».

حفص بن البختری

کوفه کے رهنے والے تھے. اُنهوں نے امام جعفر صادق اور امام رضا علیهما السلام سے احادیث کی روایت کی هے. نجاشی نے ان کی تصایف سے ایک کتاب کی روایت کی هے[3]:

« نهج » کا حسب ذیل کلام آپ سے مروی هے:

« إنّ هذه القلوب تمل كما تمل الأبدان فابتغوا لها طرائف الحكمة »[4].

یه قول محمد بن یعقوب کلینی نے حفص بن البختری سے حسب ذیل طریقے پر روایت کیا هے[5]:

علی بن ابراهيم، عن أبيه عن ابن ابی عمير عن حفص بن البختری رفعه، قال كان امير المؤمنين يقول: روّحوا أنفسكم ببدائع الحكمة فإنها تمل كما تمل الأبدان.

أبو حمزة الثمالی، ثابت بن أبی صفيه

اپنے زمانه کے متبحر علما اور محدثین میں تھے، آپ نے ائمۀ اهل بیت میں امام زین العابدین، امام محمد باقر، امام جعفر صادق، امام موسیٰ کاظم علیهم السلام، چار اماموں کا زمانه پایا هے اور ان سے احادیث کی روایت کی هے. امام رضا علیه السلام کا ان کے بارے میں ارشاد هے که

۱ نهج ۲: ۷۸ ۲ شیخ الطائفه. امالی ص ۲۳ ۳ رجال نجاشی ص ۹۷

۴ نهج ۲ ۹۸ ۵ اصول کافی ص ۱۲

ابو حمزہ اپنے زمانے میں اسی طرح ہیں جیسے سلمان فارسی اپنے زمانے میں . نجاشی نے ان کو ثقہ اور معتمد لکھا ہے اور ان کی تصانیف سے حسب ذیل کتابوں کی فہرست دی ہے : « کتاب التفسیر » ، « کتاب النوادر » ، « کتاب الزهد » ، « رسالة الحقوق عن زین العابدین»[1] .

علامہ ذہبی اُن کے تذکرے میں لکھتے ہیں[2] : ابو حمزہ نے انس ، شعبی نیز ایک جماعت سے احادیث کی روایت کی اُن سے وکیع ، ابونعیم اور ایک جماعت نے حدیث کا درس لیا ہے . احمد بن حنبل اور ابن معین کا قول ہے کہ ابو حمزہ کچھ نہیں ، ابو حاتم نے ان کو لین الحدیث کہا ہے ، نسائی کا قول ہے کہ وہ غیر ثقہ ہیں ، اس سلسلے میں انہوں نے عبید اللہ بن موسیٰ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ میں ایک روز ابو حمزہ ثمالی کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں عبد اللہ بن مبارک بھی آگئے ان کو دیکھ کر ابوحمزہ نے حضرت عثمان کے بارے میں ایک حدیث بیان کی اور ان پر طنز کرنا شروع کردیا ، ابن المبارک یہ سن کر کھڑے ہوگئے اور جتنی احادیث اُن سے سن کر لکھی تھیں سب پھاڑکر پھینک دیں اور باہر نکل گئے .

« نہج » کے حسب ذیل دو کلام ان سے مروی ہیں :

١ـــ « أوصيكم بخمس لو ضربتم إليها آباط الإبل لكانت لذلك أهلا»[3] .

٢ـــ «الفقيه كل الفقيه من لم يقنط الناس من رحمة الله ولم يؤنسهم من روح الله »[4] .

ان میں پہلا کلام حافظ ابونعیم[5] نے اور دوسرا شیخ صدوق[6] نے اپنے اپنے اسناد کے ساتھ ابوحمزہ ثمالی کے واسطے سے روایت کیا ہے . اسناد عکرمہ بن خالد اور امام محمد باقر علیہ السلام کے ذکر میں ملاحظہ ہوں .

عقبة بن ابی الصہباء الباہلی

دوسری صدی ہجری کے راویان اخبار میں ہے ، اس نے حسن اور سالم بن عبد اللہ سے احادیث کی روایت کی ہے ، ابن معین نے اس کو

---

١ رجال نجاشی ص ٨٤ ٢ میزان الاعتدال ١ : ١٤٦ ٣ نہج ٢ : ٨٥

٤ ایضاً ٢ : ٨٥ ٥ حلیة الاولیا ١ : ٧٥ ٦ معانی الاخبار ص ٨٤

ثقه کہا ہے اور احمد نے صالح الحدیث. ذہبی نے اس کا سنہ وفات نہیں دیا لیکن اتنا لکھا ہے کہ امام رفاعی کے چند ماہ بعد اس کا انتقال ہوا ہے[1]، البتہ خطیب بغدادی نے اس کا سنہ وفات ۱۶۷ ہجری نقل کیا ہے[2].

امیر المؤمنین کی حسب ذیل وصیت اس سے مروی ہے[3]:

« یا بُنیّ احفظ عنی أربعاً أربعاً، لا یغرک ما عملت معهنّ ».

یہ وصیت ابن درید متوفی ۳۲۱ ھ نے حسب ذیل طریقے پر عقبة بن أبی الصهباء سے روایت کی ہے[4].

أخبرنا عقبه بن أبی الصهباء قال: لما ضرب ابن ملجم علیاً رضی الله عنه، دخل علیه الحسن وهو باک فقال له ما یبکیک یا بُنیّ، فقال: مالیَ ولا أبکی و أنت فی أول یوم من الآخرة و آخر یوم من الدنیا فقال: یا بُنیّ احفظ عنی أربعاً أربعاً لا یضرک ما عملت معهنّ، أغنی الغنیٰ العقل، و أکبر الفقر الحمق و أوحش الوحشة العجب و أکرم الحسب حسن الخلق، یا بُنیّ ایاک و مصادقة الأحمق فإنه یُرید أن ینفعك ویضرک ...

الأصمعی، عبدالملک بن قریب

لغت و نحو کا متبحر عالم اور اخبار و نوادر کا امام مانا جاتا ہے. اس نے شعبة بن الحجاج، حمادین اور مسعر بن کدام وغیرہ سے حدیث کی روایت کی ہے. اس کے تلامذہ میں عبدالرحمن بن عبد الله، ابوعبید القاسم بن سلام، ابو حاتم سجستانی اور ابو الفضل ریاشی کے نام خاص طور سے مشہور ہیں. عمر بن شبه کا بیان ہے: میں نے اصمعی کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ مجھ کو چھ ہزار ارجوزے زبانی یاد ہیں نیز اسحاق موصلی کا قول ہے: میں نے نہیں دیکھا کہ اصمعی نے کسی چیز کا دعوی کیا ہو اور کوئی دوسرا اس سے زیادہ اس کا جاننے والا ہو. ابن خلکان نے اس کے مصنفات کی ایک طویل فہرست دی ہے جن میں کتاب « غریب

---

۱ میزان الاعتدال ۲ : ۱۸٤

۲ خطیب بغدادی : تاریخ ۱۲ : ۲٦۵

۳ نہج ۲ : ۸۰

٤ ابن درید : کتاب المجتنی ص ۳۰

الحدیث » ، « کتاب الخیل » ، « کتاب خلق الإنسان » خاص اہمیت رکھتی ہیں .
اس کا انتقال ۲۱٦ ھ میں ہوا[1] .

« نہج» کے حسب ذیل کلام اس کی روایت سے مختلف کتابوں میں ملتے ہیں :

۱ــ « أیہا الناس ! إنما الدنیا دار مجاز و الآخرة دار قرار فخذوا من ممرکم لمقرکم »[2] .

یہ کلام ابو العباس محمد بن یزید المبرد متوفی ۲۸۵ ھ نے کتاب « کامل » میں اصمعی سے بنام اعرابی روایت کیا ہے»[3] .

۲ــ « انادون ماتقول و فوق مافی نفسک »[4] .

یہ کلام ابن قتیبہ دینوری متوفی ۳۷٦ اور ابو عثمان عمرو بن بحر الجاحظ متوفی ۲۵۵ ھ دونوں نے اصمعی سے روایت کیا ہے[5] .

۳ــ « إنما المرء فی الدنیا غرض تنتضل فیه المنایا و نہب تبادره المصائب و مع کل جرعة شرق و فی کل أکلة غصص »[6] .

یہ پورا کلام قدرے لفظی اختلاف کے ساتھ، ابو اسمعیل قالی نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ اصمعی سے روایت کیا ہے[7] :

و حدثنا أبو بکر قال حدثنا أبو حاتم عن الأصمعی ، قال : بلغنی انّ علی بن أبی طالب رضی الله عنه کان یقول : إنما المرء فی الدنیا . . .

ابن عائشة ، عبید الله بن محمد بن حفص

تیسری صدی ہجری کے بلند پایہ علما میں ہے . اس نے حماد بن سلمه ، مہدی بن میمون ، عبدالواحد بن زیاد ، جویریة بن اسماء ، صالح المری، ابو عوانه وغیرہ سے درس حدیث لیا ہے ، اس کے شاگردوں میں ابو بکر الاثرم ، عباس بن عبد الله الانطاکی ، ابو حاتم ، ابو زرعه ، یعقوب بن ابی شیبه ، یعقوب بن سفیان، امام احمد، عباس الدوری ، ابراهیم الحربی ، ابن ابی الدنیا وغیرہ کے نام ملتے ہیں ، تمام محدثین اس کی جلالت قدر اور توثیق پر متفق ہیں . اس کا انتقال ۲۲۸ ہجری میں ہوا ہے[8] .

۱ ابن خلکان : وفیات ۱ : ٤١٠
۲ نہج ۱ : ۲۳۰
۳ ابن ابی الحدید : شرح نہج البلاغة ۲ : ۲
٤ نہج ۲ : ۸۵
۵ عیون الاخبار ۱ : ۲۷٦؛ البیان و التبیین ۱ : ۱۷۹
٦ نہج ۲ : ۹۸
۷ امالی ۲ : ۵۷
۸ تہذیب التہذیب ۷ : ٤٦

« نہج » کے حسب ذیل دو کلام اُس سے مروی ہیں :

۱ ــ « أما بعد فإنّ الجهاد باب من أبواب الجنة فتحه الله بخاصة أوليائه »[1] .

یہ خطبہ شیخ صدوق نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ اس سے روایت کیا ہے[2]:

حدثنا أبو العباس محمد بن إبراهيم بن إسحق الطالقاني قال حدثنا عبدالعزيز بن يحيى الجلودي ، قال حدثنا هشام بن علي و محمد بن زكريا الجوهري، قال حدثنا ابن عائشة باسناد ذكره

۲ ــ « أعجزالناس من عجز عن اكتساب الاخوان و أعجز منه من ضيع من ظفر به منهم »[3] .

یہ کلام ابو اسمعیل قالی نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ اُس سے روایت کیا ہے[4] :

و حدثنا أبو بكر س أبى الأزهر، قال حدثنى أبو العباس، قال حدثنى ابن عائشة فى اسناد ذكره قال ، قال على بن أبى طالب كرم الله تعالى وجهه : من أعجزالناس من عجر عن إكتساب الاخوان .

زبیر بن بکار الضبق

تیسری صدی کا مشہور راوی اخبار اور ماہر انساب ہے . یاقوت حموی اس کے تذکرے میں لکھتا ہے : اساب قریش پر اس کی ایک کتاب ہے جو قرشیین کے نسب کا ایک معتمد مأخذ ہے . اس نے سفیان بن عیینہ وغیرہ سے درس حدیث لیا ہے . ابن ماجه اور ابن ابی الدنیا اس کے مخصوص تلامذہ میں ہیں . اس کا انتقال ۲۵۶ ھ میں ہوا[5] .

« نہج » کے حسب ذیل تین کلام اس سے مروی ہیں :

۱ ــ « عجبنا لابن النابغة يزعم لأهل الشام أن فى دعابة و انى امرء تلعابة »[6] .

---

۱ نہج ۱ : ٤٤
۲ معانی الاخبار ص ۱۱۳
۳ نہج ۲ . ۷۷
٤ ذیل الامالی ص ۱۱۲
٥ معجم الادباء ۱۱ : ۱٦۱
٦ نہج ۱ : ۹۰

یہ کلام شیخ ابو جعفر طوسی نے حسب ذیل اسناد کے ساتھ زبیر بن بکار سے روایت کیا ہے[1]:

و بالإسناد، قال؛ أخبرنا محمد بن محمد، قال، أخبرنا أبو عبد الله محمد بن عمران المرزبانی قال أخبرنی الحسن بن علی، قال حدثنا أحمد بن سعید، قال حدثنی الزبیر بن بکار، قال حدثنا علی بن محمد، قال کان عمرو بن العاص یقول: انّ فی علی دعابة فبلغ ذلک امیرالمؤمنین فقال . . .

۲ــ« الحمد لله الذی شرع الإسلام فسهل شرائعه »[2].

۳ــ« الإیمان علی أربع دعائم »[3].

مذکور بالا دونوں کلام شیخ ابو جعفر طوسی نے زبیر بن بکار سے روایت کیے ہیں جسکی سندیں جابرالاسدی کے ذکر میں بیان کردی گئی ہیں[4].

---

۱ امالی ص ۸۲
۲ نہج ۱ : ۱۲۱
۳ نہج ۲ : ۷۸
۴ امالی ص ۴۳

فهرست ماخذ

ابن أبی حاتم : کتاب الجرح و التعدیل؛ حیدرآباد ۱۳۶۰ھ

ابن أبی‌الحدید : شرح نهج البلاغة ؛ طهران

ابن الأثیر : أسد الغابه فی معرفة الصحابه ؛ مصر ، ۱۲۸۵ھ

——— الکامل فی التاریخ ؛ مصر ، ۱۲۹۰ ھ

ابن بابویه : الأمالی؛ ایران، ۱۲۸۷ھ

——— معانی الأخبار ؛ ایران، ۱۲۸۹ھ

——— علل الشرائع ؛ ایران، ۱۲۸۹ھ

——— التوحید ؛ ایران ، ۱۳۲۱ھ

ابن الجوزی : صفة الصفوة ؛ حیدرآباد ، ۱۳۵۵ھ

ابن حجر : الإصابه فی‌تمییز الصحابه ؛ مصر ، ۱۳۲۳ھ

——— تقریب التهذیب ؛ دهلی ، ۱۲۷۲ھ

——— تهذیب التهذیب؛ حیدرآباد ، ۱۳۲۵ھ

——— لسان المیزان ؛ حیدرآباد ، ۱۳۳۰ھ

ابن خلکان : وفیات الأعیان؛ مصر، ۱۲۷۵ھ

ابن درید : المجتنی ؛ حیدرآباد ، ۱۳٤۲ھ

ابن سعد : الطبقات الکبیر؛ لیدن، ۱۳۲۲ھ

ابن عبدالبر : الإستیعاب فی معرفة الأصحاب ؛ حیدرآباد، ۱۳۳۶ھ

ابن عبدربه : العقد الفرید ؛ القاهره ، ۱۳۵۹ھ

ابن العربی : محاضرة الأبرار؛ و مسامرة الأخبار؛ مصر، ۱۲۸۲ھ

ابن العماد : شذرات الذهب ؛ مصر، ۱۳۵۰ھ

ابن قتیبه : المعارف؛ مصر ، ۱۳۵۳ھ

——— الإمامة والسیاسة ؛ مصر ، ۱۳۲۶ھ

——— عیون الأخبار ؛ قاهره ، ۱۳٤۳ھ

——— تأویل مختلف الحدیث ؛ مصر ، ۱۳۲۶ھ

ابن مسکویه : تجارب الأمم؛ مصر، ۱۳۳۲ھ

ابن المعتز : کتاب البدیع؛ انگلترا، ۱۳۳۵ھ

ابن نباته : خطب ابن نباته؛ بیروت، ۱۳۱۱ھ

ابن الندیم : الفهرست؛ مصر، ۱۳۴۰

أبو حنیفه دینوری : الأخبارالطوال؛ لیدن، ۱۸۸۸ء

أبو حیان التوحیدی : الأدب و الانشا فی الصداقة و الصدیق؛ مصر، ۱۳۲۳ھ

أبو عبیدالقاسم بن سلام : غریب الحدیث؛ قلمی کتابخانۂ رامپور

أبو عبید الهروی : کتاب الغریبین؛ قلمی کتابخانۂ رامپور

أبوعلی الکربلائی : منتهی المقال فی أحوال الرجال؛ ایران، ۱۳۰۲ھ

أبوالفرج الاصفهانی : الأغانی؛ مصر، ۱۳۲۲ھ

——— : مقاتل الطالبیین؛ طهران، ۱۳۰۷ھ

أبو نعیم الأصفهانی : حلیة الأولیاء؛ مصر، ۱۳۵۱ھ

أبو هلال العسکری : کتاب الأوائل؛ قلمی کتابخانۂ رامپور

الأستر آبادی : منهج المقال فی أحوال الرجال؛ قلمی کتابخانۂ رامپور

الباقلانی : إعجاز القرآن؛ مصر، ۱۳۱۷ھ

البرقی : کتاب المحاسن و الآداب؛ قلمی کتابخانۂ رامپور

البلاذری : فتوح البلدان؛ لیدن، ۱۸۶۶ھ

البیهقی : کتاب المحاسن و المساوی؛ مصر، ۱۳۲۵ھ

الثعالبی : الإیجاز والإعجاز؛ قسطنطنیه، ۱۳۰۱ھ

الجاحظ : کتاب المحاسن والأضداد؛ مصر، ۱۳۲۴ھ

——— : البیان و التبیین، مصر، ۱۳۱۱ھ

چلپی : کشف الظنون؛ لایپسک، ۵۸ـــ۱۸۳۵ء

الحرانی : تحف العقول؛ ایران، ۱۳۰۳ھ

الحلی : خلاصة الاقوال فی معرفة الرجال: طهران، ۱۳۱۱ھ

الخطیب البغدادی : تاریخ بغداد؛ مصر، ۱۳۴۹ھ

الخوانساری : الروضات الجنات؛ ایران، ۱۳۰۷ھ

الذهبی : میزان الإعتدال، لکهنؤ، ۱۳۰۱ھ

الرضی : نہج البلاغه ؛ بیروت .
کتاب خصائص الائمة الأثنی عشر ؛ قلمی کتابخانهٔ رام‌پور

الزجاجی : الأمالی ؛ مصر ، ١٣٢٤ھ
سبط الحسن : منهاج نہج البلاغه ؛ لکھنؤ
شیخ الطائفه : الأمالی ؛ ایران ، ١٣١٣ھ
الطبری : تاریخ الأمم والملوک ؛ مصر ، ١٣٢٦ ھ
ذیل المذیل ؛ مصر ، ١٣٢٦ھ
عرشی : استناد نہج البلاغة ؛ ثقافة الهند ، دسمبر ١٩٥٧ء
القالی : الأمالی ؛ مصر ، ١٣٢٤ھ
الکشی : معرفة أخبار الرجال ؛ بمبئی ، ١٣١٧ھ
الکلینی : الکافی فی الاصول ؛ ایران ، ١٢٧٨ھ
الکافی فی الفروع (کتاب الروضه) ؛ لکھنؤ ، ١٣٠٣ھ

الماوردی : أدب الدنیا والدین ؛ قسطنطنیه ، ١٢٩٩ھ
المبرّد : کتاب الکامل ؛ مصر ، ١٣٠٨ھ
المجلسی : بحار الانوار ؛ ایران ، ١٣٠٥ ھ
المرزبانی : معجم الشعراء ؛ مصر ، ١٣٥٤ھ
المسعودی : مروج الذهب و معادن الجوهر ؛ مصر ، ١٢٨٣ھ
الشیخ المفید : الإرشاد ؛ ایران ، ١٢٩٩ھ
النجاشی : کتاب الرجال ، بمبئی ، ١٣١٧ھ
یافعی : مرآة الجنان ؛ حیدآباد ، ١٣٢٥ھ
یاقوت الحموی : معجم الادباء ؛ مصر ، ١٩٠٧ ء

دیوان نجیب‌الدین جربادقانی

قاصی عبدالودود

« تاریخ گزیده » میں ھے[1] : « نجیب‌الدین جربادقانی مداح امرای قلعهٔ وَساح بود، و در آخر عهد سلاجقه درگذشت، اشعار خوب دارد، کتاب « بشر و هند » از منظومات او ست ».

« مجمع الفصحا » میں ھے[2] « از شعرا و بلغای زمانِ خود بوده و مدّاحی سلاطین سلجوقیه را میمنوده طبع خوبی داشته و لوای قصیده سرایی میافراشته ».

دیوان نجیب الدین جربادقانی کا نسخهٔ کتبخانهٔ خدا بخش پٹنه[3] ناقص الطرفین ھے، اور اس میں درمیان کے بعض اوراق بھی موجود نہیں. فی‌الحال اس کے اوراق ۴۰ ھیں اور اس کے ابیات کی تعداد ۱۴۶۱، اس میں زیادہ تر قصیدے، ایک ترکیب بند، کچھ قطعے اور غزلیں ھیں بیت اول و آخر علی الترتیب یه ھے :

مجاوران سرکوی[4] تو چو طرهٔ تو ا بهم بر آمده از بی سری و سامانی

قامتِ سروسهی همسر بالای تونیست ۴۰ گل صد برگ برنگ رخ زیبای[5] تونیست

ذیل میں وہ اشعار درج ھیں، جن میں ظاھرا شاعر کے ممدوحین کے نام یا لقب آئے ھیں؛ ضرورت سمجھی گئی ھے تو قبل و بعد کے بعض اشعار بھی نقل کردیے گئے ھیں :

خدایگان صدور زمانه صدر الدین ا که اوست مردمک دیدهٔ مسلمانی

---

۱ حمدالله المستوفی : تاریخ گزیده ص ۸۲۶

۲ رضا قلی خان هدایت : مجمع الفصحا ۱ : ۶۳۴

۳ یه نسخه کتب خانهٔ خدا بخش کی فہرست مطبوعه میں شامل نہیں

۴ یه نسخه صحیح المتن نہیں : اشعار عموماً اسی طرح نقل کردیے گئے ھیں، جس طرح اس میں ھیں، اور ایک آدھ جگه کے سوا، یه نہیں بتایا گیا که متن راقم کے نزدیک غلط یا مشتبه ھے.

۵ کذا

بدر یادل بهاء الدین که یارب بادوبست ۲ هرچه میخواهد بتائید سمائی یافته
ـف عهدی برای و عقل بیم تانه دیر ۳ چون سلیمان نام و بانگ پادشائی یافته

ـاحب سیف و قلم آصف ایام که خواند شاهد عقل و خرد یحیی عدل عمرش
ـوهر کان نبوت که عطارد ز فلک مینویسد بلقب شاه پیمبر سیرش
ـاه عزت ملک الساده علاءالدوله که بیفزود از و منصب جد و پدرش
ـهدی عهد ستم منصف ایام که خواند آسمان گاه خطاب آصف جمشید فرش

سپهر مجد و معالی علاء دولت و دین ٤ که آفتاب بجاهش بصد قران نرسد

محیط مجد و کرم میر عز دین یحیی ٥ که هست در نظرش چرخ و آفتاب حقیر

حامی کوی زمین حاصل دوران فلک ٦ مرکز فضل و هنر صاحب سلجوق پناه
علاء دولت و کهف ملوک فخرالدین ستوده واسطهٔ عقد ملک خسرو شاه

کارمن بس بی نظام است از غم عشقت مگر ۷ نظم احوالم نظام الدین کرمانی کند
طغرل ملک معانی سخن* اقلیم فضل کو در اقلیم سخن شاهی و سلطانی کند

شه جهان ملک از بک که از سیاست او رسوم حادثه از گردش زمن برخاست

تاج ملک و دین علی کز آرزوی رزم او ۸ ظلم را خرمن بباغ معدلت برمیدهد

خدایگان صدور جهان مهذب دین ۹ که آسمان علوم است و آفتاب کرم
خجسته آصف دولت† که راست بازآید قیاس خامهٔ او با خواص خاتم جم

خدایگان صدور جهان عماد الدین ۱۰ که رایت کرم از خواجگیش منصوراست
بدیل حاتم طائی، جمال دولت و دین ۱۱ که هست در کرم اورا هزارچندان دست
پناه دین محمد عمر که روز مصاف ببرد بازوی تیغش ز پور دستان دست

شاه عزت ملک الساده علاءالدوله ۱۲ عمدهٔ دولت و دین کان کرم مردانشاه

بفر مفخر عالم جمال دولت و دین ۱۳ که هست دولت و دین را بجاه او اعزاز

جواب دادند ای جمال دولت و دین ۱٤ سپهر یمن و سعادت که سعد اسلام است

[* نسخهٔ علیگره : سنجر]
[† نسخهٔ علیگره : آصف دوران]

سپهر محمدت و مجد بدر دین محمود ۱۵ که یافت فرّ فریدون و رتبت هوشنگ
ز چارخانهٔ جود تو چار پهلو شد نهنگ حرص که‌درطبع اوست‌حرص‌نهنگ

سوی تو کرد روی که عمرت دراز باد ۱۶ گفتا شهاب دولت و دین شاه ایلکی[1]

جناب شاه شریعت رئیس ملت و دین ۱۷ که روزگار بساز است و آفتاب نوال
خدایگان شریعت رئیس ملت و دین که قدوهٔ فضلا است و معدن افضال

پادشاه عالم و عادل جمال‌الدین‌که یافت ۱۸ آسمان از طالع میمون او نیک اختری
حاتم عهد شهاب دول و دین‌که بروست ۱۹ سکهٔ مردمی و خطبهٔ نیکو سیری

جهان جود و کرم‌زین الدین ابوالکرم آن ۲۰ که بحروکان را از جود خود نصاب دهد

سپهر مجد و معالی جمال دولت و دین که آفتاب‌ملوک است و پادشاه صدور

بزرگ درگه دستور عهد مختص دین ۲۲ که پادشاه صدور است و قبلهٔ ایام

حسام دولت و دین را حیات باد همی ۲۳ که هیچ بابی چون باب عمرمعظم نیست

حاتم عهد و جمال دول و دین که کفش ۲٤ چون سحابی است‌ولیکن که‌زر افشان‌باشد

زینت و زیور دوران جهان رکن الدین ۲۵ که جهان نسبت قدرش به ثریا نکند
بوالکرم آن‌که جز از همت او رسم کرم اندرین قحط کرم هیچ کس احیا نکند

سپهر مجد و کرم بوالکرم که رایت او بپشتی دل و دستش همیشه منصور است
خدایگان کریمان عصر زین الدین که‌گرد مملکت از سدّ رأی او سوراست

خورشید آسمان معانی جمال دین ۲۸ کز فراوست خاصیت سایهٔ همای
وانکه سلالهٔ کرم و مجد سعد دین چه سعیها نمود ز تدبیر عقل و رای

جمال دین عمری آنکه جز بنوبت او ۲۹ زمانه نوبت عدل عمر نمیدارد

خدایگان کریمان جمال دولت و دین تویی که‌طینت‌پاکت ز دین‌و از داداست

بفرّ سرور عالم جمال دولت و دین ۳۰ که‌ذات او ز هرآلایش است پاک‌وبری

---

۱ قراق دیگر : بردگی ، جامگی وغیره [نسخهٔ طبگوه : ایلکی]

ضیای[1] دولت‌ودین‌آنکه‌طاس‌چرخ‌عریض ۳۱ ز صیت‌مکرمتش بر بسر طنین دارد
عماد ملک محمد که مهر همچون ماه برای بندگیش داغ بر جبین دارد
شکوه دست وزارت ستوده آصف عهد که آستان درش چشمهٔ معین دارد
نهال ملک اتابک ازان تر و تازه است که از نتائج تدبیر تو معین دارد
سزای افسر زیبای تخت قطب الدین که شیر هیبت او از جهان عرین دارد
خدیو مسند شاهی که بربساط جمال چو ماه و مهر هزار ایبک و نگین* دارد

خدایگان اکابر جمال دولت و دین ۳۳ که هر دو مُشت او ظلم را توانایی
جمال ملت و دین سروری که میگردد ۳۴ یُمن سایهٔ او ذره آفتاب نثار
خاطرم کرد پریشان و نمیداند کان ۳۵ مدحت آرای خداوند جمال‌الدین‌است
جمال دین که اندر عالم خاک ۳۶ حسودش باد پیما مینماید
خدایگان صدور زمانه صدر الدین ۳۹ تویی که پیش‌وفای تو کوه چون کاه است

بصدق سینهٔ بوبکر کز پس احمد ۲۱ اساس شرع بدو یافت انتظام امور[2]
بزخم ذرهٔ آن زنده پوش کز بیمش بچین و روم نمیخفت قیصر و فغفور
بآب دیدهٔ عثمان که در مقام رضا بزخم حادثه خرسند گشته بود و صبور
بزهد و تقوی حیدر که در نمیآورد کلاه گوشهٔ همت بدین متاع غرور
بدان سلالهٔ عصمت که از نتیجهٔ زهر ز ساحت تن او سایهٔ روان شد دور
بخون حلق شهیدی که بعد چندین سال هنوز نوحه بدو میکند وحوش و طیور
بسوز سینهٔ زهرا که داد خواه شود بپیش داور محشر ز بامداد نشور

بصدق صاحب غار و صلابت فاروق ۲۲ بشرم و مردمی عثمان و خواجهٔ صمصام
بصدق شافعی و بوحنیفه و مالک[3] که بوده اند جهان را بعلم و زهد امام

---

۱ از «ضیا الخ» تا «خدیو الخ» ایک هی قصیدے کے اشعار هیں .

۲ اس زمین کے کل اشعار ایک هی قصیدے کے هیں .

۳ ایک امام کا ذکر نہیں اسکی وجه سمجھ میں نہیں آتی .

[* نگین]

نجیب‌الدین نے عنصری، مسعود (مسعود سعد سلمان)، سنائی ، خاقانی، جبیر، معزی کو یاد کیا ہے ، اور اثیر کے دو شعروں کی تضمین کی ہے .

بنده هم در دور محمودی برسم عنصری ۳ کاروباری از تو در مدحت سرایی یافته
وزصدای شعرمن روحانیان برطاق چرخ   داغ غم برجان مسعود و سنائی یافته

بزرگوارا در معرض ستایش تو ۵ فتاده در سخنم این دو بیت شعر اثیر
فلک دو وقت بخصمان تو خطاب کند   بود سیاق خطابش دو لفظ عکس پذیر
بدولت توچنان طبع من که شانزده خصل   دهد بخاطر خاقانی و بطبع جبیر
بوقت کودکی ای شیرتان حرام چومی   بگاه خواجگی ای خون تان حلال چوشیر

مراست طبع معزی و هم بدین نسبت ۱۰ سواد خطهٔ جرباذقان نشابور است

اشعار ذیل میں فتنهٔ تاتار کی طرف اشاره معلوم ہوتا ہے :

درین زمانه که از ترکتاز حادثه نیست ۲۱ تهی ز رنج دل آسوده یا دلی مسرور
فساد فتنهٔ یا جوج تابجدی است   که گشت بیضهٔ اسلام جملگی مقهور

اشعار ذیل کا انتخاب مختلف نقطه ہاے نظر سے ہوا ہے :

ز چربدستی جود تو متهم گشتند ۱ وجود دجله و جیحون بآب دندانی
سپهرخواست که هرشب خیال توسوی او   رکاب رنجه کند بر سبیل مهمانی
ز شهر خویش چو رحلت بخدمتت کردم   بدان امید که باشد مرا تن آسانی
روا مدار که اکنون چو باز میگردم   مرا بود ز چه ار آمدن پشیمانی

* * *

بیار خون سیاوش بجام کیخسرو ۲ که گشته ام ز پیش چون فراسیاب شده
درین زمانه تونی آنکه آستانهٔ تو   ز ترکتاز تو چون خلوت مآب شده
ز اصطناع کفت خشک سال حادثه را   رشاشهٔ سرکلک تو فتح باب شده
بدان رسید مساعیٔ کلک سر تیزت   که تیغ فتنه بعهد تو در قراب شده
بطوع سرهٔ آهو که نافه میخوانند   ز بهر خدمت تو مهر مشکتاب شده

* * *

۲ هندوی زلف ترا کس نیست تا گوید که تو — آن همهٔ آیین ترکی از کجایی یافته
دختر مرد افکن رز را خرد در عهد تو — بر خلاف طبع او بر پارسایی یافته
مردم دیده ز رایت در زوایای بصر — در درون هفت پرده روشنایی یافته
خطبه‌وسکه که‌هردوخواجه‌تاشان‌همرهند — اسم محمودی و تشریف بهایی یافته

٭ ٭ ٭

٤ دماغ و دیدهٔ من سالهای وافر شد — که ازخیال تو آن کشمر است‌واین کشمیر
بصناعتی که من از فضل کرده ام حاصل — بتازگی سخن آن نمیکنم تقریر
حقوق خدمت دیرینه بر شما دارم — هنر مگیر و فصاحت مگیر و شعر مگیر[1]

٭ ٭ ٭

٦ شود مسدس گیتی سپیده دم عودی — چو من بر آتشِ سودا نهم مثلث آه
ز بس دم تو که خوردم بنای میمانم — که درمیانهٔ رقم پدید شد آماه
درین مششدر خالی که باز میمالد — بجز کفایت تو کعبتینِ چرخ دو تاه
مرا ز روی سپید و ز پنبه دستاری — ز دل نشاط برون رفت و دیده گشت تباه
کلاه دار جهانی کجا زبان دارد — اگر تو بر سر من منتی نهی بکلاه
روا مدار که پوشم مرقعی چون بار — که طوطی سخنم کسوتی بود دیباه

٭ ٭ ٭

۷ خدا یگانا بنده بعزم خدمت تو — زخانه عزم‌سفرکرد و از وطن برخاست

٭ ٭ ٭

۸ حوریان را خازن فردوس برباد لبش — دوستگانی بر کنار آب کوثر میدهد
قوتی‌گر یافت دشمن بیحضورت طرفه‌نیست — سایه را بالا درازی غیبت خور میدهد

٭ ٭ ٭

۹ من ارچه از سر فضلی دمی‌درین‌حضرت — نمیزنم که شوم بس بدان سخن ملزم
ز هر که لاف هنر میزند منم باری — که اندکم هنری هست و نیست لایعلم

٭ ٭ ٭

۱۰ شود دو روز دگر شهر گرد و هرجایی — هنوز اگرچه دمی میزند که مشهوراست
عروس بخت تو می باش تا بجلوه رسد — که او هنوز چو می در نقاب انگور است

٭ ٭ ٭

---

۱ یہ مصرع غالباً کسی اور شاعر کا ہے ، یہ بتبدیل یک لفظ (ہنر کی جگہ ادب) دوسری جگہ بھی آیا ہے ۔

ازان گروه که در دامن تو دست زدند ۱۰ کلاهٔ تو ببرد از میان ایشان دست
ز تنگخویی* و شوخی که میکنی زده ایم ز دستِ جور تو در صفدر کهستان دست
بمجلس تو بر آهنگِ مطربان چه عجب اگر بسازد تمثالهای ایوان دست
بلند قدرا دانی که هیچ وقت نداد بنظم و نثر کسی را سخن ازیسان دست
اگرچه طائفهٔ کرده اند[ز] اهل هنر ردیف شعرازین[پیش]در سپاهان[1] دست
بدین قصیده ببردم جهانیان دانند نه از سپاهان از جملهٔ خراسان دست
منم که بلبل طبعم چو در نوا آید ز لحن خویش بشوید هزار دستان دست
لبی نماند کز آثار ابر و صنعت باد بهار تازه کند باز در گلستان دست

٭ ٭ ٭

آسمان جان بکند تا شبی از حرم هلال ۱۱ طاق ابروی ترا جفته نهد بر سرماه
آسمان رقعه بر افشاند چو ناگه ز افق صبحدم بیذق خورشید فرو کرد که
دم گرگ سحر و چشمهٔ خور زیر زمین مینمودند خیال رسن و یوسف و چاه
تا چو خورشید سوی برج حمل آرد روی عالم پیر بتدریج شود زو بر ماه

٭ ٭ ٭

باب جود و بباران همت تو بشست فلک زطبع جهان رنج نجک†و گردنیاز
ادب مگیر و فصاحت مگیر و شعر مگیر ۱۳ نه من غریبم و صدر جهان غریب نواز
همیشه تاکه[ز] تاریخ باز میگوید زمانه قصهٔ محمود و داستانِ ایاز
ز دستبرد تو در دهر داستانی باد که بار گوید گردون بروزگار دراز

٭ ٭ ٭

فروغ رأی ممالک ز صبح دولت تست ۱٤ تو باش تا بدمد زانکه بس بهنگام است
غلام همت آنم که شکل احوالش تفاوتی نکند گر بکام و ناکام است

٭ ٭ ٭

گران رکابی حرمت بوقت کار دهد ۱۵ سبک عنانی زیبق بطبع مرداسنگ

---

۱ کمال اصفہانی کا ایک قصیدہ جس کی ردیف « دست » ہے اس کے دیوان (نسخہ خدا بخش) میں ہے، مگر اس کے قوافی نونیہ نہیں .

[* نسخهٔ علی‌گڑھ تندخوئی]

[† نسخهٔ علی‌گڑھ : بخل]

ای در بهار معرکه از خصم یاوگی ۱٦ نیلوفر حسام تو چون گل بتازگی
از ترک یکسواره که خوانیش آفتاب شبها ز بیم تیغ تو گردد بیاوگی
روزی زخاک چین سوی بغداد آوری پروردگان خاتۀ خاقان ببردگی
اجرا ده ِ نجوم که خورشید نام اوست دارد ز روی روشنش اجرا و جامگی
تا بر نهاد عالم و بر قد روزگار دوزد فلک قباچۀ دوران ز جامگی
بادا قبای ملک ببالای قدر تو وانگه بزیر دامن جاه تو در لگی

٭ ٭ ٭

آب بردلها چه‌تازی بس که‌خود در دور تو ۱۷ آسمان باکم‌نخواهدکرد یک جوا سپتری
حاش لله گر نبودی از برای مدح تو همت من سر در آوردی باسم شاعری
این‌تقرب هم‌بمدحت کرده‌ام گرنه‌بسی‌است تا ندارد پیش من وقعی چنان شعر دری
چشم بد دور که بس خوب شدی تا زدۀ رقم از غالیه برگوشۀ گلبرگ تری
بر نمکدان لبت ترۀ خط تا دیدم این دل شیفته بریان شد ازان ماحضری
چه محال است که ماند بخرامیدن تو جنبش سروسهی با روش ِ کبک دری
چاک زد دست سحر صدره کامی ناکرد برد ز خط ترا اطلس گل آستری
نرگس یکدش اگرچه دم ترکی میزد هندوی چشم تو شاها‡ همه زرین کمری
بلبل از غصه علی الله برآورد که شد مهر دوشیزگی غنچه ببادی سپری
زوسرخ ارچه جگر گوشۀ خورشید آمد تو نه زان بیجگرانی که بدو آب خوری
پُر دلی سگ نخچیر تو میگفت جهان زهرۀ شیر فلک آب شد از بیجگری
صاحبابده که‌چون‌صیت تومشهورشده‌است ذکر او در همه آفاق بصاحب نزری*
طبعش‌ازشعر دری گرچه‌تحاشی کرده است که نباشد شرف بنده بتازی و دری
صدرۀ فستقی غنچه بیفزود صبا چون بینداخت چمن‌کرتۀ شعری شکری

٭ ٭ ٭

ز باب فیض نبوت عجب مکن‌که خدای ۲۰ ز بو لهب بستاند به بوتراب دهد

٭ ٭ ٭

[* نسخۀ علی‌گره : بصاحب هنری]
[‡ نسخۀ علی‌گره : باشد]

مرا ز واقعهٔ این شکوفهٔ نو عهد ۲۴ درست شدکه بنای حیات محکم نیست
دریغ آسیهٔ روزگار و مریم عهد — که هیچ سینه ز درد عزاش خرم نیست
خدایگانا دانی که این مصیبت صعب — نخست حادثه در دودمان آدم نیست
دلی که خرمی ازوی نشان توان دادن — بزیر قبهٔ این زرنگار طارم نیست
بصبر مرهم دل کن اگرچه خسته دلی — که ریش غم را چون صبر هیچ مرهم نیست
برادران و ترا جمله مژدگانی باد — بزندگانی عیسی اگرچه مریم نیست

° ° °

سخن وصل رها کن که مرا خود نبود ۲۵ آرزویی که نه در حیز امکان باشد
چون که دل می بستانی ره دلجویی جوی — زانکه دلدار بود هر که دلستان باشد

° ° °

خواب خرگوش ازان نرگس مخمور مده — کاهوی چشم تو بر شیر محابا نکند
چشم مست تو گر آگه شود از عدل ملک — این همه جور که میکرد بعمدا نکند

° ° °

بیا که جعد بنفشه چو طرهٔ حور است ۲۶ ز شمع گل همه اطراف باغ پرنور است
چه لائق است که ماسوگ غم همی‌داریم — کنون که‌از گل‌سوری‌بباغ در سور است
شکوفه جیب قصب چاک میزند یعنی — کز اعتدال هوا طبع شاخ محرور است
قناع غنچه طبیعت ز ناردان بسته است — مگر بنرگس‡... میدهد که مخمور است
قیامتیست عجب موجبش نمیدانم — نسیم باد بهار است یا دم صور است
لطیف و نازک و بس تنگخوست غنچهٔ گل — ز خار دامن اگر درکشید معذور است

° ° °

روی تو درویشانهٔ یعنی ز سبزی و نمک ۲۷ مشتی دل سرگشتهٔ را ترتیب همان ساخته
گردون بارانی صفت در دفع باران بلا — بارانی خورشید را از گرد میدان ساخته

° ° °

چوبکزنان بام تو هر شب بوقت پاس — شوریده ساکنان فلک را بهای های
ای بر حواشی کمرت دست روزگار — از ترکتاز فتنه فروبسته چون قبای
زان شیوه در محیط فلک سر کشیدهٔ — کزبندی تو میگذرد آسمان دوتای

° ° °

[‡ نسخهٔ علیگره: بنرگس تر]

توقع است که جربادقان چنان گردد ۲۹ بهمت تو که گویند رشک بغداد است
بزرگوارا سی سال شد که این بنده   چو بخت‌دولت بردرگه تو استاد است

٭ ٭ ٭

بشیر طاقی خود غرّهٔ نمیترسی ۳۲ ز روزگار که دارد نهاد طبع پلنگ
بتازه رویی دولت چه غرّه میباشی   که لخط بر ابرو در آورد آژنگ

٭ ٭ ٭

نداشت خصم‌ترش‌روی‌لطف‌توچه عجب   که عوره را نبود دستگاه صهبائی

٭ ٭ ٭

شاه مات حدثان گرد و کشت آنکس تو ۳۵ کژ رواند حرم عدل توچون‌فرزین است

٭ ٭ ٭

این زو بدیع بود که اندر نوشتهٔ ۳۷ بر رسم یاد داشت سلامی دریغ داشت

٭ ٭ ٭

هزار سال بمان تا ملک بکام دل ما ۳۸ ترا بدولت مسعود و ارسلان برساند

٭ ٭ ٭

مشو بخون دلم در که تا زمانه برآید ۴۰ کمر نهند بکینم ترا ازان چه گشاید
توام حریف‌نباشی بدین‌جگر که تو داری   کجاست زهره‌دلی را که باتو باز فراید
زمانه باهمه مردانگی و سخت کمانی   بترکتاز جفا در بهلوی تو نشاید
اگر جمال تو روزی عنان کشیده ندارد   کمینه حلقهٔ زلفت هزار دل برباید
چنان شدم بغمت در که گر مرا سرپیشی   بتن فرو شود ای جان ز درد غصه بر آید

٭ ٭ ٭

بمرگ خویش عدوی تو چون فلک بادا ۲۰ بنیل جامه بر آورده و مصاب شده

٭ ٭ ٭

ز شعلهٔ غم عشق تو گر بسوخت دلم ۵ بقای جان تو بادا مدبری کم گیر
فلک پناها چون در کمال قدر ترا   مرا بفضل و هنر نیست در زمانه نظیر

٭ ٭ ٭

شاعری‌پیشه اونیست و نه زا نهاست‌ولیک ۱۲ منصب تست کش آورد سوی این درگاه

٭ ٭ ٭

ز چیست یارب کین طارم شتاب آهنگ ۱۴ فراز بندی این کوه میرود بلدرنگ
چو لعبتان ضمیرم تتق بیندازند ۳۳ شب سیاه کند آرزوی لالایی

بامر نافذش در نقطهٔ خاک ۳۷ خط ارزاق اجرا مینماید
حسابِ کبریای او حقیقت برون از عدّ و احصا مینماید

* * *

قلزم دست و دلت نیست محیطی که‌دران ۳۷ وهم را راه سوی ساحل و نایاب دهد

* * *

غلام ابرم اگر سفتهٔ ز آب دُر چشم ۳۸ بزنده رود برد یا به اصفهان برساند

* * *

ز چشم بندی گردون تو هرچه میبینی ۳۹ نه رسم و صورت آن در خیال میآری
دل کو از تپش مهر همی گردد خون تا ازان دیو ز خود سازی و حسن آرایی

* * *

جهان تیره که همچون شب است آبستین ٤۰ تو کار را شو و بگذار تاکه بار نهد

* * *

پیر دلی تو که گرهی دران چنان روزی ۳۰ که زهره آب شدی شیر را ز بیجگری
غلام زنده دلی ام چو لالهٔ کاکا ست بکوهسار در از نوحه های کبک دری

دیوان کے بعض الفاظ و فقرات اور مصرعوں کا انتخاب :

پیروزهٔ پیکانی ص ۱

خوانچهٔ (نون غنه) زرین ، مرا سمی که نه شرعی بود نه دیوانی ، حمل پیش آر و برسم بریانی، تیغ بر دل ، روح بهمی ، عقل کل ، قوای نفسانی ، سست پیمانی ، بزخم خوردن همکاسهٔ رباب شده ص ۲

بکف پیالهٔ می ساقی شهاب شده ، بارها از چار بهتح غم رهایی یافته ، بر سر بازار عالم نارولیی یافته ، زلف هرجایی ، بد عهدی ، گره بندی زلف ، جانربایی خط (تشدید)، گندنا ، کبریت احمر ص ۳

ژاژ خایی ، کم بهایی ، جعبه ، دختر مرد افگنِ رز ، چنگی و نایی ، خط فستقی (بی تشدید ط)، اشاقان در، بر همه اجرام عالم پیشوایی یافته، از عنون جرخرا در بینوایی یافته ، نظر بنقطهٔ و موهوم آن نرسد ص ٤

بسطت ، بیضهٔ هفت فلک تعبه در زیر برش، اجل رواسبه بدروازهٔ جهان برسد ، چو بوی زلف تو آرد شمال در شبگیر ، که آفتاب فلک رامهی دهد تشویر ، بطمع آن بر چون شیروان لب چو شکر ، شده عنانت او شامل صغیر و کبیر ، منم که راوی شعر طرب فزاے من است ، حدیث فضلِ رها کردہ ام ص۵

روا بود که بمن خام قلتبان نرسد ، نهاد طبیعی ، بخلطاقِ فستقی ، وضیع وشریف ، سجاده خضر و آستین روح الله ص ٦
شیر شرزه ، بد کنش ، طوق فاخته ، ترا چو سنبله سنبل بگرد خرمن گاه ، بیحفاظ ، ترا غلام فلک هندوی دران درگاه ، میاه ، که رستخیز ازان جاه وزان رسن برخاست ، قهرمانی ص ۷
نُه دوائر چرخ ، ز فیض علت اولی شکن شکن برخاست ، یزدانی کند ، فقاع غنچه ، ز بس معانی او از گهر ثمن برخاست ، لعل پیکانی ، ابر نیسانی قرصهٔ خورشید ، وانکه از جدی و حمل ترتیب بریانی کند ، سرو بستانی ص ۸
آذر (قافیهٔ کوثر) ، تنگ شکر (تشدید کاف) نُه طاق اخضر ، قامت او در تمایل آب عرعر میدهد ، ز رنگ طره او صبح را فرو شده دم ص ۹
نقشبند عدم ، دماغ خود چه بری تحت مشکای چه کنی ، نُه طارم خضرا ، در آمد از درم آن ماهروی شهره صنم ، ز جیب صدرهٔ او چرخ را برآمده ماه ، تنگنای عدم‌مکرم و طارم (قوافی ، ر مفتوح) ، خاصیت (بی تشدید) ، لیفه ، معظم (بی تشدید، ظ مفتوح)، که این طریقت در شرع‌وعقل مخطور است ، خدمت دیرینه ص۱۰
که بر بقای تو دوران چرخ مخطور است ، عید قربان ص ۱۱ ،
خط سبز و لب لعلت خضر و روح الله ، دوتاه ص ۱۲
رمح گرهدار ص۱۳
قصب صبحدم از اطلس سیمابی خویش ، ز شکل خوشهٔ پروین همه کنند آونگ ، جرعه دان ص ١٤
تنگنای اجسام ، مجال نامیه تنگ است و پای حادثه لنگ ، عنان ز بندی این کوه باز گیرد تنگ ، غزالهٔ فلک تیز پای همچون رنگ ، شفشاهنگ ، هفتورنگ ، ز شیر طاقی آهوی چشم تو عجب ص ۱۵
تیرخدنگ ، ز گوشمال لبت میخورد شکنجهٔ تنگ ، علامت یرقان در مزاج نرگس شنگ ، ترازویست که یک جو نمیکند پاسنگ ، ادیم خاک چو کیمخت چون گرفت آژنگ ، نارنگ ، نیمچه ، غریو و غرنگ ، غوطه خوردن ، وگرنه خاک بماندی چو طینت سترنگ ، نشسته اند دران نه سپهر تنگا تنگ ، طلایه ، همتگی (قافیه گرفتگی وغیره) ص ١٦

سفلگی، بدرگی، خاصیت (تشدید)، خورشید مادری کند و زهره دایگی، تشریف و بارگی، شحنگی، ز مویه گشت چو موی و ز ناله گشت چونال، وز آتش هوسم دل بسینه در چو نکال، دهن تنگ تنگ، هان، مآب و مآل، قصیدۂ غرا ص ۱۷

ماهیِ والہ قیفال، معن زائده، قیس ساعده، قوی (قوای ؟) سامعه حالی. کندش استقبال، محل نظر (تشدید)، صورتگری، پلنگ بربری، گری، شبیخون ص۱۸

نیکو محضری، شیوه گری، صاحب نظری (اضافت) عیسی زسم کرم، جانور (اعلان نون) ص ۱۹

کاسه گری، مختصری، فلک لاجورد، سرمه لوائی، سرای سپنج، زهرۂ شیر فلک آب شد از بیجگری، زمین معرکه را طینت جلاب دهد ص ۲۰

مشعله داری، که شرح خندۂ گل گریۂ گلاب دهد، خضاب دهد، شعبده بازی، مظفر و منصور، زمین و کوه نباشد دران درنگ و صبور، ز پیش فطرت تو نان صبحدم ز تنور ص۲۱

درین سرای که الا سواد ماتم نیست ص ۲۲

مایۂ بحار بحور، بدان دقائق فطرت که وضع اقلیدس، زنده دل، که نعمت تو برین بنده گر قیاس کنم، صوفی صافی، مقرنس نیلوفری، بچار عنصر و یک مبدأ و دوکون و سه روح، حس (تشدید)، بسازگارک من بنده از سر افضال ص ۲۳

که آستین بقا از دوام معلم نیست (معلم بفتح لام قافیه)، طارم (بفتح رقافیه)، شب صدرۂ اکسون و سحر قرطۂ کاهی ص ۲٤

مباهی، آمر و ناهی، چه شهری چه سپاهی، خندان (معاً بعد کے شعر میں هراسان قافیه) ص ۲۵

تاحسود تو درین عید بقربان باشد، اولیٰ تر، زلفین، این همه جور که میکرد بعمدا نکند (قوافی دیگر: فردا، ثریا وغیره)، چشمه دردا ص ۲٦

فسرده نهاد، جایگه، نقش قرا خان ص ۲٦

هم در نمکدان لبت حلوا و بریان ساخته، خلوتخانه،

برگرد یاقوت لبت آن خط همچون مورچه ماریست گویی خوابگه مهتر سلیمان ساخته

. طغرا و فرمان، گوی گریبان ص ۲۷
گزبندی تو می گذرد آسمان دو تائی، هرزه لای ص ۲۸
خویشتن سنای، برداری از زمین بسرِرمح سر گرای، سنگ کهربای،
کحلی چراغ ماه، َخور (قافیه) ص ۲۹
مهندسی چو خرد گرچه جلد و استاد است، جور و بیداد، که نیست
هیچ کشایش زیارب سحری، بنفشهٔ طبری، نوحه گری. بیبصری، کفش هزار
چو دریا تراشه چین دارد ص ۳۱
گنبد برین، غث (تشدید) ص ۳۲
ثمین، ز خون دیده بگرید ز بهر من مترنگ، کاس شرنگ خوردن،
شعرهای باریک، بشیر طاقی خود غرهٔ نمیترسی، پشنگ، که لخطه لخطه
بابرو در آورد آژنگ، نقش خانهٔ کنگ، که آفتاب حوادث بگل بیندایی،
مقرنس نیلوفری ص ۳۳
صف (بے تشدید)، ستارهٔ، سراچهٔ غیب ص ۳٤
سبز طشت مینائی، سبکپایی، خانقاه، که همچو مهر تو ام ذره گرد
و هرجایی، چابکدست، ستاره شکار، اسیر شوکت او مسرعان لیل و نهار،
مرا زمانهٔ جاقی نوید استظهار ص ۳۵
عظیم خال طرب خوش نهاد بر رخسار، آتشکدهٔ برزین، دقائق بین،
ذروهٔ علیین صخرهٔ صما ص ۳٦
پورسینا، خرده کاری، طاق خضرا، از تباشیرسحررگ سپیداب دهند ص۳۷
بمن امثال تو گر گوهر نایاب دهند، اهلیت (بی تشدید)، که خرد
میکند فرق دران تاره و پود، غنچه درحیز حزم تو نجنبد بی جود (اور قوافی
فارسی جو پہلے ذال سے لکھے جاتے تھے، ممکن ھے جود خود هو)،
جان شیرین تو دل خستهٔ ما میشکرد، سایه بان سرا پرده ص ۳۹
از تکاپو شده ام سر سبک و هرجایی، فرود خیمهٔ کحلی زر نگار تویی،
از خضر مانده بر چشمهٔ حیوان سایه، که سنگلاخ قضا بند بر شکارنهد ص۴۰
[٤ ۹ ۱۹٦۰]

چہار صد ایراد بر کلام آزاد

ڈاکٹر فضل الرحمن ندوی

علما و فضلا کے درمیان علمی اور معاصرانہ چشمکیں علم و ادب کی ابتدائی تاریخ سے پائی جاتی ہیں. خود ہندستان میں متعدد مثالیں آپ کو ملیں گی کہ علم و فضل میں ممتاز مقام حاصل ہونے کے باوجود معاصرین ایک دوسرے سے اختلاف رائے کرتے رہے ہیں. ان اختلافات میں جو حکمت و دانائی مضمر ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں. لیکن بسا اوقات اس طرح کے واقعات اور تحریریں اپنا اصل مقصد کھوکر عام ابتذال کی سطح پر آگئی ہیں. اکبری دربار کے علما کے درمیان جو معاصرانہ اختلافات تھے وہ ہمارے ملک کے لطائف و حیل میں شمار ہوتے ہیں. اسی پر عظمت دربار کے نورتن ایک دوسرے کے خلاف کیا کچھ نہیں کہتے اور کرتے تھے. پر وقار علما میں ملا عبد القادر بدایونی ممتاز تھے. لیکن جہاں اکبری دور کی گمرھی و ضلالت کی تہوں کو چاک کیا ہے وہاں یہ حقیقت ہے کہ انھوں نے اپنے بعض معاصر علما کی تنقیص و توہین بھی کی ہے. اختلاف رائے بری چیز نہیں مگر علمی وقار و شوکت کے شایان شاں ہو تو کیا کہنا؟ ملا بدایونی کی مقبول خاص و عام کتاب «منتخب التواریخ» شاھد ہے کہ ایسی مثالیں یہاں بھی ملتی ہیں.

یہ اس انسانی فطرت کی طرف اشارہ تھا جو عین تقاضاے بشریت ہے. لیکن ان امور سے بڑھ‌کر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ایک دوسرے کی تردید اور صرف تردید میں سیکڑوں اور ہزاروں صفحات سیاہ کردیے جاتے ہیں. بعد کے دور میں جواب اور جواب الجواب کا سلسلہ بڑا طویل

ہوگیا۔ اس باب میں جو رسائل اور کتابچے لکھے جاتے وہاں صرف بات کی پچھ مقصود ہوتی نہ کہ صورت حال کا جائزہ اور اظہار حقیقت۔ زمانہ حال تک ایک مخصوص حلقہ میں یہ بدعت جاری ہے اور بےداغ دامن کو کاغذ کی طرح سیاہ کیا جاتا ہے۔ آدمی آدم ہی کی اولاد ہے، لغزش زبان و قلم آدمیت ہی کی خاصیت ہوسکتی ہے۔

بارھوین صدی ھجری میں یہ مذاق عام ہوگیا تھا کہ علما و فضلا، معاصرین کی تردید یا تائید میں رسائل لکھتے۔ کچھ رسائل کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تحریر کا رنگ عام طور پر مناظرانہ ہے۔ اس دور کی ممتاز شخصیت، سراج الدین علی خاں آرزو اکبر آبادی (١١٠٠/ ١٦٩٨-١١٦٩/ ١٧٥٥) نے اپنے معاصر، مسلم الثبوت، استاذ علی حزین[١] (١٦٩٢،١٧٧٩ع) پر کچھ اعتراضات وارد کیے اور غلطیاں نکالیں جو رسالے کی شکل میں «تنبیہ الغافلین فی الإعتراضات علی أشعار الحزین» کے نام سے مدون ہوا۔ اس رسالے کی تصنیف کا مقصد، عام لوگوں پر یہ واضح کرنا تھا کہ ایرانی نژاد شعرا بھی لسانی، محاوراتی اور فکری غلطیوں کا ارتکاب کرتے ہیں اور ہندی نہاد شعرا بھی وسعت نظر رکھتے ہیں[٢]۔ انھیں کی ایک اور تصنیف «سراج منیر» بھی ہے۔ اس میں ابوالبرکات منیر (متوفی ١٠٥٤ھ /١٦٤٤)[٣] کے ان اعتراضات کے جوابات ہیں جو عرفی شیرازی (م٩٩٩/ ١٥٩٠)[٤] وغیرہ کی شعر و شاعری پر کیے گیے تھے[٥]۔

---

١ حالات کے لیے دیکھیے سرو آزاد ص ٢٢٥ مطبوعہ لاہور ١٩١٣ع اور *A Literary History of Persia* by E G Browne IV p 115,

٢ حاکم لاہوری نے «مجمع النفائس» سے یہ عبارت اخذ کی ہے: «ایامی کہ فقیر رسالۂ «تنبیہ الغافلین فی الاعتراضات علی أشعار الحزین» نوشتہ بود بعضی از کاسہ لیسان هند کہ بتصدیق بلاتصور معتقد کلام شعرای ایرانند بخان مسطور ظاہر کردند کہ آرزو اعتراضات از جہت خلاف محاورہ وسستی عبارت و نارسایی مصارع براشعار حزین نمودہ» تذکرۂ مردم دیدہ ص ٤٨ مرتبہ ڈاکٹر سید محمد عبد اللہ، لاہور، ١٩٦١)

٣ حالات کے لیے دیکھیے سرو آزاد ص ٦٠

٤ حالات کے لیے دیکھیے، آزاد: خزانۂ عامرہ ص ٣١٨ براؤن نے سال وفات ٩٩٩- ١٥٩٠ دیا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ کتابت میں یا سہواً تسعین کا عدد رہ گیا ہے۔

٥ سرو آزاد ص ٢٢٨

آزادِ بلگرامی (۱۱۱۶/۱۷۰٤ـ۱۲۰۰/ ۱۷۸۵) بھی اسی دور کے آدمی ہیں. ان کی مقبولیت عام ان کے بعض معاصرین کی نظر میں کھٹکتی رہی اس لیے بعض علمی لغزشوں کو مشتہر کرنے کی کوشش بڑے شد و مد سے کی گئی . لیکن ان کا علمی کام اس قدر مختلف النوع تھا کہ اس کی شعاعیں دیار و امصار میں پھوٹیں تو نئے رنگ اور نئے جلووں کے ساتھ عوام میں آئیں . نتیجہ یہ ہوا کہ چراغ دکھلانے والے چڑھتے سورج سے بازی نہ لے جاسکے . «مآثر الکرام» اور « سرو آزاد » تصنیف ہوئیں تو بعض تسامحات کو بہانہ بنا کر مستقل تصنیف کی بنیاد دی گئی . اسی کے نتیجے میں « شرائف عثمانی » وجود میں آئی . اس میں غلام حسن ثمین بلگرامی[1] نے بلگرام کے صدیقی فرشوری علما و فضلا کے حالات اہتمام سے قلمبند کیے . اس سلسلے میں دیگر علما و فضلا کا ذکر بھی آگیا ہے . خاص طور پر مصنف نے آزاد کی تردید و تغلیط کو اپنا شیوہ بنایا ہے . محمد صدیق سخنور عثمانی بلگرامی[2] نے « تحقیق السداد فی رد کلام الآزاد »[3] تصنیف کی اور جا و بے جا اعتراضات کا طومار باندھا تو اس کے جواب میں آزاد کے ایک ممتاز شاگرد عبدالقادر سمرقندی دھلوی نے قلم اُٹھایا اور « تادیب الزندیق فی تکذیب الصدیق »[4] تصنیف کرڈالی اور سخنور کی خوب خوب خبر لی . « تذکرۃ الشعراء » میں وارستہ سیالکوٹی نے بھی آزاد کی شعر و شاعری پر اعترضات وارد کیے اور ان کی بعض تصانیف سے غلطیاں نکالیں .

اوپر کے اشارات سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ اس دور کا یہ عام چلن تھا اور اس میں ہر خاص و عام کچھ نہ کچھ حصہ لیتا تھا، الاماشاء اللہ ، اس لیے آزاد کو بھی نہیں بخشا گیا . ملا باقر آگاہ نے ایک مستقل تصنیف آزاد بلگرامی کی خوردہ گیری میں یادگار چھوڑی ہے . دس، بیس، پچاس، نہیں بلکہ پوری چار سو غلطیاں ان کی تصانیف اور شاعری سے

---

۱ حالات کے لیے دیکھیے ایضاً ص ۳۰۰

۲ حالات کے لیے دیکھیے نتائج الافکار ص ٤۲٤؛ سرو آزاد ص ۳٤۹ــ ۳۵ ؛ عقد ثریا ص ٤۳

۳ اسٹوری نے اس کتاب کا نام « تحقیق السداد فی مذلات الآزاد » لکھا ہے دیکھیے *Persian Literature* p. 863.

نکالی گئی ھیں۔ یہ عظیم کارنامہ کتابی شکل میں پیش کیا گیا ھے اور اس کا نام «چہار صد ایراد بر کلام آزاد» رکھا گیا ھے۔ مصنف نے اس کا دوسرا تاریخی نام «عثراتِ آزادیہ» تجویز کیا ھے[1]. ابجد کے اعداد و شمار سے سال تصنیف ۱۱۹۹ / ۱۷۸٤ نکلتا ھے جو آزاد کی وفات سے ایک برس پہلے کا زمانہ ھے۔

راقم کو اس کے صرف دو نسخوں کا علم ھو سکا ھے:

۱۔ کتاب خانۂ جامعۂ علی‌گڑھ (ذخیرۂ شروانی ۲۸۲/۵۰)

۲۔ کتاب خانۂ آصفیہ، حیدرآباد[2]

ذخیرۂ شروانی کا پیش نظر نسخہ قیمتی ھے۔ اندرونی شواھد اور مطالعہ سے معلوم ھوتا ھے کہ مصنف کے ھاتھ کا لکھا ھوا ھے۔ اس نسخے کے مختلف مقامات پر تفہیم کے لیے حاشیے لکھے گئے ھیں۔ «این کلنگی‌است» کی یوں تشریح کی گئی ھے:[2]

«حکایت این کلنگ که به تقلید پرواز شہباز خود را در غدیر گل انداخت و در معده گاذر آشیانه ساخت. در دفتر اول سلسلة الذهب مسطور است، اولش: گاذری در نواحی بغداد.

۱۲ منه کان الله له»

اسی طرح صفحات ۱۱، ٤۹، ۵۰، ۵۱، ۸۳، ۱۳۰، ۱۳۸، ۱۵۱، ۱۵۷، ۱۷۶، ۲۱۵ پر حواشی باریک خط میں ھیں لیکن خط کتابت اصل کتاب سے مختلف نہیں اور حروف کی شکست و ریخت بالکل یکساں اور ایک قلم کی ھے۔ «منه کان الله له» کا فقرہ اکثر حاشیے کے اختتام پر لکھا گیا ھے۔ یہ ممکن ھے کہ کاتب اور حاشیہ نویس کوئی دوسرا شخص مصنف کے علاوہ ھو لیکن ایسی صورت میں کاتب اپنا نام ضرور درج کرتا اور بھول نہیں چھوڑتا۔ اس لیے مذکورہ بالا فقرہ مصنف کے ساتھ منسوب کیا جائے گا۔ یہ عام رواج تھا اور اس وقت بھی ھے کہ مصنف نظر ثانی کے وقت توضیحاً کچھ لکھدیتا ھے پھر دعائیہ فقرہ بھی اخیر میں لکھتاھے۔

---

۱ محمد یوسف کوکن: باقر آگاہ ص ۶۹ مطبوعہ *Annals of Oriental Research* University of Madras 1955 Part I کوکن صاحب کو اس کے صرف ایک نسخے کا پتا چل سکا ھے۔

۲ ایراد (= چہار صد ایراد) ص ٤

کتاب کے پیش نظر نسخے کے صفحۂ اول پر کتاب کا نام درج نہ تھا ، مولانا شروانی نے نام اور ایک مختصر عبارت لکھدی ہے[1] .

دوسرے صفحے کی پیشانی پر «چار صد ایراد برکلام آزاد» سرخ روشنائی سے لکھا ہوا ہے ۔ بسملہ اور حمدلہ کے بعد عبارت یوں شروع ہوتی ہے : «ریاحین مضامین رنگین و ازاهیر تراکیب دلنشین ، نثار حمد منتقم محمود المدلی . . . » .

صفحہ ۲۵۵ پر جو کتاب کا آخری صفحہ ہے ذیل کا شعر ہے اور اسی پر خاتمۂ کتاب ہے :

سلامٌ علیکم و العهود بحالها   وإن جاوز الأبحاث حد کمالها

کاغذ قدیم ہے ۔ کتاب میں خط نسخ اور نستعلیق دونوں یکساں طور پر ملتے ہیں ۔ خط نستعلیق شکست مگر پختہ اور صاف ہے ، خط نسخ خوش خط ہے ۔ ہر صفحے میں تقریباً پندرہ سطریں ہیں ۔ عنوانات سرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں ۔ آخر میں کوئی ترقیمہ درج نہیں ہے ۔

آزاد بلگرامی کے تذکرہ نویسوں نے اس کتاب کا کہیں ذکر نہیں کیا ہے ، حالانکہ آزاد کے دیگر معترضین کا ذکر خیر کہیں کہیں بڑے شرح و بسط کے ساتھ ملتا ہے ۔ اس کے علاوہ ان حضرات کا ذکر بھی ہے جنھوں نے آزاد کی تائید اور مخالفین کی تردید میں کوئی صحیفۂ قلم یادگار چھوڑا ہے ۔ گویا اس سلسلہ کی دیگر کڑیوں کا کہیں نہ کہیں ضرور پتا چلتا ہے ۔ تعجب ہے کہ یہ اہم کتاب جو صرف آزاد بلگرامی سے متعلق ہے اور اس میں کسی دوسرے سے تعرض نہیں ، تذکرہ نگاروں کی نظر سے مخفی رہی ۔ ہاں «تذکرۂ گلزار اعظم» میں بسلسلۂ آگاہ جملۂ معترضہ کے طور پر اتنا ضرور لکھا ہوا ہے جس سے آزاد اور آگاہ کے مابین اختلافات اور ایرادات کی تعداد کی طرف اشارہ ہوتا ہے[2] :

---

۱ « به بلدۂ حیدرآباد خرید شده . قیمت پنج روپیه حالی . محمد حبیب الرحمن شروانی ۲۲ رجب المرجب ۱۳۴۵ ھ »

۲ محمد غوث خان اعظم : تذکرۂ گلزار اعظم ص ۱۱ ـ ۱۲ مطبع سرکاری ، حیدرآباد ، ۱۲۷۲ ھ

« معترض یعنی واصف[1] ، هو تذکرهٔ خود در ترجمهٔ میر آزاد بلگرامی نوشته که مناظره و مباحثهٔ فضیلت دستگاه مولوی محمد باقر آگاه و چهار صد ایراد بر فاضل متبحر آزاد از نیرنگی روزگار خبر می دهد » .

محمد باقر آگاه (۱۱۵۸/ ۱۷۴۵ء—۱۲۲۰ ۱۸۰۵ء) جنوبی ہند کے علما میں نہایت ممتاز درجہ کے عالم تھے اور فضل و کمال کے لحاظ سے بلند مقام پر فائز. ان کے اور ان کے شاگردوں کے فیض علم نے تشنگان علم و کمال کو ایک مدت دراز تک سیراب کیا ہے. ان کے حالاتِ مختلفہ تذکروں میں ملتے ہیں[2] .

آگاہ کی حیات و سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے صرف آزاد بلگرامی سے معرکہ نہیں لیا ہے بلکہ وہ اپنے ہم عصر دیگر علما و فضلا سے بھی دست نبرد ہوچکے ہیں. ان کے ایک ہم عصر، جلیل القدر عالم، بحرالعلوم مولانا عبدالعلی (۱۷۳۹/۱۱۵۲—۱۲۲۵, ۱۸۱۰) سے بھی کارزارِ مناظرہ و مباحثہ گرم رہا تھا . ملا بحرالعلوم نے رسالۂ «التحقیق الأنیق فی بیان أفضلیة الصدیق» میں چار پانچ جگہ اور «لباب اللباب فی بیان فضائل الأصحاب » میں دو جگہ استدراک لکھے[3]. آگاہ کی طبیعت پر یہ بات گراں گذری اور ان کے تعلقات بحرالعلوم سے کشیدہ ہوگیے . ان کا رسالہ « عین الإنصاف» انہیں استدراکات کے جواب میں ہے اور اب «کتاب الرسائل» میں شامل ہے[4].

« چهار صد ایراد بر کلام آزاد » کی تصنیف کس طرح ہوئی ایک دلچسپ کہانی ہے . دلچسپ اس لحاظ سے کہ انسان کی طبیعت پہ جب کوئی بات یا حرف گیری گراں گزرتی ہے یا بسا اوقات خلاف توقع

---

۱ واصف کے حالات کے لیے دیکھیے گلزار اعظم ص ۲۹۷

۲ نتائج الافکار ص ۶۲ - ۶۴، طبع مدراس ۱۸۴۲ ؛ گلزار اعظم ص ۸ - ۱۲ اور محمد یوسف کوکن کامفصل مضمون : باقر آگاہ ، بحوالۂ سابق

۳ محمد یوسف کوکن : باقر آگاہ ص ۳۴

۴ ایضاً ص ۳۴

کوئی امر واقع ہوتا ہے تو اس وقت آتش غضب بھڑک اٹھتی ہے ؛ اور جذبۂ انتقام چلا نہیں بیٹھنے دیتا. انسان خوردبین لگا کر باریک سے باریک لغزشوں کا پتا چلانے کی کوشش کرتا ہے. اسی انسانی کمزوری کا مظہر اور مرقع زیر بحث کتاب ہے.

میں نے آگاہ کے مقام علم و فضل کا اوپر ذکر کیا ہے؛ اور دنیا آزاد کی عظمت و وقار اور فضل و کمال کی پوری طرح قائل ہے، اس لیے ایسی ہستیوں کا باہمی فکری و علمی اختلاف اپنے اندر چند در چند سبق آموز پہلو رکھتا ہے. اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علمی اور فنی عقدوں کی گرہ کشائی خوب خوب کی گئی ہے اور بہت سے ایسے مقامات آتے ہیں جہاں عقل و نقل کے دریا بہا دیے گیے ہیں. خصوصاً ان ادبی نکات کو اس طرز مناظرہ سے دور ہٹ کر دیکھا جائے تو دونوں کے مقام علم و فضل اور شخصیت کو نمایاں کرتے ہیں. یہ بات ہر شخص محسوس کرسکتا ہے کہ مناظرانہ رنگ اکثر مقامات پر اپنی حد اعتدال سے شوخ تر ہوگیا اور بسا اوقات ان اوراق کے پڑھنے والے کو طبیعت پر بار دینا پڑتا ہے. مگر ایرادات اکثر معلومات افزا ہیں اور خصوصاً خیالات کے توارد کی مثال میں اساتذۂ کلام کے بڑے اچھے اشعار پیش کیے گیے ہیں. یہ ماننا پڑتا ہے کہ آگاہ کا ذوق سخن ستھرا اور سلجھا ہوا تھا اور کتاب کا پڑھنے والا یہ محسوس کرے گا کہ اس کا وقت ضائع نہیں ہورہا ہے.

آزاد سے مراسلت کی ابتداء آگاہ نے کی تھی.[1] آگاہ، آزاد کے علم و فضل کے قائل ہیں. ایک جگہ ان کی شہرت اور علمی صلاحیت کو تسلیم کرتے ہوئے رقم طراز ہیں[2] :

> «از بدو اضعاء محامد اوصاف و مکارم اخلاق و استعداد رسا در قواعد عربیه و مهارت درست در ضوابط ادبیه که الی الآن چهارده سال می شود، غائبانه اخلاص وافی و اتحاد صافی که یوم بیوم متزاید می شود بهم رساند. . . »

---

۱. ایراد ص ۲ ۲. ایضاً ص ۶

جہاں کتاب میں دیگر اہم اور دلچسپ باتیں ہیں وہاں ایک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ آزاد نے ایک مرتبہ آگاہ کو «خان صاحب» لکھ کر خطاب کیا تھا، بس کیا تھا آگاہ برہم ہوگیے. چونکہ اپنے لیے یہ خطاب ننگ و عار سمجھتے تھے اس لیے انھوں نے بھی ارادہ کیا کہ وہ میرزا، بیگ، جنگ وغیرہ لکھ بھیجیں تاکہ ترکی بہ ترکی جواب ہو۔ائے، مگر پاس ادب ملحوظ رکھتے ہوئے آگاہ باز رہے[1]. آگاہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ آزاد میں ترفع کی کیفیت جواب نہ دینے کی وجہ سے پیدا ہوئی اور غرور کا سر اونچا ہوتا گیا. مگر آگاہ کی تحریر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جولانی طبع میں اعتراضات کی ابتداء اسی طرف سے ہوئی تھی. چنانچہ لکھتے ہیں[2]:

«هفت استدراک اینجاب که بر بعض عبارات ایشان کرده بود
و پاس جانب و حفظ مراتب را دران بکار برد ...»

ممکن ہے کہ آزاد کی انکساری نے، جیسا کہ دیگر تذکرہ نویس لکھتے ہیں، آگاہ کو ہمت دلائی ہو کہ وہ بھی اپنی صلاحیت کا اظہار کریں. لیکن آزاد کا جواب شائد ان کی توقع کے خلاف نکلا اور آگاہ کے خیال کے مطابق دون شان تھا، اس لیے ان کی طبع نازک پر بار ہوا. آزاد بلگرامی نے استدراکات کے جواب نیز آگاہ کے اشعار کی چند فنی اور ادبی غلطیاں بھی نشان زد کرکے بھیجی تھیں[3] جن کو آگاہ «داد سفاہت و مجادلہ»، کہتے ہیں[4] اور تال ٹھوک کر میدان میں اتر آتے ہیں اور نعرہ لگاتے ہیں[5] «الحدید یلین بالحدید»[6]. بس یہ تھی بات جس کی وجہ سے آگاہ نے اس کے جواب میں پوری کتاب لکھ ڈالی. اس کتاب میں پہلے خطوط کے اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں، اس کے فقرے اور جملے معرض بحث

---

۱ ایراد ص ۷ ۲ ایضاً ص ۰

۳ آگاہ نے «قصیدۂ بانت سعاد» کے تتبع میں لامیہ قصیدہ لکھا تھا. نیز ایک اور قصیدہ نونیہ جس کا مطلع یہ ہے:

قلبی الذی یہواک طال جفاہ یأنی الیک فاکرمی مثواہ

انھیں دو قصیدوں کی خامیاں آزاد نے نکالی تھیں.

۴ ایراد ص ۰ ۵ ایضاً ص ۰ ۶ لوہا لوہے سے نرم ہوتا ہے.

میں آتے ہیں پھر آزاد کا پورا علمی و ادبی کام یکے با دیگرے سامنے لایا جاتا ہے۔ خود گویا ہیں[۱]:

«در جواب مشارٌ الیه ورقی چند که تاریخ تسویدش از «عثرات آزادیه» می شود، می نگارد و «بچهار صد ایراد بر کلام آزاد» موسوم می سازد و چون مومی الیه اوراق خود را بطرز مکتوب آغاز کرده، اینجانب نیز همبران نسق افتتاح نمود...»

کتاب کے چند ابتدائی جملوں کا مطالعہ فوراً یہ بتادیتا ہے کہ بات بڑے سخت انداز میں کہی جارہی ہے اور آزاد کا مخلصانہ استدراک کس قدر تلخ محسوس کیا گیا ہے۔ رعایت لفظی کو ملحوظ رکھ کر بات کی ابتدا یوں کی جاتی ہے[۲]:

«... که سرو آزاد[۳] ناموزون را بسبب سرکشی دعوی آزادی بیحاصل [و] پا بگل ساخت و نرگس شهلا را بجهت عیب بینی و نکته چینیٔموزونان چمن بعلت کوری و زرد روئی انداخت...»

مقدمۂ کتاب کے الفاظ نہایت سخت ہیں۔ آزاد کے لفظ کی رعایت کرکے ایسے جملے اور معنی وضع کیے گیے ہیں جن سے صاف معاندانہ روش کا اظہار ہوتا ہے۔ آزاد کی حرف گیری کی طرف اشارہ کر کے یوں گویا ہیں[٤]:

«... شبوی شب خیز را در مکافات اختیار شیوهٔ دزدان برای تنبیه دیگران سیاسةً بدار آویخت. و اجزاء نسرین و یاسمین را در موازات نازش و نخوت، نزاکت و لطافت، بفرع انبیق تادیب و ترتیب از هم ریخت. لسان سوسن آزاد را در کیفر تیز زبانی بی‌معنی گنگ آسا در شکنجهٔ خموشی کشید..».

---

۱ ایراد ص ٦ ۲ ایضاً ص ۲

۳ آزاد کی ایک تصنیف کا نام جو لاہور سے ۱۹۱۳ء میں طبع ہوچکی ہے۔

٤ ایراد ص ۲

یہ سلسلہ جاری ہے اور اشارے کنایے کے تیر پے بہ پے یوں چلائے جارہے ہیں[1] :

«چہرہ گلین خاردار گلچین آزاد را بحمرت خجل یعنی
بگل احمر غازہ سرخ روی داد . . .» .

پوری کتاب ایسے ہی اشارات و کنایات سے بھری پڑی ہے . آزاد کی شخصیت پر براہ راست ضرب لگانے کی کوشش بھی کی گئی ہے . زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ آزاد کے چند جوابی جملوں کو ان کے خلوص کے منافی سمجھا گیا اور ہر جگہ ان کی نیت پر حملہ کیا گیا ہے ، جو علمی کام کا طریقہ نہیں بلکہ مناظرانہ طرز گفتگو ہے . مصنف نے اشارات و کنایات کا لبادہ اوڑھا ہے اور پر پیچ راہوں سے گذر کر آزاد کی ذات پر عقب سے آئے ہیں . ان کے خیال میں آزاد نے جہاں کہیں بھی اعتراضات کیے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں . ان الفاظ میں اس کا تذکرہ کرتے ہیں[2] :

«. . . لالۂ خودرو را بسزای رعونت آب و رنگ داغدار کرد و آز
نافرمان بجراء نافرمانی بسیاہ روئی ابرو برد . بید مجنوں تا مربوط
حرکات را بترقی معکوس پایند نمود و قمری و حمام را در
پاداش پندار بی اصل غرام بطوق ایلام و ملام مطوق فرمود . . .»

چند سطریں جو ابھی پیش کی گئی ہیں وہ صاف بتاتی ہیں کہ مصنف کا دل صاف نہیں ہے ؛ اور اس کی کبیدہ خاطری پیرایۂ بیان بدل بدل کر اپنے حریف و مقابل کو نشانۂ ملامت بنارہی ہے . یہ باور کرنا تو مشکل ہو گا کہ یہ جملے آگاہ جیسے شخص کے قلم سے بے سوچے سمجھے نکل گیے ہوں گے اور وہ لب و لہجے کی سختی جسے ہمارے دل و ذہن محسوس کر رہے ہیں ان کے پیش نظر ہرگز نہ ہوگی . ہاں یہ صحیح ہے کہ مقفیٰ و مسجع عبارت میں الفاظ کی رعایت ضرور ملحوظ ہوتی ہے لیکن قادر الکلام شخص معنی کو فروتر کبھی نہیں کرسکتا . آگاہ سے بھی ایسی ہی توقع ہے .

---

۱ ابراد ص ۳
۲ ابراد ص ۳

آگاہ اپنے استدراک کے پیش کرنے پر عذر خواہ بھی ہیں؛ مگر چونکہ حقیقت کا اظہار کرنا مقصود تھا اس لیے وہ مجبور ہوئے کہ قلم اٹھائیں اور شاعرانہ لغزشوں کا پردہ چاک کریں۔ اپنے خاص انداز میں پھر لکھتے ہیں[1]:

«الم تریٰ أنهم فی کلِ وادٍ یهیمون[2]» را کمند گلوگیر گردانید که زهر کمان کش «قابَ قوسین او أدنی[3]» و حکم انداز «و ما رمیت و لکن[5] الله رمی[4]» که برد.

گویا اس مجادلے کی ذمہ داری آگاہ پر نہیں ہے بلکہ آزاد پر ہے۔ نیز اس طرح خدا کی طرف سے یہ بات ہونا طے تھی کہ ان غلطیوں کا پردہ فاش ہو، اس لیے غیب نے یہ سامان کیا۔

مفاخرت کا رواج اس دور کی تحریروں میں عام طور پر ملتا ہے۔ یہ آزاد کے یہاں بھی ملیگا اور آگاہ کے وہاں بھی۔ آگاہ اپنے کام کی نوعیت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛ اور واقعۂ شق قمر سے تلمیح کرتے ہیں[5]:

«دائرۂ قمر را بدو قوس مساوی تقسیم نمود و گاهی بر تشنه لبان، آتشین جگر، جداولِ حوض کوثر کشود. احکام شرع تقدس انتظامش بکام و دهان گسسته مهاران بیدای ضلالت شد و حلم جودی و قارش سبب اذعان سبکساران خفت و جهالت آمد...»

آگے دیکھیے کس عظمت و شکوہ کا مظاہرہ اپنے اس نیک کام پر کر رہے ہیں اور خود کو کن الفاظ میں پیش کرتے ہیں[6]:

«آئینه دارِ پرده کشان حجله خیال و خار خار بجان گل پیرهنان، بهارستان حسن مقام، محمد باقر آگاه ابلوری، مکنه الله من المقام التوری...»

---

۱ ایراد ص ۳ - ۴ — ۲ شعراء : ۲۲۴ — ۳ نجم : ۹
۴ انفال : ۱۷ — ۵ ایراد ص ۴ — ۶ ایراد ص ۴

جب اپنی شخصیت سے متعلق آگاہ کا یہ خیال تھا تو یقیناً آزاد کی مربات بری لگتی اور آزاد کا ہر کام غلط قرار دیا جاسکتا تھا. یہ عُجب پسند اور صاحب پندار ہوسکتے تھے. ان کا کام تار عنکبوت سے بھی زیادہ بے وقعت اور بودا قرار دیا جاسکتا تھا. یہ الفاظ کا گورکھ دھندا نہیں ہے بلکہ ذہن کے سمتِ کار کی غمازی بھی ہے. آگاہ لکھتے ہیں[1]:

«درین روزہا آزاد بلگرامی کہ ام الدماغ خود را آشیانۂ زاغ عُجب و پندار کردہ اند و از شبکۂ طبقۂ عنکوتیہ مگس و ہم غلط کار را بکمان آہو شکار می کنند ...»

حیرت کی کوئی انتہا باقی نہیں رہتی حب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آگاہ نے آزاد کی خوبیوں اور صلاحیتوں کا «اقرار باللسان» کیا ہے؛ لیکن اختلافات پیدا ہونے پر تمام محاسن حرف غلط کی طرح مٹائے جاتے ہیں. کیا خوبیوں کے اقرار اور اس کی تشہیر و اشاعت کے بعد صرف چند علمی نکات اور ادبی اختلافات کے وجود میں آنے پر تمام محاسن محو ہو جاتے ہیں؟ فکر و فہم کی ہم آہنگی فرد واحد میں عنقا ہے نہ کہ مختلف قالبوں کے اندر اس کی جستجو کی جائے. یہی وہ بنیادی غلطی تھی جس نے آگاہ کو آزاد سے برہم کیا. ہر نقطۂ خیال کو نقطۂ مماس سمجھ لینا فطرت کے تقاضوں کے خلاف ہے. آگاہ کی ذات میں سوء ادب نہ ہو تو عرض کروں کہ آزاد بلگرامی نے «خان» لکھ کر جو خطاب کیا تھا وہ شاید آگاہ کی تیزی و طراری اور تند مزاجی کی وجہ سے تھا. لفظ «خان» کے اندر آج بھی یہ تصور پنہاں سمجھا جاتا ہے. آگاہ ہر طرح آزاد کے محاسن اخلاق اور کمال علم و دانش کے مقرہیں. اس سلسلہ کے یہ چند جملے ایرادات کے مطالعہ کے وقت ذہن نشین رکھنے کے قابل ہیں[2]:

«... و از آغاز ظہور مصادقات تا این زمان بہ نشر محاسن خصایل و مہارتیکہ در فنون ادب دارند مشغول بودم»

---

۱. ایراد ص ۵ ۲ ایراد ص ۸

آگے لکھتے ہیں کہ آزاد کے ابیات و قصائد فخریہ ان عربوں کو سنایا ہے جو حج کے سلسلہ میں ان کے دیار میں آیا کرتے تھے ۔ کبھی ان کی طرف سے کوئی اعتراض ہوتا تو مدافعانہ جواب بھی پیش کرتے ۔ آگاہ نے مزید لکھا ہے کہ دو عربی قصیدے آزاد بلگرامی کی خدمت میں ایسے ارسال کیے گیے تھے جن میں آزاد کی شان میں مدحیہ اشعار تھے ۔

٭ ٭ ٭

محمد غوث خان متخلص به اعظم ، صاحب « تذکرۂ گلزار اعظم» آگاہ کے طرف دار معلوم ہوتے ہیں : کیونکہ واصف نے آگاہ اور آزاد کے مابین اختلاف کو « نیرنگی روزگار » بتایا تو اعظم لکھتے ہیں کہ واصف کے پدو و عم اور خود واصف ایک واسطہ سے آگاہ کے شاگرد ہیں اس لیے یہ فیصلہ نہ دینا چاہیے تھا « بس این قدر اساءت ادب در حق استاد الاستاد سخت تر نامناسب [است][1] » . اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علمی حلقوں میں ان اختلافات کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا ، حتی کہ آگاہ کے شاگرد صرف اس وجہ سے کہ آزاد پر ان کے استاذ نے ایرادات وارد کیے ہیں بد دل نہ ہوسکے ۔ یہی وجہ ہے کہ واصف اس شعر اور معذرت کے ساتھ اپنی رائے دیتے ہیں[2] :

« حق در آنجا بدست حیدر بود جنگ با او خطاء منکر بود

پاس ادب رخصت نمی دهد که زیاده ازین گفته شود »

« تذکرۂ گلزار اعظم » میں صرف چار ایرادات درج کیے گیے ہیں جن میں دو فارسی کے اور دو عربی کے ہیں یہ انتخاب بتاتا ہے کہ یقیناً اعظم نے اُن ایرادات کو اختیار کیا ہوگا جو ان کی نظر میں اہم تھے . یہ مختصر ہیں ، اس لیے پہلے یہی پیش کیے جاتے ہیں .

★ ایراد اول :

یا بود قوس عطارد که رسولش رد کرد

قاب قوسین بس اورا ز خدا عزّو جل

---

۱ گلزار اعظم ص ۱۲ ۲ ایضاً ص ۱۲

نسبت اهدای قوس بعطارد رضی الله عنه بی اصل محض است و غلط فاحش[1]. از عبارت اصابهٔ شیخ الاسلام ابن حجر[2] عسقلانی اهدای قوس ثابت می شود. چنانچه روایت طبرانی نقل کرده که عطارد هدیه فرستاد بجناب آنحضرت صلی الله علیه وسلم ثوب دیبا را که کسری اورا پوشانیده بود. بس در آمدند اصحاب آنجناب و از نفاست آن حله تعجب کردند، فرمود: چه تعجب می کنید؟ ازین حله هر آینه رومال سعد درجنت بهتر است ازان. و آنکه در شرح قصیدهٔ هلالیه نوشته اند که «در مخلص تلمیح است بقصهٔ عطارد ابن حاجب که او کمانی را بحضرت صلی الله علیه وسلم فرستاد قبول نه فرمودی. آن کمان را بدست یهودی بچهار هزار درم فروحت» بعد ازان نگاشتند که «قصه اش در قاموس هم در مادهٔ قوس مذکور است و عبارت آن با عبارت کتاب «أنوار الربیع فی أنواع البدیع» تصنیف سید علی مکی متفق. مکرر انیکه در «أنوار الربیع» می گوید: أهداها إلى النبی صلی الله علیه وسلم فلم یقبلها فباعها من یهودی بأربعة آلاف درهم» و در قاموس جمله «فلم یقبلها»[3] نیست و از رد و قبول هر دوساقط است و علمای اصول فقه گفته اند: «الساکت لم ینسب إلیه القول» و موافق این قاعده کلام قاموس باکلام صاحب «أنوار الربیع» منافات نه دارد.

آگاہ نے آزاد کی غلط فہمی کی وجه یوں بتائی ہے:

«می گویم لا اصل له. ظاهرا شما باعتقاد[4] صاحب «أنوار الربیع» صحیح دانستند[5]. منشاء این اشتباه عدم تأمل در عبارت قاموس است[6]. صاحب قاموس بعد شرح وجه تلقب پدر عطارد به ذو القوس می فرماید «فارتحل عطارد ابنه رضی الله عنه إلى کسری[1] یطلب قوس أبیه فردها علیه و کساه حلة. فلمارجع

---

١ کتاب میں یه اضافه ہے: این مضمون بشرح و بسط در رسالهٔ هلالیه نوشته ام. همان عبارت را بعد ترقیم شرح سامی برین بیت می نویسم.

٢ ابن حجر: الإصابة فی تمییز الصحابة (٣: ٤٤٧)، طبع مصر ١٩٣٩ م

٣ قاموس طبع مصر، ١٣٤٤ ھ میں موجود ہے کلکته ١٢٣١ھ کے ایڈیشن میں ساقط ہے، معلوم ہوتا ہے که آزاد کے پیش نظر وہ نسخه تھا جس سے ساقط ہے اور اسی نوع کا نسخه ہندستان میں رائج تھا.

٤ ایراد: باعتماد ٥ ایضاً: دانسته ٦ ایضاً: بود

أهداها إلى النبی صلی الله علیه وسلم فباعها من یهودی بأربعة الآف درهم»
آن مهربان توهم کردند که ضمیر «اهداها» راجع «بقوس» است و چنین نیست بلکه راجع «بحله» است و اگرچه در نسخ متعددۀ قاموس لفظ «فلم یقبلها» نیست لکن آن لفظ ضرور است. شاید بسهو نساخ یا از اصل مسوده ساقط شده والا ضمیر مستترکه در «فباعها» است عاید بجانب ختمیت مآب می‌شود، و آن معقول نه نماید. چه در اصابه بروایت مسلم آورده که عمر رضی الله عنه عطارد را دید که حلۀ دیبا را ببازار می فروشد. و بود عطارد که آمد رفت می داشت بدربار پادشاهان و می یافت عطیات از آنها. پس عرض کرد عمر رضی الله عنه یا رسول الله کاش خرید می کردی این حله را و می پوشیدی آن را هنگام آمدن وفود عرب پس فرمود آن حضرت که نمی پوشد لباس حریر در دنیا مگر کسیکه بی نصیب است در آخرت[1]»

۱ «قوس» اور «حله» دونوں مؤنث مستعل ہوتے ہیں اور یہ واقعہ «قوس» کے تسلسل میں تھا اسی لیے آزاد کو تسامح ہوا. ورنہ ابن حجر کی تفصیل سے آگاہ کے خیال کی تائید ہوتی ہے. ضمیر کا مرجع قریب کی طرف ہونا چاہیے.

۲ مجھے علی متقی کی عبارت سرسری تلاش میں نہیں مل سکی ہے. اگر وہی خیال ان کا ہے جس پر ایراد لازم آتا ہے، تو متقی سے چوک ہوئی ہے. چونکہ آزاد نے اس پر اعتماد کیا تھا اس لیے ان سے بھی وہی غلطی سرزد ہوئی.

★ ایراد دوم، یہ ایک شعر کے مفہوم سے متعلق ہے[2]:

می رفت آستان ترا این نیاز مند اکنون تو خاک روب سرائی که بودۀ

آگاہ نے فکری ابتذال پر گرفت کی ہے، لکھتے ہیں[3]:

«ظاهر این معشوق عاشق صفت از زمرۀ خاک روبان بوده باشد

---

۱ گلزار اعظم ص ۱۲-۱۳، اس کا آخری حصہ اصل کتاب سے کسی قدر مختلف ہے لیکن مفهوم وہی ہے جو ذکر ہوا «چهار صد ایراد» میں یہ ایراد صفحہ ۶۰ پر ہے.

۲ یہ اعتراض «چهار صد ایراد» میں صفحہ ۲۰۱ پر ہے.

۳ گلزار اعظم ص ۱۴—۱۵

بمقتضای «کل شیء یرجع الی اصلہ» با وصف استغنای معشوقیت
آخر خاک روبی اختیار کرد. و در نفس الامر محبت شما با چنیں
معشوق خالی از ملامت نیست»

آگاہ نے جو تشریح پیش کی ہے اس میں ابتذال سے زیادہ ان کی غلط فہمی کو دخل ہے۔ ورنہ اس سے کہیں اچھا مفہوم نکالا جاسکتا ہے. یہ بھی ہوسکتا ہے کہ محبوب خود کسی کا عاشق ہو اور اس قدر والہ اور منکسر ہوجائے کہ اپنے محبوب کے در پر «خاک روبی» کرنے لگے۔ پھر «خاک روبی» کے لفظی معنی کیوں لیے جائیں بلکہ یہ کیوں نہ سمجھا جائے کہ «صاحب ناز» دوسرے کے در کا «نیاز مند» ہوگیا ہے، اور اب اس پر راز عشق منکشف ہوا ہے۔

علاوہ بریں اس حقیقت پر اگر نظر ہو کہ «پریت نہ جانے جات کجات» تو شاعر کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا ہے، اس لیے کہ ادب سماج کا آئینہ ہے اس میں آپ بیتی اور جگ بیتی دونوں ہوں گی۔ آگاہ کا «محبت شما با چنیں معشوق خالی از ملامت نیست» کہنا کسی طرح صحیح نہیں۔

«تذکرۂ گلزار اعظم» میں عربی کے یہ دو ایرادات عروضی اور فنی نقص سے متعلق ہیں۔ آزاد نے «قطعۂ عالی»[1] کی شرح میں بعض فنی اور عروضی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔ آگاہ اسی قبیل کی بعض غلطیوں کو آزاد کے کلام میں بھی پاتے ہیں۔ چنانچہ اس شعر کے دوسرے مصرع میں «موازنہ» کی «ها» وزن تقطیع میں ساکن آتی ہے۔

★ ایراد سوم :

و لعام رحلتہ وجدتُ مؤرخاً   ثقلت موازینہ من الفرقان

---

۱ نعیم خان عالی نے ایک قطعۂ عزل کلیگر خان (پسر دوم عمدۃ الملک جعفر خان، وزیر اعظم پادشاہ عالم گیر) کی کدخدائی (بصبیۂ سید مظفر وزیر سلطان ابوالحسن والی حیدرآباد) کے موقع پر نظم کیا تھا، جس کا پہلا شعر یہ ہے :

بار دیگر کہ خدا شد خان والا منزلت   باکمال عز و تمکین با وقار زیب وزفت

آزاد نے بعض احباب کے اصرار پر اس کو شرح لکھی ہے۔ خزانۂ عامرہ میں نعمت خان عالی کے تذکرے کے بعد یہ شرح بھی منقول ہے۔

اس پر وہ لکھتے ہیں :

«این بیت در بحر کامل است : متفاعلن، متفاعلن، متفاعلن، متفاعلن، مستفعلن، مفعولن. مصراع اولش سالم و ابتدایش بدستور و حشو مصراع دوم مضمر و ضربش مقطوع مضمر پس های « موازینه » در مقابلۂ فای مستفعلن واقع شده. و اسکان متحرک درصدر و عروض و ابتداء و حشوین غیر جائز. چنانچه آن مہربان در شرح قطعۂ عالی در مصراع :

« قد رجع من جانب البلده بخفی الحنین »[1]

گفته اند که « درین مصراع چهار نقص واقع شد. یکی سکون عین « رجع » دوم وقف های « بلده » سوم تشدید های « خفی » چهارم ادخال الف لام بر اسم « حنین » تلمیح باین عبارت هم می توان کرد[2]، مصراع :

« عاد طماع خفیف العقل مع خفی حنین »

مع بسکون عین هم آمده است چنانچه در قاموس است[3]

مخفی نماند که مدار مصاریع داخله در فارسی بر مسامحت است. هرگاه آن مہربان دریں جا ایں نقصانہا روا نه داشتند در شعر خود که عربیست چگونه روا داشتند. و تشدید یای « خفی » از ضرورت است نه از نقصانات و ادخال الف لام در علم در کلام فحول شعرای عرب بنظر رسیده. ابن میاده[4] در مدح ولید بن یزید بن عبدالملک می گوید :

رأیتُ الولید بن یزید مبارکاً شدیداً باعباء الخلافة کاهله

پس این هر دو ایرادات بر عالی بیجا است.. و اگر های موازینه را متحرک گردانند وزن از دست می رود »

★ ایراد چہارم :

وصلٌ و صدرٌ آفة و قساوة، ما المبتغی لمن هذه الأوصافُ

---

۱ اس کا پہلا مصرع یہ ہے :

فقه و کسوت بسر افتاد نگرفته جهاز

دیکھیے آزاد : خزانۂ عامرہ ص ۲۳۷، نولکشور کانپور

۲ خزانه : گفت ۳ ایضاً ص ۲۲۸

۴ متوفی ۱۴۹/۷۶۶، حالات کے لیے دیکھیے زرکلی : الاعلام (۳ : ۱۱۰)

این بیت ناموزون است و صورتش اینکه بیت مذکور در بحر کامل است. عروضش سالم و ضربش مقطوع مضمراعنی مفعولن که منقول است از متفاعل. تقطیش چنین می شود: و صلن و صد = مستفعلن، رن آفتن = مستفعلن، و قساوتن = متفاعلن، مل مبتغا = مستفعلن، لم هاذهل = متفاعلن، اوصافو = مفعولن، پس نون در لفظ «لمن» زاید است که مصراع را ناموروں ساخته و سوائ عدم موزونیت در بیت اقوی[۱] نیزهست و آن اختلاف حرکت رویست. روی این قصیده فای مکسور است و دریں بیت فا مضموم می شود خبر لفظ «من» است.

«چہار صد ایراد بر کلام آزاد» سے انتخابِ ایرادات میں اختِصار اور تنوع کو پیش نظر رکھا گیا ہے تاکہ ان اوراق کے پڑھنے والوں پر زیارہ بار نہ ہو. ظاہر ہے کہ تمام ایرادات صحیح نہیں ہیں. اکثر غلط فہمی بھی بنیاد بنی ہے، اس لیے راقم نے کہیں کہیں اس کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے. اصل کتاب میں پہلے عربی خط و کتابت کے حوالے سے ایرادات زیر بحث آئے ہیں، اس کے بعد آزاد کی عربی تصنیفات سے متعلق بعض ایرادات پر گفتگو ہوئی ہے. آزاد کا فارسی دیوان آگاہ کو نہیں مل سکا تھا. لیکن «خزانۂ عامرہ» اور لچھمی نراین شفیق[۱] کے انتخاب کردہ اشعار کو پیش نظر رکھ کر ایرادات وارد کیے گیے ہیں[۲]. یہاں یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ آگاہ نے آزاد کی تصنیفات اور شعروشاعری کا اسی غرض سے بالاستیعاب مطالعہ کیا تھا. چنانچہ «سبحۃ المرجان»، «عربی دواوین»، «مظہرالبرکات»، «شفاء العلیل»، «خزانۂ عامرہ» وغیرہ تصانیف کے حوالے ملتے ہیں. اول اول گفتگو عربی زبان میں شروع کی جاتی ہے بعد میں اس کا رخ فارسی زبان کی طرف ہوگیا ہے.

ذیل کا ایراد آگاہ کی طرف سے پیش کیا گیا تھا. اس کا جواب آزاد نے لکھا. گو یہ بھی طوالت سے خالی نہیں، لیکن اس سے پوری بات کے

---

۱ متوفی (بعد ١٢١٤/١٧٩٩)، آزاد کے خاص شاگردوں میں ان کا شمار ہے مختلف تذکرۂ شعرا کے مصنف ہیں اور انھوں نے «گل رعنا» وغیرہ میں آزاد کے اشعار منتخب کرکے پیش کیے ہیں. تفصیل کے لیے دیکھیے نتائج الأفکار ص ٢٠٠، محبوب الزمن ص ٥٧٩ اور Storey : *Persian Literature*, P. 464

۲ ایراد ص ٢٤٥

سمجھنے اور تمام ایرادات کی روح کو پانے میں بڑی آسانی ہوگی. اختصاراً پیش ہے.

۱ یہ ایراد اور جواب ایراد صفحہ ۲۰ سے شروع ہوتے ہیں. یہاں یہ بحث چھیڑی گئی ہے کہ ردیف اور روی کی صحیح تعریف کیا ہے. آگاہ کا خیال ہے کہ « إن الردیف یکون بکلمة فصاعداً و بحرف أو حرفین[1] » آزاد نے یہ تعریف کی ہے « بأنه عبارةٌ عن کلمةٍ مستقلةٍ فصاعداً یتکرر بعد الروی[2] » اس پر آگاہ فرماتے ہیں کہ اس تعریف سے یہ شبہہ ہوتا ہے کہ ردیف ایک حرف کے تکرار سے واقع نہیں ہوسکتا. آزاد اس کا جواب دیتے ہوئے آگاہ کے اس شعر کو سامنے رکھتے ہیں اور تجزیہ کرتے ہیں. یہی قصیدہ جس کا یہ شعر ہے معرض بحث میں ہے:

قلبی اصطلی مخیاله ... حتی استحال بخاله

آگاہ نے لکھا تھاکہ یہ قصیدہ لامیہ ہے اور اس کی « روی » حرف « های مکسوره » ہے. حقیقت ہے کہ یہ بات مضحکہ خیز ہے. اگر اس قصیدہ کی « روی » « های مکسوره » مان لی جائے تو اس کو « ها » کی روی میں داخل ہونا چاہیے تھا. حالانکہ آگاہ نے اس کو اپنے دیوان میں لام کی « روی » میں شمار کیا ہے. آگاہ کے اس شعر سے مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تاق الفؤاد إلی مدینة طاها ... یاربِّ کیف یلوح لی مراها

اگر کوئی قصیدہ مقصورہ واقع ہو اس کے بعد «های ضمیر» یا « کاف ضمیر » ہو تو اس کو قصیدہ ہائیہ یا کافیہ صرف اس وجہ سے کہتے ہیں کہ الف حروف علت میں ضعیف شمار کیا جاتا ہے اور اس کی طرف نسبت بھی اسی لیے نہیں دیتے ہیں. اس موقع پر آزاد نے اپنے اس قصیدہ کو پیش کیا ہے کہ یہ کافیہ ہے. چونکہ الف مقصورہ کے بعد « کاف ضمیر » واقع ہے، اس لیے اس کا شمار « قصیدۂ کافیہ » میں نہ ہوگا:

یا ظبیةٌ فتنتنی أین مرعاکِ ... و حیث أصبحت عین الله ترعاک

---

۱ ردیف کسی کلمہ میں ایک حرف یا دو حرف کے تکرار کو کہتے ہیں.
۲ ردیف کسی ایک مستقل یا زیادہ کلمہ سے عبارت ہے جو روی کے بعد مکرر آتا ہے.

یہاں آزاد نے «وصل» اور «ردیف» کے فرق کو واضح کیا ہے۔
ن کا خیال ہے کہ «وصل» عربی اور فارسی اشعار دونوں میں آتا ہے؛
«ردیف» صرف اہل عجم کے یہاں مستعمل ہے۔ متاخر شعرائے عربی نے
ردف اشعار ضرور کہے لیکن اصل ماہیت اس سے نہیں بدل سکتی۔ «وصل»
کی تعریف بحوالۂ «رسالۂ قافیہ» تصنیف میر عطاء اللہ (شاگرد ملا جامی) یہ
بش کی ہے: وصل اس حرف کو کہتے ہیں جو روی کے بعد متصل ہو؛
ور متصل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ مستقل کلمہ نہ ہو ورنہ ردیف
میں اس کا شمار ہوگا جیسے کسی کا یہ شعر:

در کنار خویش می خواهم گرفتارش کنم
آن قدرها بوسه بر گیرم که پندارش کنم

اس میں حرف «راء» روی ہے «ش» وصل اور «کنم» ردیف۔

آزاد کے جواب کا جواب نہایت طویل ہے اور اس کے جواب کے
فقروں کو الگ الگ لے کر ایک طویل بحث کی گئی ہے۔ طوالت کے
خوف سے اس کا اعادہ بہتر نہیں سمجھا گیا ہے۔ ابتدائی صفحات میں
آزاد کے جواب کا جواب درج ہے۔ بعد کے صفحات میں آگاہ نے صرف
ایرادات آزاد کی کتابوں کے حوالے سے نقل کیے ہیں۔

۲ - یہ ایراد اہم اور دلچسپ ہے۔ اس میں آزاد کی پوری توضیح آگئی ہے
اور اس کی روشنی میں ایراد کا مقام بھی متعین ہوسکتا ہے[۱]۔

«وضربوا بالغراب المثل فی التطیر فقالوا أشأم من غراب البین
و الأهاند یتفاءلون به فی الوصال و قدوم الأحباب. قال بقیة الأدباء
الأمجاد السید غلام علی آزاد سلمه الله تعالی فی کتابه «سبحة المرجان»:
و کذلک الفرس یتفاءلون به فی الوصال و قدوم الأحباب. قال
بقیة الأدباء: بالغراب فی تبشیره بوصال الأحباء ورأیت فیه بیتاً
من نظیری النیسابوری. و هو من فحول شعراء الفرس و دیوان
شعره مشهور و البیت المذکور فی روی العین المعجمة، انتهی.

---

۱ ایراد ص ۵۶

والبيت الذی أشار إليه المير هو هذا[١]:

مارا که فال عيش قدوم تو مطلب است
خوشتر بود ز نغمهٔ بلبل فغان زاغ

أقول: البيتِ المذكور لابد قطعاً على أن الفرس يتفاءلون بالغراب لأن صاحبه كانَ منَ الوافدين إلى الهند والقاطنين فيها برهة من الزمان فلعله أخذ هذا من رسومها كما أخذوا أشياء من المختصات بها. و هذا شائع فی منظوماتهم انتهی كلامی.

جوابكم: ضابطة شعراء الفرس وغيرهم أنهم إذا ذكروا فی كلامهم لفظة غير لسانهم و أشياء من خصائص غير ديارهم أشاروا إليه ليفهم أهل لسانهم سواء كانوا وردوا الهند أو لا. كما قال سليم الطهرانی[٢] الوارد بالهند:

جز هندو گل رخانش در هيچ کشوری نيست
آهو که خوابگاهش پشت پلنگ باشد

هذا البيت و الأبيات الأخرى المشتملة على الألفاظ الهندية مذكورة فی «غزلان الهند» تحت ابی قلمون، كلها مشتملة على الإشارة الا بيت امير خسرو وهو:

گفتم که بمانيم درين خانهٔ مامون گفتا که بلای است درين خانه ممانی

سببه أنه من أهل الهند و هم يشيرون ولايشيرون. مثال الأول بيت آرزو الاكبرآبادی[٣]:

گرفت آن مه هندی مه دگر در بر دگر مپرس حکايت که چند در چند است

و مثال الثانی بيت الأمير خسرو المذكور. والأبيات العربية المشتملة على الألفاظ العجمية مذكورة فی «سبحة المرجان» تحت ابی قلمون، كلها مشتملة على الإشارة. و من ههنا ظهر أن نظيری إن كان ينظم رسم الهند يشير إليه و مع هذا

---

١ كليات نظيری مع شرح مطبوعه نول كشور، لكهنو ١٨٧٤ع. اس كے شارح نے وهی مفهوم اختيار كيا هے جس كی توجيه آزاد نے كی هے.

٢ متوفی ١٠٥٧/١٦٤٧، يه شعر كليات سليم ميں (ذخيره شروانی نمبر ٤٨/٢٩) جس پر مصنف كے قلم سے اصلاحات هيں، موجود نهيں هے.

٣ يه شعر ذخيره شروانی نمبر ٤٧/٧٧ ميں نهيں هے

سمعت من أهل الایران أنّ أهل الخراسان یتفاؤلون بالتراب فی قدوم الأحباب و نظیری من نیسابور، و نیسابور من بلاد الخراسان انتهی.

آزاد کے جواب کا جواب دیتے ہوئے آگاہ یہ پھبتی کستے ہیں[1]:

«آن مہربانان درین ذھول معذور اند چه کنند حافظه نمی باشد...»

غالباً آزاد کی ضعیف العمری یا پھر اس فارسی مثل کی طرف اشارہ ہے کہ «دروغ گو را حافظه نباشد»

٣ الماس کی تحقیق: ایک ایراد یہ ہے کہ الف، لام «الماس» پر اصلی ہیں یا تعریف کے ہیں، نیز عجمی معرب الفاظ پر الف، لام کن صورتوں میں داخل کیے جاسکتے ہیں[2]. یہ بحث مختصر ہے، لیکن اصولی بحث ہے اس لیے نقل کی جاتی ہے. آزاد کی رائے، دلیل کی نظر میں، زیادہ وقیع معلوم ہوتی ہے اور صاحب «قاموس» پر جو ایراد کیا گیا ہے وہ یقیناً صحیح ہے اس لیے کہ حروف اصلی کو مادہ لغت قرار دینا چاہیے تھا. آگاہ کو «قاموس» کے ایک بیان سے غلط فہمی ہوتی ہے. «مقامهٔ حیدرآبادیه» میں لکھتے ہیں:

«الماس حجرٌ متقومٌ أعظم ما یکون کالجوزة نادراً ولا تقل «الالماس فإنه لحن». هذا خلاصة ما ذکره صاحب القاموس فی مادة «الموس». و قال الأدیب العلامة الشیخ شمس الدین فی دیباجة «المقامات الزینبیة» و أودعتها من لطائف الأجناس و نفائس الجوهر المنزهة عن ثقب الماس. و کتب ابن المصنف فی الهامش، الماس: حجرٌ من الأحجار المتقومة وهو یعد من الجواهر کالیاقوت والزمرد والعامة تقول الالماس». انتهی.

فما قال الأدیب السید غلام علی آزاد أن اللام أصلیة و یزاد عند التعریب لام أخری. و استشهد بکلام صاحب «البرهان القاطع» و استصوبه معترضاً علی صاحب «القاموس» حیث ذکره فی مادة «الموس» لا «اللمس» لیس بصحیح بل الصواب ما ذکره صاحب القاموس لأن «الماس» ان کان فارسیاً یستعمل عند العرب العربا کما ذکره سواء کانت اللام زایدة أو أصلیة تعریبهم و تصرفهم فی الألفاظ العجمیة معتبرٌ و صاحب البرهان لا یعباء به فی العربیة. انتهی.

---

[1] ایراد ص ٦٠

[2] ایضاً ص ٦٤

جوابکم: مہربانا! از سکه یا حفظ الغیب آن مخلص صمیم ذوقی بہم رسانده اند در شرح « مقامهٔ حیدر آبادیه » هم مخلص را یاد کرده اند و کلمات مہربانی بر زبان خامهٔ مشکبار آورده. عبارتی که فقیر در بیان لفظ « الماس » نوشته اینست « الماس لفظ فارسی کما ذکره صاحب «البرهان القاطع» وغیره فالألف واللام فیه من جوهر الکلمة و استعملته العرب فیجوز أن تدخل علیه لام التعریف و یقال « الالماس » کالیاقوت و هو فارسی معرّب و صاحب « القاموس » ذکر « الالماس » فی « الموس » والحق أن یذکر فی « اللمس » انتهی .

٤ الفاظ اور استعمال الفاظ سے متعلق :

منها علی قولی[1]:

جاءت إلیک تحیات الوری تتری   ما کان عونک منجی الواجم الوجل

هذا البحر بسیط تام وعروضه تجئ مخبونة دائماً أعنی فعلن بتحریک العین ولا تستعمل مقطوعة أعنی فعلن بتسکین العین لأن التاء الثانیة من تتری ساکنة و هو غیرجائزة بالإتفاق. إنتهی کلامکم

اس ایراد پر آگاہ کا یہ جواب ہے :

« در این ایراد به بیان قاعده عروض تدلیسی بکار برده اند تا بلفظ عدم جواز شبهه در خاطر سامعان اندازند و چنین نیست بلکه تای ثانیه از « تتری » بنا بر ضرورت که متفق علیه جمهور است. متحرک گردیده. و لفظ « دائماً » در عبارت شما غلط است چه لفظ مذکور حال عروض که مؤنث واقع شده ، بس « دائمة» می باید.

مذکوره بالا ایراد اور جواب ایراد سے آزاد اور آگاہ کی گفتگو کی نوعیت واضح ہوجاتی ہے. کبھی کبھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایراد برائے ایراد ہے اور جواب بخاطر جواب. شکل لغت استعمال میں حتی الوسع نہیں بدلی جاتی. اس کا بدلنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ شاعر قدرت کلام نہیں رکھتا یا پھر لفظ کے استعمال کے وقت متنبه نہیں ہوسکا ہے. لفظ « دائماً » کی طرف جو آگاہ نے اشارہ کیا ہے وہ در اصل حال نہیں ہے بلکہ ظرف واقع ہوا ہے اور « مخبونة » حال واقع ہے. اصل یہ ہے کہ حال اور

---

1. ایراد ص ۱۱۳

ظرف میں باریک سا فرق ہے۔ زمخشری نے لکھا ہے «ولہا بالظرف شبہٌ خاصٌ من حیث أنہا مفعول فیہا[1]» ورنہ ظاہر بات ہے کہ لفظ «عروض» کے مؤنث مستعمل ہونے میں آزاد کو شبہ نہ تھا اس لیے کہ «تجق» کا فعل اسی مناسبت سے استعمال ہوا ہے۔

٥ آزاد کے اس شعر میں[2]:

غانية قاتلة أوقعت مخلصها فی ورطات النوی

مخلص متعدی است و ضمیر «ہاء» راجع بمعشوقہ۔ از کدام چیز معشوقہ را خالص کردہ اند و مع ہذا لفظ مخلص درین زمان مستعمل السنۂ عوام است و با آنکہ در زمان پیشین مخصوص بالسنۂ آنہا نشدہ بود. در چنین محل در کلام ہیچ کس از عرب عربا ملحوظ نہ شد۔

٦ کہیں کہیں الفاظ سے بحث ہے اور اس کی جگہ مناسب الفاظ دیے گئے ہیں یا لفظ سے معنی میں جو قبح پیدا ہوا ہے اس کی طرف اشارہ ہے جیسے آزاد کے اس مصرع میں:

«ملاک رجائی نظرة من نوالك»

آگاہ کہتے ہیں کہ «نظرة را با نوال چہ مناسبت است. بجای نظرة رشحة اولی است»[3]

٧ ذوابتک الطوبی سواد مفصل لحسک و الإجمال نقطة خالك

آزاد کے اس شعر پر آگاہ لکھتے ہیں[4]:

«سواد را کہ مفصل حسن معشوقہ کردہ اند گویا لمعان حسنش را سیاہ و تیرہ ساختہ اند»

٨ قولکم[5]:

سری الغمام إلی أوج السعادة إذ أظل غصناً رطیباً یانع الثمر

«مضمون مصراع دویم لایق تشبیب است نہ شائستۂ نعت حضرت حبیب صلعم. و انشاء این تشبیہ نیز از قلت تا نق و سوء تادب است»

---

١ زمخشری: المفصل ص ٦١ طبع مصر، ١٣٢٣ھ ٢ ایراد ص ١٩٠
٣ ایراد ص ٢٣٠ ٤ ایضاً ص ٢٣٠ ٥ ایضاً ص ٢٢٢

قولکم[۱]:

لیست من المسک خیلان بوجنته　　دم تقاطر من صمام لحظته

دربیت حاجری:

وما إخضر ذاک الخد نبتاً و إنما　　لکثرة ما شقت علیه المرایرُ

انتقاد کرده اند و گفته: جعل خد معشوقته مسلخاً و بعضهم ما اکتفی بشق المرایر حتی سفک الدم علیه فقال:

وما إحمر ذاک الخد و اخضر فوقه　　عذارک إلا من دم و مرایر

چنانچه صاحب هم این را در «سبحة المرجان» آورده چه در تمام چهره دوسه خال مضایقه ندارد و در یک رخسار خالهای بسیار موجب قبح باشد. ففی بیتکم الحسنی و زیادة.

۱۰ توارد معنی کے اعتراصات آراد کے اشعار پر آگاہ کی طرف سے متعدد مقامات پر کیے گئے ہیں. اس لحاظ سے کہ یہ معلومات افزا ہیں قابل قدر ہیں. لیکن وہ کونسا شاعر ہے جس کے یہاں افکار و خیالات کی ریزہ چینی نہیں ملتی. قدیم، مستند، معیاری شعرا میں اس کی ان گنت مثالیں ملتی ہیں. اس کے پیش نظر آزاد پر کوئی وقیع ایراد وارد نہیں کیا جاسکتا. دو عالم و شاعر کے خیالات ہیں اس لیے اس سلسلے کے چند ایرادات یہاں نقل کئے جاتے ہیں.

قولکم[۲]:

یا رملة الوعساء أنت مقیمة　　فی قلبی المشتاق کالمنکامِ

و در شرح این بیت گفته اند: «و فی البیت معنی لم یسبق إلیه. یاخذ بمجامع القلوب». شاید این ابیات بنظر سامی نرسیده. طوطی شاعر می گوید:

خاک پایت که درین چشم است مارا که دران
متصل چون شیشه های ساعت و ریگ روان

بیت صاحب را با این بیت مناسبتی نیست و واله می گوید[۳]:

مرا چون شیشه ساعت بسینه گرد کدورت
ز تنگنای نفس بی شمار لرزد و ریزد

---

۱ ایراد ص ۲۲۲　　۲ ایضاً ص ۲۰۸

۳ یہ شعر دیوان واله داغستانی، ذخیرۂ شروانی نمبر ۴۷/۱۱۵ میں نہیں ہے.

۱۱ قولکم[1] :

أبو عرفه للعوج يبدو بيننا . طول الزمان مغير الأبدان

سلمان ساوجی می‌گوید[2] :

أستخوان پهلوی مه[3] از نحافت شد پدید

یا خود از پیری فلک را رگ[4] بر اعضا دیده اند

۱۲ قولکم[5] :

أو ساقط عرجون سدر المنتهى فوق البساط الأخضر التحتانی

ماخوذ است از «عرجون قدیم[6]» با این شاخ سدره با هلال مشابهت ندارد. مگر آنکه گویند شاخ سدرة المنتهی از قبیل سدر دنیا نیست و دریافت این معنی موقوف بر کشف است.

آزاد کے اس نونیہ قصیدہ پر جس کا ایک شعر ابھی پیش کیا گیا ہے ایرادات کی ایک طویل فہرست بنائی گئی ہے۔ «موقوف بر کشف» جیسے فقرے اکثر چست کیے گئے ہیں۔

۱۳ قولکم[7] :

۳ هذا محکٌ لا محالة جیدٌ تبدو علیه علامةُ العقیانِ

مولانا نظامی گوید :

کشیده صیرفِ روزگار نقرهٔ خام بروی سنگ محک بهر امتحان عیار

۱٤ قولکم[8] :

نخشی من الفلکِ الحریصِ علی الأذی هو آخذٌ بالمرهف العریانِ

عمارة یمنی می گوید :

و ما العیدُ إلا أنت فانظر هلاله فما هو إلا فی هلوک خنجرٌ

---

۱ ایراد ص ۲۰۹

۲ یہ شعر اس کے کلیات مطبوعۂ تہران سے ساقط ہے، ذخیرہ شروانی نمبر ۴۸/۴۲ کے کلیات میں صفحہ ۱۰۷ (الف) پر ہے۔ اس کا سال وفات، ۱۳ سال پہلے حافظ کی وفات سے بتایا جاتا ہے (۷۷۸ھ)۔ دیکھیے حالات کے لیے مقدمۂ کلیات سلمان ساوجی از اوستا اور E.G. Browne, History of Persia iii, 260

۳ شروانی : پہلوت ماہ

٤ شروانی : ذل

۵ ایراد ص ص ۲۰۹

٦ حتی عاد کالعرجون القدیم، یس : ۳۹

۷ ایراد ص ۲۱۲

۸ ایراد ص ۲۱۲

ابن نباته می گوید[۱] :

أو متجلٌ لحصاد[۲] القوم منعطف   أو خنجرٌ مرهف الحقین[۳] مطرور

یہاں آزاد کی قادر الکلامی ثابت ہوتی ہے نہ کہ سرقہ. عمارۃ الیمنی اور ابن نباتہ مصری دونوں ممتاز عربی شعرا میں سے ہیں . ان کے مقابلے میں انہیں کے خیالات کو نئے طرز سے ادا کرنا یقیناً قابل تحسین بات ہے.

۱۵ قولکم[٤] :

أو عابدٌ لله طال رکوعُه   و یاوح منه البارقُ الرّبانی

ابن نباته می گوید[۵] :

أو راکع الظهر شکراً فی الظلام علیٰ   من فضله فی السما و الأرض مشکور

صفدی می گوید :

بد الهلالُ و کنا فی أمره من ولوع   و راح مثل مصلٍ قد انحنی لرکوعٍ

صفحہ ۲۱٦ سے آزاد کے فارسی قصیدے پر ایرادات پیش کیے گئے ہیں.

۱٦ قولکم[٦]:

جیغهٔ شاه نجوم است که بر تافته رفت   بسکه از غلبهٔ صفرا ست دماغش مختل

ابو الحسن محمد بن عیسی کرخی در وصف هلال گوید :

ملیک علی أعلاه تاج مرصع   ویزهو علی من دونه بجلاته

جیغه و تاج قریب الشکل اند.

۱۷ قولکم[۷] :

گرچه دورست زما جلوهٔ بیت المعمور   می نماید خم محرابش ازین شیشه محل

صلاح الدین صفدی فرمود :

و هلال الأفق لاح لنا   مثل محراب إذا انعکسا

---

۱ دیوان ص ۱۸۹ (مصر، ۱۹۰۵م)   ۲ دیوان : بحصاد
۳ دیوان : النصلین   ٤ ایراد ص ۲۱۳
۵ دیوان ص ۱۸۹   ٦ ایراد ص ۲۱٦
۷ ایراد ص ۲۱۸

آخر میں آزاد کے متفرق اشعار پر اعتراضات کیے گئے ہیں۔ ذیل کے شعر میں لفظ «فاتحہ» کے استعمال اور عرفی معنی مراد لینے پر آگاہ معترض ہیں۔ آزاد نے مختلف مقامات پر اس کی تشریح کی ہے کہ وہ ایک خاص معنی میں کسی لفظ کو لیتے ہیں؛ نیز آزاد کی شاعری کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ مقامی رنگ اکثر جھلکتا ہے۔ یہاں بھی ہندی مسلمان معاشرہ کا رنگ پایا جاتا ہے۔

۱۸ قولکم[1]:

أیا حمامُ رعاک الله فاتحة إلی قتیل من الأوطان مبتعد

التماس فاتحه از حمام از عجائب است. و ایضاً «الفاتحة» أول الشق و صاحب به تتبع اهل هند فاتحهٔ عرفی مراد داشته اند و هو خطاء فاحش.

٭ ٭ ٭

یہ ہے اس کتاب کا مختصر تعارف اور جائزہ، ورنہ ان چارسو ایرادات میں کیا کچھ نہ پیش کیا گیا ہوگا۔ عروضی، فنی، لغوی، سرقۂ خیال و مضامین، عجمیت، استعمال غیر محل، ابتذال وغیرہ کی کتنی کتنی مثالیں پیش کی گئی ہیں اور تقریباً آزاد کی تمام تصانیف اور شعر و شاعری کا، جیسا کہ میں نے اوپر عرض کیا ہے، جائزہ لیا گیا ہے۔ ہاں تاریخی غلطیوں کی طرف کہیں اشارہ نہیں ہے، حالانکہ اس قسم کے تسامحات بھی پائے جاتے ہیں۔ آزاد کی ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی تصانیف سے اس درجہ کی غلطیوں کا نکالنا آزاد کے مقام کو اور بلند کردیتا ہے۔ یہ یقینی ہے کہ آزاد فطرت انسانی سے آزاد نہ تھے، لغزشوں اور تسامحات کا ارتکاب ان کی بشریت کے عین مطابق تھا اس لیے مقام تعجب نہیں۔

[۱۸/۱/۱۹٦۲]

---

[1] ایراد ص ۲۲۱

مجمل اللغة لابن فارس

(استدراک)

ابن فارس (متوفی ۳۹۵ ہجری) کی کتاب «المجمل فی اللغة» کے ایک اہم نسخے کا حال «مجلۂ علوم اسلامیه» کے پچھلے شمارے میں درج کیا گیا ہے[1]. یہ نسخہ ابن الخشاب النحوی (متوفی ۵٦۷ھ) کے عزیز شاگرد ابن میمون البغدادی (۵۲۳ - ۵۹۷)[2] کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے جس پر ابن الخشاب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک تحریر موجود ہے.

استاذ خیرالدین زرکلی نے اگرچہ اپنی تصنیف «الأعلام» میں ابن الخشاب کی کسی تحریر یا دستخط کا عکس شائع نہیں کیا ہے اور نہ اس کی نشان دہی کی ہے لیکن «مجمل اللغة» کے نسخۂ لائڈن کے علاوہ (جس کا عکس راقم شائع کرچکا ہے) اور کتابوں پر بھی ان کی تحریریں ملتی ہیں. لیکن مضمون لکھتے وقت کسی ایسی مکمل کتاب کا علم راقم کو نہیں تھا جو پوری کی پوری ابن الخشاب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہو.

ذیل میں ایک تحریر اور ایک کتاب کا ذکر کیا جاتا ہے جو ان کے قلم کی لکھی ہوئی ہے.

برٹش میوزیم میں «مجمل اللغة» کا ایک نسخہ ہے جس کی کتابت واضح اور جلی نسخ میں کی گئی ہے اور پوری کتاب مشکول ہے. کتابت مشہور عالم ابن الخشاب النحوی (متوفی ۵٦۷) نے کی ہے. نسخے کے خاتمے پر ان کے قلم کی یہ تحریر درج ہے:

«کتبه عبدالله بن أحمد بن أحمد بن الخشاب وهو يســأل الله عفوه و غفرانه».

---

۱ ڈاکٹر مختار الدین احمد: مجمل اللغة لابن فارس کا ایک قیمتی نسخہ، مجلۂ علوم اسلامیه ص ۱۱۷—۱۲۲ (علی گڑھ دسمبر ۱۹٦۰)

۲ الصفدی: الوافی بالوفیات f. 16 a نسخۂ برلین رقم، F. 3145

سرورق پر ابن الخشاب کی لکھی ہوئی ایک سند درج ہے :

قرأ عليّ هذا الكتاب من أوله إلى آخره الشيخ الأجل السيد الأوحد العالم جمال الدين أبو عبد الله محمد بن عبد الله المعرّى أدام الله تائيده و نفعه بالعلم قراءة عرضٍ و ضبطٍ وإتقـــانٍ وقرأته كله على الشيخ الإمام الزاهد أبى دلف هبة الله بن محمد بن على بن الحسن المقرىء رحمه الله . . عن المصنف إذناً و كان يقرأ على شيخنا الإمام أبى منصور موهوب بن أحمد ن محمد بن الخضر الجواليقى رحمه الله قراءة تصحيحٍ وأنا حاضر . . و كتب عبد الله بن أحمد بن أحمد بن أحمد بن الخشاب بخطه حامداً لله تعالى .. فى صفر من سنة خمسين و خمس مأية » .

نسخے کے حواشی پر کہیں کہیں اصلاحات اور اضافے کاتبِ نسخہ کے خط سے مندرج ہیں. اکثر اندراجات کے بعد نام کے بجائے « خ » مندرج ہے جو قریب یہ یقین ہے کہ ابن الخشاب کا اختصار ہے . نسخے پر تاریخ تحریر درج نہیں لیکن اس کا سال کتابت ۵۵۰ھ یا اس سے پہلے ہونا چاہیے .

اس نسخے کا ذکر فہرست مخطوطات عربی برٹش میوزیم میں ملے گا[1] .

ابن الخشاب کی صحیح نویسی اور حسن خطی کے متعلق ان حوالوں سے قطع نظر جو مضمون میں درج ہیں ، حسب ذیل حوالے قابل ذکر ہیں جو Charles Rieu نے مہیا کیے ہیں :

۱۔ صلاح الدين الصفدى : الوافى بالوفيات British Museum. *Add, 23,358* f.16

۲۔ الذهبى : تاريخ الإسلام Br. Mus Or. 51 f. 23

۳۔ السيوطى : بغية الوعاة f. 143

« مجمل اللغة » کے صحیح تنقیدی ایڈیشن پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے . اس کا ایک ایسا علمی ایڈیشن تیار کیا جاے تو اس کتاب کے نسخۂ لائیڈن اورنسخۂ برٹش میوزیم کی اہمیت ظاہر ہے . جو على الترتيب ابن میمون البغدادی اور ابن الخشاب النحوی کے قلم کے لکھے ہوئے ہیں .

علی گڑھ

[۱ / ۱۰ / ۱۹۶۱ م] ڈاکٹر مختار الدین احمد

[1] Charles Rieu, *Supplement to the Catalogue of the Arabic Mss. in the British Museum*, (London, 1894) pp. 574—575

بہاءالدین العاملی کا ایک غیر معروف رسالہ

الرسالة الصومیه

محمد بن حسین بن عبدالصمد بہاء الدین الحارثی، العاملی، الہمذانی، بمقام بعلبک سنہ ۹۵۳ ھ میں پیدا ہوئے۔ حصولِ علم کے لیے انہوں نے ایران، اصفہان، بیت المقدس، دمشق اور حلب کا سفر کیا۔ انہوں نے اصفہان میں وفات پائی۔ سال وفات میں اختلاف ہے استاذ خیرالدین الزرکلی صاحب «الاعلام» نے سنہ ۱۰۳۱ اور بروکلمن نے ۲۱ شوال سنہ ۱۰۳۰ ھ تاریخ وفات لکھی ہے[1]۔

یہ اپنے زمانے کے شیعہ علما و ادبا میں اعلیٰ مرتبہ رکھتے تھے۔ انہوں نے مختلف فنون میں بڑی مفید اور کارآمد کتابیں تصنیف کی ہیں۔ تفسیر میں «العروة الوثقی» حدیث میں «الحبل المتین» اصول میں «الزبدة»۔ ان کتابوں کے علاوہ «الفوائد الصمدیة فی علم العربیة» «أسرار البلاغة» «خلاصة الحساب» «تشریح الأفلاک» «إستفادة أنوار للکواکب من الشمس» ان کی بہت مشہور کتابیں ہیں لیکن جو مقبولیت ان کی تصنیف «الکشکول» کو حاصل ہوئی وہ ان کی کسی کتاب کو نہ ملی۔ انہیں شعر و شاعری سے بھی دلچسپی تھی چنانچہ عربی زبان کے علاوہ فارسی میں بھی شعر کہا کرتے تھے۔ ان کی دو کتابیں «شیر و شکر» اور «نان و حلویٰ» صوفیانہ شاعری کی شاہکار خیال کی جاتی ہیں[2]۔

---

۱ Brocklmann *GAL* ii 546

۲ الأعلام: (٦ : ٣٢٤) مزید حالات کے لیے مندرجہ ذیل کتب ملاحظہ کیجیے: المحبی: خلاصة الاثر فی أعیان القرن حادی عشر (۳ : ٤٤٠)؛ الخوانساری: روضات الجنات فی أحوال العلماء والسادات ٥٣٤ : آقا بزرگ الطہرانی: الذریعة إلی تصانیف الشیعة (۲ : ۳۹، ٦ : ٢٥)؛ الموسوی: نزهة الجلیس ومنیة الادیب الانیس (۱ : ۲۹٤)

«اثنیٰ عشریه» نام کی کم از کم چار عربی کتابیں ایسی ہیں جو علماے شیعه امامیه کی لکھی ہوئی ہیں :

(۱) اثنیٰ عشریه در طہارت و صلوة تالیف جمال الدین حسن بن شیخ زین الدین شہید ثانی بن علی بن احمد شامی (۱۰۱۱ ھ)[۱]. شیخ بہاء الدین عاملی نے اس کتاب کی شرح لکھی ہے[۲] جس کا نام ان کی متداول کتابوں میں نہیں ملتا لیکن اس کا ایک نسخه کتب خانۂ فاضلیه خراسان میں موجود ہے[۳].

(۲) اثنیٰ عشریه در رد صوفیه و بیان عقاید و بدعت ہاے ایشان تالیف شیخ حر عاملی[٤].

(۳) اثنیٰ عشریه تالیف سید محمد بن حسن بن قاسم حسینی عاملی. اس میں مصنف نے سرور کائناتؐ کی احادیث و فرمودات اور ائمۂ اثنا عشریه کے اقوال مناسب ترتیب سے جمع کردیے ہیں[٥].

(٤) اثنیٰ عشریه : تالیف بہاء الدین عاملی. اس کتاب میں مصنف نے طہارت، صوم، صلوة، زکوة خمس اور حج کے احکام و مسائل بہت اچھے اسلوب میں سپرد قلم کیے ہیں اور چونکه ان پانچوں ابواب میں سے ہر باب کو ۱۲ فصلوں پر مرتب کیا ہے اس لیے ہر ایک کا نام اثنیٰ عشریۂ طہارة اثنیٰ عشریۂ صلوة وغیرہ رکھا ہے[٦].

---

۱ اعجاز حسین الکنتوری : کشف الحجب و الأستار عن أسماء الکتب و الأسفار ۵۰ (کلکته ۱۳۳۰ھ).

۲ ابن یوسف شیرازی : فہرست کتب خانۂ مدرسۂ عالی سپه سالار (۱ : ۳۵۲ مطبوعه تہران : ۱۳۱۵).

۳ فہرست کتب خانۂ فاضلیه : ۱۱۲ بحوالۂ کتب‌خانۂ سپه سالار.

٤ کشف‌الحجب : ٦

٥ کشف‌الحجب : ٦

٦ کنتوری کو اس سلسلے میں غالباً غلط فہمی ہوئی ہے وہ لکھتے ہیں : «ذکر فی کل مباحث من الطهارة و الصلوة و غیر ذلک اثنی عشر فصلا و اذا سمی الإثنی عشریة و قد رأیت من هذا الکتاب خمسة أجزاء».

آغاز رسالۂ طہارت : أما بعد حمد الله على آلائه و الصلوة على سيد أنبيآئه.
آغاز رسالۂ صلوۃ : الحمد الله الذی و ُفقنا لإهتداء شريعة أشرف المرسلين.
آغاز رسالۂ صومیہ : الحمد لله الذی جعل الصوم جنة من النار و الصلوة على أشرف الخلايق محمد و آله الأطهار.
آغاز رسالۂ زکوۃ : حمداً لک اللهم على جميع آلائک و جزيل نعمائک.
آغاز رسالۂ حجیہ : الحمد لله على آلائه و الصلوة على أشرف أنبيائه.

اثنی عشریۂ عاملی کے نسخے کمیاب ہیں مشہور ایرانی فہرست نگار ابن یوسف شیرازی لکھتے ہیں :

« گویند اثنیٰ عشریۂ شیخ بہائی بـا « مشرق الشمسین[1] » ایشان چاپ شدہ با تفحص در بیشتر یا تمام کتب خانہاے عمومی و شخصی نسخہ آنرا نیافتیم »

اس کے دو اچھے نسخے ایران میں کتب خانۂ مشہد اور کتب خانۂ سپہ سالار اور ہندستان میں علیگڑھ اور بوہار کے کتب خانوں میں بھی ملتے ہیں ۔ اعجاز حسین کنتوری (۱۲۴۰ھ—۱۲۸۶ھ) بھی اس کے دیکھنے کے مدعی ہیں ممکن ہے انہوں نے بوہار کا نسخہ دیکھا ہو یا خود ان کے کتب خانے کا ہو[2] .

کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے عاملی نے کتاب کی پانچوں فصلیں علیحدہ علیحدہ لکھی تھیں بعد میں ان کو ایک جگہ کر کے کتاب بنادی اس کی بعض فصلیں مستقل رسالے کی شکل میں ملتی ہیں گو یہ بھی بہت کمیاب ہیں رسالۂ « الصومیہ » کے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ « الیومیہ » اور « الحجیة » سے فراغت کے بعد انہوں نے اپنے بعض مخلص احباب کے کہنے سے « الصومیة » لکھنا شروع کیا۔

ڈاکٹر مختارالدین احمد صاحب کے پاس « الرسالة الإثنیٰ عشرية الصومية» کا ایک قدیم نسخہ ہے مندرجہ ذیل سطور میں اس کا تعارف کرایا جاتا ہے:

۱ بروکلمن نے اس کتاب کے کسی مطبوعہ نسخے کا ذکر نہیں کیا ہے .
۲ کشف الحجب : ۵

«رسالة الإثنیٰ عشرية الصومية» شیعی فقه کی رو سے روزے کے احکام پر مشتمل ہے۔ اس رسالے کی تصنیف سے پہلے مصنف نے دو اور مختصر رسالے لکھے تھے جیسا کہ انہوں نے اس رسالے کے خطبے میں بیان کیا ہے:

«لما فرغت من تألیف المقالة الإثنیٰ عشرية فی الصلاة اليومية وأختها الإثنیٰ عشرية الحجية إلتمس منی بعض الأخلاء الأجلاء وفقه الله لإرتقاء معارج الكمال تألیف الإثنیٰ عشرية الصومية علی ذلك المنوال»

مذکورۂ بالا نسخے کی کتابت خط نسخ میں سیاہ روشنی سے کی گئی ہے اور عنوانات سرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں۔ نسخہ خوش خط ہے اور تقطیع متوسط، ہر صفحے میں نو سطریں ہیں اور بعض صفحات پر حواشی بھی مرقوم ہیں۔

پورا نسخہ کل تیس اوراق پر مشتمل ہے جن میں سے اٹھارویں ورق کے طولاً دو حصے ہوگئے ہیں جس کا ایک حصہ غائب ہے۔ اوراق ۲۱—۲۲ کرم خوردہ ہیں اور ۲۳—۲٤ کی آخر کی کچھ سطریں کرم خوردہ ہیں لیکن ایسی نہیں کہ عبارت پڑھی نہ جاسکے۔ کتاب کے بقیہ حصے درست ہیں مگر کاغذ کا ایک گوشہ آب زدہ ہونے کی وجہ سے بہت بوسیدہ ہوگیا ہے لیکن عبارت پڑھنے میں کوئی خاص دشواری نہیں پیش آتی۔ کتاب کا کاغذ دبیز ہے امتداد زمانہ کی وجہ سے اب کچھ میلا سا ہوگیا ہے۔

اس نسخے کو عبدالمجید بن مظفر بن حسن بن محمد بن مخزوم الکوری المقشاعی نے مصنف کے مکتوبہ نسخے سے مصنف کے زمانۂ حیات میں نقل کیا ہے۔ چونکہ یہ نسخہ مصنف کے زمانہ میں اور اسی کے مکتوبہ نسخے سے نقل کیا گیا ہے اس لیے اہم ہے۔ اس کی اہمیت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ سرورق پر محمد شاہ بادشاہ کے ایک درباری امیر کی مہر

ثبت ہے یہ مہر مدور ہے اور اس پر « معظم قلی خانہ زاد محمد بادشاہ غازی سنہ ۱۱۳۳ھ » منقوش ہے۔ اس کے بعد یہ نسخہ نواب سعادت اللہ خاں والی کرناٹک پایاں گھاٹ (م ۱۱٤٥ ھ) کے درباریوں میں سے کسی امیر کے ہاتھ لگا ہے۔ اس امیر نے عربی زبان اور مضمون کتاب سے ناواقفیت کی وجہ سے اسکو معما کی کتاب سمجھ لیا ہے اور سرورق ہی پر اپنی مہر کے نیچے یہ عبارت لکھدی ہے : « کتاب معما کرمیه. این کتاب شرح صاحب میر محمد شفیع الحسینی عمل نواب سعادت اللہ خاں مرحوم »

اس کتاب کا ذکر عاملی کے سیرت نگاروں اور کتب‌خانوں کی فہرستوں میں شاذ و نادر ہی ملتا ہے[۱].

کتاب کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے :

الحمد لله الذی جعل الصوم جُنّة من النّار والصلوٰة علی أشرف الخلایق محمد و آله الأطهار. و بعد فیقول أقل العباد محمد المشتهر ببهاء الدین العاملی وفّقه الله للعمل فی یومه لغده قبل أن یخرج الأمر من یده لما فرغت من تألیف المقالة الإثنیٰ عشریة فی الصلوة الیومیة و أختها الإثنیٰ عشریة الحجیة إلتمس منی بعض الأخلاء الأجلاء وفّقه الله لإرتقاء معارج الکمال تالیف الإثنیٰ عشریة الصومیة علی دلك المنوال.

اصل منقول عنه بهاءالدین العاملی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا اس کے آخری صفحے کے خاتمے کی عبارت جو بقلم مصنف ہے پیش نظر نسخے کے کاتب نے « صورة خطه أطال الله بقاه » کا عنوان دے کر نقل کردی ہے. خاتمه ذیل میں درج کیا جاتا ہے :

إتفق فراغی من تألیف هذه الرسالة الإثنیٰ عشریة فی یوم مولد من ختمت به الرسالة إلی البریة ألف و اثنیٰ عشر هجریة علی

[۱] بروکلمن نے لکھا ہے کہ کتب خانۂ آصفیہ میں اسکا ایک نسخہ موجود ہے اور اسکے علاوہ کتبخانۂ سپہ سالار میں بھی اسکا ایک نسخہ ملتا ہے۔

صاحبها ألف ألف صلاة و سلام تحية و أنا أحوج الخلق إلى رحمة الله الغنى محمد المشتهر ببهاء الدين العاملى وفقه الله للعمل فى يومه لغده قبل أن يخرج الأمر من يده و الحمد لله أولاً و آخراً و باطناً و ظاهراً.

بقلم الفقير إلى الله الغنى عبد المجيد بن مظفر بن حسن بن محمد بن مخزوم الكورى أصلاً و المقشاعى فرعاً غفرالله له و لوالديه ولكافة المؤمنين إنه غفور رحيم و الحمد لله رب العالمين.

عبد العليم-خاں

عليگڑھ
[١٥/١٢/١٩٦١م]

محمود بن علی الأستادار الظاهری

(۱) ص ۱۲۷ پر آپ نے حاشیہ میں «زردخانہ» کی تشریح کی ہے . یہ «زرد» «زرہ» کی تحریف ہے اس کی طرف اشارہ ضروری تھا . قلقشندی کے بیان سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے اور اسٹین گاس نے تو صاف اس کے معنی Coat of Mail کے دیے ہی تھے . بہر حال یہ لفظ «زرہ» ہے جو مرور زمانہ سے «زرد» بن گیا .

(۲) صفحہ : ۱۴۳ پر آپ نے وقف نامے کی جو عبارت درج کی ہے ، اس میں کچھ محذوفات نکالے ہیں . آپ نے یوں لکھا ہے :

« أن لا يخرج [ذلك] ولا [شيء منه] من المدرسة المذكورة » یہ دونوں محذوفات یعنی « ذلک » اور « شیء منه » غیر ضروری ہیں. اصل میں لکھا ہے : « أن لا یخرج ذلک من المدرسة » الخ. قدرتی طور پر « ذلک » کا مرجع « کتاب » ہے آپ نے « ذلک » کو « ولا » پڑھا اور اس کے نتیجے میں اپنی طرف سے اضافہ کرکے عبارت پوری کردی .

براسلز (بلجیم) مالک رام

[۱۶ / ۱۱ / ۱۹۶۰م]

(**) « کتاب الحاوی » نسخۂ بانکی پور پر دو وقف نامے درج ہیں ایک میں بلاشبہ « أن لا یخرج ذلک من المدرسة » لکھا ہے لیکن اس نسخے کے دوسرے وقف نامے میں جس کا عکس راقم نے شائع کیا ہے (لوح رقم ــ ۲) صراحةً : « وشرط الواقف أن لا یخرج ذلك ولاشيء منه من المدرسة المذکورة » لکھا ہوا ہے .

اس طرح « الحاوی » کے نسخۂ علی گڑھ کے وقف نامے میں بھی جلی قلم سے « أن لا یخرج ذلک ولا شيء » درج ملتا ہے دیکھیے اس کا عکس (لوح رقم ــ ۴).

« کتاب الصناعتین » للعسکری کا ایک نسخہ جو کہیں کتب خانۂ عمومیہ میں تھا فاضل معاصر Dr. S. A. Bonebakker نے ترکی میں دریافت کیا ہے اس کے وقف نامے میں بھی یہی عبارت درج ہے .

(ایڈیٹر)

Mahmud b. ʿAli al-Ustadar al-Zahiri by Mr. Malik Ram: A detailed article was published on this important Mamluk Amir by Dr. Mukhtar ud-Din Ahmad (*see Majalla* Vol. 1, No. 1) in which an attempt was made to give some information about his life and achievements derived from the few available sources that have been spared through the ages. In the present communication the writer has suggested some reading in the text of the *waqfiyyah* and some other useful points.

Patna. This codex comprises 40 folios and 1,461 verses. A selection of about 200 verses along with some specimens of idioms and compounds used by the poet have been provided in the article. This manuscript is not mentioned in the printed handlists and catalogues of the Khuda Bakhsh Library.

Rijal-i-Nahj al-Balaghah by Mahmud Hasan Qaisar Amrohawi: *Nahj al-Balaghah* has been claimed to be the collection of the speeches and letters of caliph 'Ali. This claim has been challenged on the ground that the compilation lacked *Isnad*. The author of the present articles has tried to establish the genuineness of the claim firstly by bringing out inner evidence provided by the method of compilation and secondly by tracing the chain of transmission of the contents from works compiled prior to *Nahj al-Balaghah* and then establishing the reliability and trustworthiness of the transmittors.

Chahar-sad Irad bar Kalam-i-Azad by Dr. Fazlur Rahman Nadvi: The article presents an exhaustive review of a book by Baqir Agah (1158/1745-1220/1805) which points out a number of errors in the Arabic and Persian works of Azad Bilgrami (1701-1751). Apart from the passing references in the *Gulzar-i-A'zam* the book does not find any mention in the extant biographies of Azad. Manucripts of the book, though rare, are available in the Azad Library, Aligarh and the State Library, Hyderabad.

SHORT NOTES AND COMMUNICATION

Mujmal al-Lughah li Ibn Faris by Dr. Mukhtar ud-Din Ahmad: The manuscripts of *Mujmal al-Lughah*, a well known work written by Ibn Faris (d. 395 A.H.) are preserved in several libraries of the world. This note introduces of one of the most valuable manuscripts of this work which is entirely in the autograph of the famous grammarian Ibn al-Khashshab al-Nahvi (d. 567 A.H.) and is preserved in the British Museum.

Baha al-Din al-'Amili ka ek ghayr ma'ruf risala by 'Abdul 'Alim Khan: This paper describes an earlier manuscript of *Risalah al-Saumiyya* written by the well known Shi'a scholar Baha al-Din al-'Amili (d. 1031 A.H.) transcribed in 1003 A.H. and owned by Dr. Mukhtar ud-Din Ahmad.

MAJALLA-I ʻULŪM-I ISLĀMĪYA

Vol 2 December 1961 No. 2

SYNOPSIS OF CONTENTS

ARTICLES

Mushaf-i ʻUthman ka tarikhi nuskha by Abu Mahfuz al-Karim Maʻsumi: The present article is a detailed survey of the conditions and circumstances under which the collection of the revelation was undertaken during the time of Caliphs Abu Bakr and ʻUthman. It is said that Caliph ʻUthman was assassinated at his residence in Madina while he was reading his codex. A number of museums and libraries claim to possess this codex which was originally in the possession of Caliph ʻUthman although the earliest Qur'anic Ms. of which fragments have come down to us were obviously written a century or more after his death. The present article provides a detailed list of those Qur'anic Mss. which were preserved in mosques and sanctuaries in the middle ages and some of which are still in existence in different museums or libraries of the world.

Diwan-i-Najibuddin Jarbadqani by Qazi Abdul Wadood: The article describes an important manuscript of *Diwn-i-Najibuddin Jarbadqani* owned by the Khuda Bakhsh Oriental Library,